تعدیل رجال بخاری



مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمن الاعظمی



تعدیل رجال بخاری

ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی



نام کتاب

تعدیل رجال بخاری

مصنف

مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی

اہتمام ———— ملک اسد علی قاسمی

مطبع ———— نوید حفیظ پریس

ناشر ———— مکتبہ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹرز

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان

042-37231119 , 0321-4021415

فہرست مضامین

حصہ دوم

تقریظ

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

امابعد! اِس حقیر نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا رسالہ جو روافض کے رسالہ "رجال بخاری" کے جواب میں ہے، مطالعہ کیا۔ جواب بحمداللہ شافی و کافی ہے اور حق یہ ہے کہ اہل سنت کے ذمہ ایک قرض تھا جس کو مولانا ممدوح نے ادا کیا۔ مؤلف رجال بخاری کی خیانت اور جہالت کی کارروائیاں جو گرفت کی ہیں وہ ہر شخص نہیں کرسکتا تھا۔

مولانا ممدوح کی دوسری تالیفات جس نے دیکھی ہیں اس کو کسی کی تصدیق کی حاجت نہیں، سلامت فہم اور متانت استدلال کی ایک خاص شان ان میں ہے کثر اللہ تعالی امثالہ۔ علمی قابلیت کے ساتھ سلیس اور شگفتہ اردو عبارت میں اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرنے کا سلیقہ بھی اللہ تعالی نے مولانا کو عطا فرمایا ہے۔ المختصر جواب بہ ہمہ صفت موصوف ہے، اب ضرورت ہے کہ کوئی صاحب توفیق اس کی طباعت کا انتظام کر کے اجر وثواب حاصل کریں و ما علینا الا البلاغ فقط

کتبہ الفقر عباداللہ محمد عبدالشکور عافاہ مولاہ

۲۰ ر ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ

تقریظ

محقق فاضل حضرۃ العلامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی صدر مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ کا رسالہ رجال بخاری بجواب بعض مؤلفین شیعہ دیکھا ہے، بلکہ مولانا نے میری تحریک سے اس کو لکھنا شروع کیا، جواب بے حد متین، سنجیدہ، مدلل، اور فن و تحقیق کے اعتبار سے کافی وشافی ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر دے۔

ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھپ جائے، امید ہے کہ جو صاحب اس کو چھپوانے کی ہمت فرمائیں گے خداوند جل وعلا کی بارگاہ سے اجر جزیل کے مستحق ہوں گے۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۲۰ محرم ۱۳۵۹ھ

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم کے بعد احادیث نبویہ اسلامی احکام اور قانون وشریعت کا اہم ترین سرچشمہ اور منبع وماخذ ہیں، وہ مسائل وحوادث جن کے متعلق قرآن کریم کے اندر کوئی صراحت یا اشارہ نہیں ملتا، ان کے لیے ذخیرۂ احادیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور وہاں ان کا حل تلاش کرنے کی مبارک کوشش کی جاتی ہے۔ کلام اللہ یعنی قرآن کریم ہو یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث طیبہ مطہرہ، دونوں کے اندر قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں ہی وحی کی حیثیت رکھتی ہیں اور دونوں ہی کو وحی کے نام سے جانا اور یاد کیا جاتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اول الذکر یعنی قرآن کریم وحی متلو ہے اور مؤخر الذکر یعنی احادیث نبویہ کی حیثیت وحی غیر متلو کی ہے؛ قرآن کریم خدا کا کلام ہے جس کو آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک پر حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے تیئیس سال کی مدت میں بتدریج نازل کیا گیا، اور آپ ﷺ نے اس کو بعینہ ان ہی الفاظ میں اللہ کے بندوں تک پہنچایا۔ اور حدیث خداوند قدوس کے ان احکام کا نام ہے جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ امت کے سامنے پیش کیا۔

قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود خداوند کریم نے لیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ لیکن حدیث کی حفاظت کا کام شمع

رسالت کے پروانوں اور نبی کے جاں نثاروں سے لیا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے مثال فکر و توجہ اور امانت و دیانت کے ساتھ احادیث نبویہ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک ارشاد اور ایک ایک ادا کے ضبط و حفاظت کا اہتمام فرمایا اور ان کو اپنے بعد کے لوگوں تک پہنچایا۔ صحابۂ کرامؓ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم تو نہیں تھے، لیکن نور نبوت کی ضوفشانیوں سے ان کے دل ایسے منور اور روشن و تابناک ہو گئے تھے کہ بارگاہِ نبوت سے ان کو اصحابی کالنجوم بأیّهم اقتدیتم اهتدیتم کے خطاب سے نوازا گیا، یعنی میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو گے، اور امت نے ان کے حق میں اس بات پر اتفاق کیا کہ الصحابة کلهم عدول یعنی صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی حیثیت حدیث کے تحمّل اور رِوایت کے باب میں کلیدی عنصر کی ہے اور ان کے عادل اور غیر متکلم فیہ ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے بعد اس امانت کو ان کے بعد کے لوگوں یعنی تابعین اور پھر تبع تابعین وغیرہم نے سنبھالا، حاملین علومِ نبوت کی یہ جماعت ضبط و حفظ علم و فہم اور اتقان و تیقظ جیسے اوصاف سے جس قدر متصف تھی اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ان کے ضبط و حفاظت کے جو واقعات و حالات کتبِ سیر و تراجم میں مذکور ہیں وہ عقل انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والے ہیں، محدثین نے بعض اوقات ایک ایک حدیث سننے کے لیے دور دراز کے پُر مشقت سفر کیے، دشوار گزار پہاڑیوں اور وادیوں کو طے کیا، بے آب و گیاہ اور ہلاکت خیز صحراؤں کی خاک چھانی۔ جماعت محدثین نے اپنی تمام تر قوت و طاقت اور استعداد و صلاحیت کو بروئے کار لا کر حدیثوں کو محفوظ کیا، تا آنکہ وہ مجموعے وجود میں آئے جو آج ہمارے سامنے حدیث کی مختلف اور متنوع کتابوں کی شکل میں موجود ہیں، حدیث کے ان مجموعوں میں جن کتابوں کو ان

کی تالیف کے زمانے سے لے کر آج تک امت کا سب سے زیادہ اعتماد اور قبول حاصل رہا ہے ان میں سرِ فہرست صحاح ستہ ہیں، اور ان چھ کتابوں میں بھی جس کتاب کا رتبہ سب سے زیادہ بلند ہے، بلکہ جو کتاب اللہ کے بعد دنیا کی سب سے صحیح اور مستند ترین کتاب ہے وہ صحیح بخاری ہے، جس کے بارے میں اہل علم کا فیصلہ ہے کہ اس میں ایک حدیث بھی درجۂ صحت سے گری ہوئی نہیں ہے۔

دشمنانِ خدا و رسول اور معاندینِ اسلام نے پیغمبرِ اسلام اور مذہب اسلام کے خلاف دسیسہ کاریوں اور رکیک حملوں میں کبھی کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، انھوں نے اسلام کی ساکھ کو کمزور اور اس کی عظمت کو مجروح کرنے کے لیے غیر شائستہ طریقے اور ہر طرح کے اوچھے اور مذموم و ناروا ہتھیار استعمال کیے؛ کبھی قرآن کے خلاف دریدہ دہنی سے کام لیا، کبھی ناموسِ رسالت کو ہدف ملامت بنایا تو کبھی احادیث نبویہ پر تہمت و افترا کے دہانے کھولے۔ اسلام دشمن عناصر میں نہایت خطرناک اور موذی عنصر شیعوں کے بعض فرقے ہیں، شیعیت یہودیت کا دوسرا روپ ہے، اس کا بانی وہ عبداللہ بن سبا ہے جو یہودیت کی پیداوار تھا اور جس نے مشاجراتِ صحابہؓ سے فائدہ اٹھا کر اس کی خشت اول رکھی، شیعیت اسلام اور مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں اور موجب اذیت ثابت ہوئی، اس نے اسلامی تعلیمات کو زک پہنچائی، اسلامی شوکت وقوت کو نقصان پہنچایا، یہ فرقہ اسلامی وحدت کو گھن کی طرح چاٹتا رہا، اور شیرازۂ اسلام کو بکھیرنے کے لیے ہمہ وقت موقع کی تلاش میں رہا، حتی کہ تاتاریوں کے حملے اور خلافتِ عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں جس نے اہم ترین رول ادا کیا وہ مشہور شیعہ وزیر ابن العلقمی تھا۔

دیگر دشمنانِ اسلام کی طرح شیعوں کو بھی کلمۂ اسلام کی سربلندی ایک آنکھ

نہیں بھاتی، اسلامی تعلیمات کا فروغ ان کے دل میں کانٹے کی طرح چبھتا ہے، اسلام کا دم بھر کر اسلام کی روح کو انھوں نے جو نقصان پہنچایا ہے اس کے تصور سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے، ان شیعوں نے اپنے بغض و عداوت کا سب سے پہلا نشانہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدسی صفات نفوس کو بنایا، اور چند صحابہ کا استثنا کر کے باقی تمام حضرات پر تبرابازی کی، ان کی شان میں گستاخانہ اور اہانت آمیز باتیں گھڑیں، دشنام و بہتان سے ان کے دامنِ تقدس کو پامال کرنے کی ہر ممکن کوشش کی؛ اور جب صحابہ کرامؓ کے مقدس نفوس ان کے خباثت آمیز زبان و کلام سے محفوظ نہیں رہے، تو دیگر علماء کرام اور محدثین عظام کے دامنِ عزت و حرمت ان کی ناروا جسارتوں سے کب بچ سکتے تھے، ان کی ان کارستانیوں کے پسِ پشت اس کے علاوہ اور کون سی روح کارفرما ہو سکتی تھی کہ ان پاکیزہ ہستیوں کی امانت و دیانت کو مشکوک اور مجروح کر کے تعلیمات اسلام کی پُر شکوہ عمارت کو زمین بوس کر دیا جائے۔ لیکن اللہ جل شانہ کو اپنے اس دین اور اس کی تعلیم کو قیامت تک کے لیے باقی رکھنا تھا اس لیے اس نے اس کی حفاظت کا انتظام بھی فرمایا، اس نے ہر دور اور ہر طبقے میں ایسے افراد پیدا کیے جنھوں نے معاندینِ اسلام کی کوئی کوشش بارآور نہ ہونے دی اور ان کی چیرہ دستیوں کا پردہ ہر موڑ پر چاک کرتے رہے، شیعوں کے زمانۂ آفرینش سے لے کر آج تک اصحابِ غیرت اہل علم کا ایک طویل اور طلائی سلسلہ چلا آرہا ہے جو ان کے سامنے سینہ سپر رہے اور ان کی بہتان طرازیوں اور افترا پردازیوں کا مسکت اور دندان شکن جواب دے کر ان کے دجل وفریب کی قلعی کھولتے رہے۔

احادیثِ نبویہ کے خلاف شیعوں کے معاندانہ رویے کا اندازہ اس کتاب سے ہو سکتا ہے جس کو ایک لکھنوی شیعہ مولوی مرزا عبدالحسین نے ''رجال بخاری'' کے نام سے لکھ کر اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا تھا، کتاب کے مصنف نے محدثین اور رواۃِ

حدیث کے دامن تقدس کو تار تار کرنے اور ان کی عظمت کو مجروح کرنے کے لیے اپنی اس کتاب کے اندر تبرابازی، دروغ بافی اور کذب بیانی کا کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑا تھا، اس نے اپنا نشانہ خاص طور پر صحیح بخاری کو بنایا جو حدیث کی سب سے معتبر کتاب ہے، اور جس کی ایک ایک روایت اور ایک ایک حدیث کو ائمۂ حدیث اور نقادفن نے اصولِ روایت کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا ہے۔ مرزا عبدالحسین نے سنت اور اہل سنت کے تئیں اپنے بغض و کینہ کی آگ بجھانے کے لیے اسی کتاب کو منتخب کیا اور جی بھر کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

شیعہ مصنف کی اس کتاب کی اشاعت نے اہل سنت کے علمی حلقوں میں ایک آگ سی لگادی، صحابۂ کرام اور محدثین عظام کے لیے اس کتاب میں جو رکیک اور غلیظ زبان استعمال کی گئی تھی اور ان پر جس انداز سے حملے کیے گئے تھے، اس سے اہل علم میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ یہ کتاب اس وقت کے عظیم مؤرخ و محقق اور انشاپرداز مصنف علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نظر سے بھی گزری، سید صاحب کی اسلامی غیرت اس کتاب کی تاب نہ لاسکی، اور ان کو ایسے صاحب نظر عالم کی تلاش ہوئی جو اس کا منھ توڑ جواب دے سکے، اس مہم کی انجام دہی کے لیے سید صاحب کی نگاہ ایک ہی جگہ ٹھہر سکی، اور وہ محدث کبیر محقق جلیل حضرت ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کی ذات گرامی تھی، جن کی علمی گہرائی و گیرائی، دقتِ نظر، فکر و بصیرت، تصنیف و تالیف میں رسوخ قدم کے ساتھ ان کی دینی و مذہبی غیرت و حمیت سے سید صاحب خوب اچھی طرح واقف تھے، محدث کبیر حضرت مولانا الاعظمیؒ کی حمیت دینی خود بھی اس کا تحمل نہیں کرسکتی تھی، دینِ اسلام اور اہلِ سنت کے دفاع کے لیے ان کا قلم جس طرح وقف رہا ہے وہ اہل علم کی نظر سے مخفی نہیں ہے، دین و مذہب پر چوٹ کی جائے اور ان کے غیور قلم کو جنبش نہ ہو یہ بات تقریباً ناممکن تھی۔ ہندوستان میں شیعوں کے خلاف برسرپیکار

رہنے والے اس دور کے سب سے بڑے مجاہد امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی علیہ الرحمۃ تھے، اور یہ واقعہ ہے کہ اس میدان میں ان کے ہم عصروں میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، مگر جو لوگ واقف کار ہیں اور جنھوں نے حضرت امام اہل سنت اور حضرت محدث کبیرؒ کی مراسلت پڑھی ہے ان کو اندازہ ہوگا کہ اس میں اگر ان کا کوئی شریک و سہیم تھا تو وہ حضرت محدث کبیر کی کم گو اور خاموش طبع ذات گرامی تھی۔ چنانچہ جب مرزا عبدالحسین کی ''رجال بخاری'' حضرت محدث کبیرؒ کے سامنے آئی تو ان کا اشہبِ قلم حرکت میں آیا اور وہ اس کے تار و پود بکھیرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، اور اس کا ایسا پُر زور رد لکھا جو باطل کو سرنگوں کر دینے کے لیے کافی تھا، حضرت محدث کبیرؒ نے اس کا جواب کس کیفیت میں لکھا ہے اس کا اندازہ اس مکتوب سے بخوبی ہو سکتا ہے جو آپ نے ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۵۸ھ کو اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں لکھا ہے، جس میں فرماتے ہیں:

> ''آج کل ایک شیعی رسالہ (رجال بخاری) کے رد میں منہمک ہوں، حضرات صحابہ کی شان میں سخت گستاخی کی گئی ہے، دیکھ کر خون کھولنے لگتا ہے، اس کے رد میں اتنا انہماک ہے کہ بجز درس و فرائض شرعی و ضروریات کے اور کوئی کام نہیں ہوتا، سارا وقت اسی میں صرف ہوتا ہے'' (حیات ابوالمآثر ۲۶۹-۲۶۸)

اس مکتوب سے پیش نظر کتاب کا زمانۂ تصنیف بھی معلوم ہوتا ہے، یعنی اس کی تصنیف کو پورے ۶۴ برس گزر چکے ہیں، مگر افسوس ہے کہ حضرت محدث کبیرؒ کی بہت سی تصانیف کی طرح یہ تصنیف بھی زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے اشاعت پذیر نہ ہو سکی، باوجودیکہ یہ کتاب طباعت و اشاعت کے لیے بالکل تیار تھی، اور اس پر دو اہل علم (علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالشکور فاروقیؒ) کی تقریظیں

بھی تھیں۔

رمضان ۱۴۱۲ھ مطابق مارچ ۱۹۹۲ء میں حضرت محدث کبیرؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، اس کے چند مہینوں بعد آپ کی یادگار میں مجلّہ ''المآثر'' آسمانِ علم وفن پر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نمودار ہوا، اس رسالہ کے اجراء کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ حضرت محدث کبیرؒ کی جو تحریریں اب تک پردۂ خفا میں رہی ہیں، یا جو اتنی پہلے شائع ہوئی ہیں کہ ان سے موجودہ علمی حلقے آشنا نہیں ہیں ان کو از سرِ نو منظر عام پر لایا جائے، چنانچہ اس ادارہ نے مختصر سی مدت میں آپ کے صاحبزادۂ محترم ومکرم حضرت مولانا رشید احمد صاحب الاعظمی مدظلہ العالی کی سیادت میں بیش بہا ترقی کر کے حلقہائے علم و تحقیق کے لیے ایک مثال قائم کی ہے، اور چند سال کے عرصے میں متعدد نادر و نایاب تحریروں نے اشاعت پذیر ہو کر ارباب علم وکمال سے خراج تحسین وصول کیا ہے۔

حضرت محدث کبیرؒ کے ان ہی نوادرات میں پیش نظر کتاب بھی ہے، جو شوال۔ ذیقعدہ۔ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ تا شوال۔ ذیقعدہ۔ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ (جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۴ سے جلد نمبر ۷ شمارہ نمبر ۴ تک) ''المآثر'' کے صفحات کی زینت بن چکی ہے، اسی وجہ سے اس کتاب کے اندر بعض جگہ حاشیہ میں ادارتی نوٹ ہو سکتا ہے، مثلاً صفحہ نمبر ۲۰۸ پر حاشیہ میں قارئین کو یہ تحریر ملے گی کہ ''توسین کی عبارت مدیر کی تحریر کردہ ہے الخ''۔

المآثر میں اس کی اشاعت ''رد رجال بخاری'' کے عنوان سے ہوئی، لیکن بعد میں اتفاقاً حضرت محدث کبیرؒ کی فائلوں میں اس کتاب کے دو نام آپ ہی کے رکھے ہوئے مل گئے، ان میں سے ایک نام ''ضرب کاری بر مطاعن رجال بخاری'' اور دوسرا ''تعدیل رجالِ بخاری'' تھا، مؤخر الذکر نام زیادہ موزوں سمجھا گیا اور اسی نام کے ساتھ موسوم کر کے اب یہ تحریر منظر عام پر لائی جا رہی ہے۔

اس تحریر کی علمی حیثیت اور بے پناہ افادیت کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا

گیا کہ اس کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تا کہ اس کا نفع زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو نافع اور فتنہ کا دافع بنائے آمین ثم آمین۔

مسعود احمد الاعظمی

۱۹ر ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

۴ر مارچ ۲۰۰۲ء

تعدیل رجال بخاری

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة و السلام على سيد المرسلين و على و أصحابه اجمعين.

ماضی قریب میں شیعوں کی جارحانہ ذہنیت کے جو شرمناک نمونے نگاہ کے سامنے آئے ہیں، ان میں بدترین نمونہ وہ رسوائے عالم رسالہ ہے جس کا نام ''رجال بخاری'' ہے۔ ملک کے مؤقر اخبارات و رسائل میں اس پر جو اجمالی تبصرے شائع ہوئے ہیں، ان سے اخبار بیں طبقہ کو کچھ اندازہ لگا ہوگا کہ اس رسالہ میں صحابہ کرامؓ اور اجلہٗ علمائے اہل سنت پر کتنی گندگی اچھالی گئی ہے، کیسے کیسے ناپاک حملے کیے گئے ہیں، اور کس کس طرح ان پر تبرا بازی کر کے اسلام دشمنی کا ثبوت دیا گیا ہے۔

کہنے کے لیے تو رسالہ کا سبب تالیف یہ قرار دیا گیا ہے کہ:

''عام طور سے صحاح ستہ بالخصوص صحیح بخاری کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان کی روایتیں صحیح السند ہیں اور ان کے رواۃ معتبر، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اکثر راوی وہ حضرات ہیں جو کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔

اسی بنا پر ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے رواۃ کے متعلق علم رجال و تاریخ کی بنا پر ایک تبصرہ تحریر کریں''(۱/۳)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اکابر اہلسنت پر ناجائز حملہ اور اہلسنت کی دلآزاری کے سوا مصنفِ رسالہ کا اور کوئی منشا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح کے ان رواۃ پر مصنفِ

رسالہ نے کوئی جرح نقل نہیں کی ہے، جن کو شیعہ اپنا امام یا اپنا موافق خیال کرتے ہیں، حالانکہ جن کتابوں کے حوالوں سے مصنف نے اپنا اعمالنامہ سیاہ کیا ہے، انھیں میں ائمۂ متقبولین شیعہ کی نسبت بھی کافی مصالحہ موجود ہے۔

کیا یہ کھلا ہوا ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ مصنف رسالہ نے سبب تالیف کے بیان کرنے میں اپنا وہ فریضۂ مذہبی ادا کیا ہے، جو ان کے دین دس حصوں میں سے نو ہے:

التقية تسعة اعشار الدين. دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ جھوٹ ہے۔(اصول کافی ص ۴۸۴)

بیان سبب تالیف ہی پر موقوف نہیں، تقیہ کو مذہب شیعہ میں جو اہمیت حاصل ہے، اس کا لحاظ کرتے ہوئے مصنف رسالہ نے اس فریضہ کی انجام دہی کا خاص اہتمام کیا ہے، اور جا بجا اپنے اس مخصوص مذہبی شعار کا اظہار کیا ہے۔ اس بیان کے ثبوت میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مصنف رجال بخاری کے جھوٹ یا فریب کی چند مثالیں

(پہلی مثال) مصنف نے ہر اس راوی کو جس پر تخ کی علامت کتب رجال میں بنی ہوئی ہے، صحیح بخاری کا راوی قرار دیا ہے؛ چنانچہ ص ۶۶ ج ۱ میں ازہر بن سعد سمان اور ص ۸۱ ج ۱ میں بشر بن رافع اور ص ۹۶ ج ۱ میں حماد بن ابی سلیمان اور ص ۱۰۵ ج ۱ میں حریز بن عثمان اور ص ۱۳۰ ج ۱ میں خالد بن عبداللہ اور ص ۱۳۳ ج ۱ میں خالد بن سلمہ اور ص ۱۹ ج ۲ میں سلیمان بن زید اور ص ۲۶ ج ۲ میں شریح اور ص ۳۹ ج ۲ میں طلق بن حبیب اور ص ۱۴۴ ج ۱ میں عمارہ بن جوین کی نسبت تخ کی علامت نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ یعنی صحیح بخاری میں ان سے روایت لی

گئی ہے حالانکہ یہ کھلا ہوا فریب ہے۔ تخ صحیح بخاری کی علامت نہیں ہے بلکہ "ادب مفرد" کی علامت ہے۔ مصنف رسالہ نے جس کتاب سے یہ علامت نقل کی ہے، اس میں خود اس علامت کی یہی تشریح لکھی ہے۔ (دیکھو تقریب ص ۴)

(دوسری مثال) شمر بن ذی الجوشن قاتل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو انتہائی دیدہ دلیری و غایت بے شرمی سے صحیح بخاری کا راوی لکھ دیا ہے (رجال بخاری ص ۲۹ ج ۲۔) حالانکہ اس سے صحیح بخاری و مسلم کیا، صحاح کی کسی کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے۔ میرے اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ تقریب، تہذیب اور خلاصہ وغیرہ جن میں تمام صحاح کے جملہ راویوں کے حالات لکھے گئے ہیں اور کسی ایک راوی کا نام بھی چھوڑا نہیں گیا ہے ان میں شمر بن ذی الجوشن کا ذکر نہیں ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ صحیح بخاری و مسلم نایاب یا کمیاب کتابیں نہیں ہیں۔ مصنف رسالہ اپنے تمام اعوان و انصار کو اکٹھا کر کے ان کتابوں میں شمر بن ذی الجوشن کی روایت نکال دیں تو جو انعام مانگیں، حاضر ہے، توبہ 'توبہ جھوٹ اور ایسا سفید جھوٹ!

کتب صحاح میں سے فقط ترمذی میں شمر نام کے ایک راوی کی روایت ہے مگر وہ شمر بن ذی الجوشن نہیں ہے۔ بلکہ شمر بن عطیہ اس کے سوا کسی دوسرے شمر کی روایت ہی نہیں ہے۔ مصنف رسالہ نے قرۃ العینین کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں شمر بن ذی الجوشن کا ذکر نہیں ہے۔ فقط شمر ہے۔ لہذا یہ بڑی بے ایمانی ہے کہ شمر سے شمر بن ذی الجوشن مراد لے کر اس کو صحیحین کا راوی بنا دیا جائے۔ شمر بن ذی الجوشن کی نسبت مصنف رسالہ علامہ ذہبی کا فیصلہ خود نقل کرتا ہے کہ "وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے روایت لی جائے" اور ہمارے محدثین نے ایسا ہی کیا کہ شمر بن ذی الجوشن سے کوئی روایت نہیں لی۔

(تیسری مثال) مصنف رسالہ نے حجاج امیر ظالم کو صحیح بخاری کا راوی لکھا ہے۔ (رجال بخاری ص ۹۹ ج ا۔) اور ثبوت میں تعجیل المنفعۃ کی ایک ناتمام عبارت نقل کی ہے، اور اس کے بعد کی عبارت جس میں حجاج کے راوی بخاری ہونے کا رد و ابطال کیا گیا ہے، صندوق تقیہ میں چھپا رکھی ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حجاج سے کوئی روایت کتب صحاح میں نہیں لی گئی ہے، یعنی اس کے واسطے سے کوئی حدیث نبویؐ نقل نہیں کی گئی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کہیں کہیں رد و انکار اور تغلیط و ابطال کے لئے اس کا کلام اور اس کا ذکر آ گیا ہے مثلاً حجاج کا خیال تھا کہ سورۃ البقرہ اور سورۂ آل عمران کہنا جائز نہیں ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ سورہ جس میں بقرہ کا ذکر ہے یا وہ سورہ جس میں آل عمران کا تذکرہ ہے اعمش نے ایک دفعہ اس کو یونہی کہتے سنا تو اپنے استاذ ابراہیم سے اس کا ذکر کیا ابراہیم نے اس پر ابن مسعودؓ کی ایک حدیث بیان کی جس میں ابن مسعودؓ نے سورۃ البقرہ کو اس عنوان سے ذکر نہیں کیا تھا۔ جس عنوان سے حجاج ذکر کرتا تھا بلکہ سورۃ البقرہ ہی کہا تھا۔ ابراہیم کا مقصد یہ ہے کہ حجاج کا خیال غلط ہے۔ ابن مسعودؓ صحابی رسولؐ اس سورہ کو سورۃ البقرہ ہی کہتے تھے۔ امام بخاری نے یہی واقعہ کتاب الحج میں نقل کیا ہے۔ اب انصاف سے کہئیے کہ کیا یہ حجاج سے حدیث کی روایت ہوئی یا حجاج کے خیال کی تغلیط کے لئے اس کا ایک مقولہ نقل کرنا۔ تعجیل المنفعہ کی پوری عبارت ملاحظہ کیجئے جس کا ایک ٹکڑا نقل کر کے شیعہ مصنف نے فریب کاری کی ہے۔

قیل ان البخاری روی له حدیثا	کہا گیا ہے کہ بخاری نے کتاب الحج
فی کتاب الحج من حدیث	میں حجاج کی ایک حدیث بواسطہ

الاعمش عنه قلت يشير الى قول البخارى حدثنا مسدد ثنا.الاعمش سمعت الحجاج بن يوسف على المنبر يقول السورة التى يذكر فيها البقرة والسورة التى يذكر فيها آل عمران قال فذكرت ذالك لابراهيم فقال حدثنى عبد الرحمن بن يزيد انه كان مع ابن مسعودؓ حين رمىٰ جمرة العقبة الحديث، فهذا لم يقصد البخارى التخريج للحجاج ابن يوسف ولا الاقتداء به فيما زعم بل سياقه مشعر بارادة الرد عليه ولم ينفرد به البخارى بل اخرجه مسلم وغيره،

(ص ۸۸)

اعمش روایت کی ہے میں کہتا ہوں (یعنی ابن حجر) کہ یہ بخاری کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے ،جس میں اعمش نے بیان کیا ہے کہ میں نے حجاج کو منبر پر کہتے سنا کہ وہ سورہ جس میں بقرہ کا ذکر ہے اور وہ سورہ جس میں آل عمران کا تذکرہ ہے تو میں نے اس کا ذکر ابراہیم سے کیا، ابراہیم نے یہ سن کر ابن مسعودؓ کی حدیث ذکر کی (جس میں انہوں نے سورۃ البقرہ کا لفظ استعمال کیا ہے) تو دیکھو بخاری نے حجاج کی کوئی حدیث روایت کرنے یا اس کے خیال کی پیروی کا قصد نہیں کیا ہے بلکہ ان کا طرز تحریر بتا رہا ہے کہ وہ حجاج کی تردید کا ارادہ کر رہے ہیں اور بخاری اسمیں تنہا نہیں ہیں بلکہ اس قصہ کو مسلم وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔

اگر حجاج کا اس طرح نام آجانے سے حجاج بخاری کا راوی ہو گیا تو میں کہتا

ہوں کہ شیعوں کی مستند کتابوں کا ایک راوی شیطان بھی ہے۔ شیعوں کی کتاب محاسن میں ہے کہ ابلیس نے حضرت علیؓ سے کہا کہ **یا ابا الحسن اما سمعت قول الله عز و جل "و شارکھم فی الاموال والاولاد "فو الله ما شرکت احدا احبك فی امه (منتهی الکلام ص ۳۱ بحوالہ محاسن)** یعنی اے علیؓ کیا آپ نے اللہ کا قول **وشارکھم الخ** نہیں سنا، پس بخدا کہ جو آپ سے محبت کرتا ہے میں اس کی ماں کے ساتھ صحبت کرنے میں اس کے باپ کا شریک نہیں ہوتا۔ اس کی مؤید دوسری روایت صدوق شیعہ کی کتاب عیون میں بھی ہے بلکہ اس میں یہ بھی ہے کہ اے علی میں بخدا تم سے محبت رکھتا ہوں، (حوالہ بالا) اب کہئے کیا حضرت علیؓ نے ابلیس لعین کا مقولہ روایت نہیں کیا؟ اور وہ بھی اس طرح کہ روایت میں اس کی تردید کی طرف اشارہ تک نہیں ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کو بھی اس سے اتفاق ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مجلسی نے **حلیۃ المتقین** میں امام جعفر کی حدیث بھی نقل کی ہے جس میں شیطان کے قول کی موافقت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جس کی ولادت میں شیطان شریک ہوا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ ہم سے محبت نہ رکھے (منتہی الکلام بحوالہ ص ۶۳۲ حلیہ) اس روایت سے ایک مزیدار بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ابلیس محبِّ علیؓ ہے اور قرآن کریم میں بتصریح ارشاد ہے **انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یومنون (اعراف)** ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست بنایا ہے جو ایمان دار نہیں ہیں۔

اس سلسلہ میں مرزا صاحب مصنف رسالہ کی فریب کاریاں ابھی ختم نہیں ہوئی ہیں، تقریب کی عبارت" **وقع ذکرہ و کلامه فی الصحیحین و غیرهما**" کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ حجاج کا ذکر اور کلام اس کا (یعنی روایت اس سے) بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ (رجال بخاری ص ۱۰۰)

مرزا صاحب نے کلام کی شرح روایت سے کی ہے۔ یہ صریح فریب ہے کلام سے مراد حجاج کا مقولہ ہے جس کی مثال اوپر لکھی گئی ہے اسی طرح تعجیل المنفعه کی عبارت کے ترجمہ میں بھی خیانت کی ہے۔ صحیح ترجمہ اس کا آپ سن چکے ۔اس کے بعد ایک بات اور عرض کروں کہ ؂

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

صحیح بخاری یا صحاح ستہ میں ایک حدیث بروایت حجاج مرزا صاحب اور ان کے مددگار دکھادیں اور صحاح ستہ کا پوراسیٹ انعام لیں، ہے کوئی انعام لینے والا؟ **هل من مجیب ؟**

(چوتھی مثال) یہ ہے کہ ص ۱۳ ج ۲ میں ایک شخص کا واقعہ (جو جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا) موضوعات کبیر و حیاۃ الحیوان سے نقل کیا ہے اور اس کو سعید بن فیروز ابو البختری راوی بخاری و مسلم کے سر تھوپ دیا۔ حالانکہ حیاۃ الحیوان میں بتصریح مذکور ہے کہ یہ قصہ جس ابو البختری کا ہے اس کا نام وہب ہے، اور وہ قاضی تھا اور موضوعات کبیر سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قصہ ابو البختری قاضی قرشی ہے۔ اور سعید بن فیروز قرشی نہیں تھے بلکہ طائی تھے (دیکھو تقریب و تہذیب) نیز وہ قاضی بھی نہ تھے، اور ان کا نام سعید ہے، وہب نہیں ہے۔ حیاۃ الحیوان میں ہے **وعنده ابو البختری وهب القاضی** پھر چند سطور کے بعد ہے۔ **و کان ابو البختری المذکور قاضی مدینة النبی صلی الله علیه وسلم الخ** (ص ۶۴ ج ۱) اور موضوعات کبیر میں ہے **فقال الرشید: اخرج عنی ثم قال لو لا انه من قریش لعزلته یعنی من القضاء** (ص ۲۰۴) یعنی ہارون رشید نے کہا کہ تو اس جگہ سے نکل جا پھر کہا کہ اگر وہ قریش سے نہ ہوتا تو میں اس کو عہدۂ قضاء سے معزول کر دیتا۔ ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ یہ قصہ ابو البختری وہب قاضی قرشی

کا ہے۔اور مرزا صاحب کی یہ فریب کاری وافترا پردازی ہے کہ اس کو سعید بن فیروز طائی کا قصہ قرار دے رہے ہیں۔

اس کے بعد میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ یہ قاضی صاحب کون بزرگ تھے اور مرزا صاحب نے ان کا جرم دوسرے کے سر تھوپنے کی کوشش کیوں کی؟ تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ قاضی صاحب شیعہ اور امام جعفر کے شاگرد ہیں۔اور ان کا طغرائے امتیاز جھوٹ ہے چنانچہ رجال کشی میں فضل بن شاذان کا قول ہے کہ کان ابو البختری من اکذب البریة یعنی ابوالبختری ان لوگوں میں ایک تھا جو ساری مخلوق سے زیادہ جھوٹے ہیں اور امام معصوم امام رضا علیہ السلام کا مقولہ ہے۔لقد کذب علی الله و ملائکته و رسله یعنی ابوالبختری نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں پر جھوٹ باندھا، دیکھو (رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص ۱۹۹ ترجمہ ابو البختری وہب) نجاشی نے بھی اس کو رجال شیعہ میں شمار کیا ہے اور اس کے جھوٹے ہونے کی تصریح کی ہے۔اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہارون رشید کے پاس اس کے جھوٹ بولنے کے کئی واقعات منقول ہیں۔نیز یہ کہ امام جعفر صادق نے اس کی ماں سے نکاح کر لیا تھا (دیکھو رجال نجاشی مطبوعہ بمبئی ص ۳۰۳)

(پانچویں مثال) ۱۔ خلف بن خلیفہ ص ۱۳۴ ج ۱، ۲۔ راشد بن سعد ص ۱۳۹ ج ۱، ۳۔ سعید بن عاص ص ۱۰ ج ۲، ۴۔ سعید بن مرزبان ص ۱۲ ج ۲، ۵۔ سعید بن داؤد ص ۱۷ ج ۲، ۶۔ سعید بن عبد الرحمٰن قاضی ص ۱۸ ج ۲، ۷۔ سوید بن سعید حدثانی ص ۱۲۱ ج ۲، ۸۔ شریح قاضی ص ۲۵ ج ۲، ۹۔ ضرار بن صرد ص ۳۶ ج ۲، ۱۰۔ عبد الملک بن مروان ص ۲۶ ج ۲۔ان دسوں راویوں کی نسبت لکھا ہے کہ ان سے صحیح بخاری میں روایت لی گئی ہے یہ بھی سفید جھوٹ ہے ان میں سے ۶ اور ۹ کی روایت کتاب ''خلق افعال العباد'' اور باقی کی ''ادب مفرد'' میں ہے، جیسا کہ ان علامتوں سے

ظاہر ہوتا ہے جو ان کے ناموں پر تقریب وغیرہ میں دی ہوئی ہیں، صحیح بخاری میں ان میں سے کسی کی روایت نہیں ہے۔

(چھٹی مثال) ابن حبان مصنف کتاب الثقات کو بخاری و مسلم کا راوی قرار دیا حالانکہ ابن حبان بخاری کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں، وہ ان کی کتاب کے راوی کیسے ہو سکتے ہیں، بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے اور ابن حبان کی ۳۵۴ھ میں اور وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً اسی ۸۰ / برس تھی (دیکھو تذکرۃ الحفاظ)

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ابن حبان کا اصلی نام محمد بن یحیٰ بن حبان بتایا ہے اور تقریب ص ۳۴۱ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بخاری و مسلم میں ان سے روایت لی گئی ہے، یہ بھی غلط ہے کتاب الثقات کے مصنف کا نام محمد بن حبان ہے۔ (تذکرہ ص ۱۲۵ ج ۳) اور تقریب ص ۳۴۱ میں جس ابن حبان کا ذکر ہے وہ مصنف کتاب الثقات نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب اس ابن حبان کو ذکر کر رہے ہیں جس نے امام رضا سے بے ادبی کی ہے۔ (دیکھو رجال بخاری ص ۱۷ ج ۱) اور تقریب ص ۳۴۱ میں جس ابن حبان کا ذکر ہے وہ امام رضا کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکا ہے، چنانچہ تقریب میں اس کی وفات ۱۲۱ میں مذکور ہے، اور تقریب ہی میں امام رضا کی وفات ۲۰۳ میں لکھی ہے، اور یہ بھی تصریح ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمر پورے پچاس برس کی بھی نہ تھی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ محمد بن یحیٰ بن حبان کی وفات کے بائیس تیئس برس بعد امام رضا پیدا ہوئے۔

(ساتویں مثال) ص ۱۰۷ ج ۱ میں حکیم بن جبیر کی نسبت تقریب سے ع کی علامت نقل کی اور اس کی تشریح یہ فرمائی کہ یعنی کل صحاح ستہ میں ان سے روایت لی گئی ہے یہ بھی جھوٹ ہے تقریب میں بصراحت مذکور ہے۔ و اما علامۃ ع فھی لھم سوی الشیخین یعنی ع کی علامت شیخین (بخاری مسلم) کے علاوہ کی ہے۔ (یعنی ترمذی

نسائی ابو داؤد اور ابن ماجہ کی) اور لطف یہ ہے کہ خود مرزا صاحب نے بھی دوسری جگہ اس کو بخاری و مسلم کے ماسوا ہی کی علامت قرار دی ہے، دیکھئے ص ۴۴ ج ۱)

(آٹھویں مثال) زید بن حارث بدری کو لکھا کہ ان سے بخاری وغیرہ میں روایت ہے: یہ جھوٹ ہے تقریب وغیرہ میں زید بن حارث نام کا کوئی راوی ہی نہیں ہے۔ اور مرزا صاحب کا استدلال کہ "اسد الغابہ" میں ان کے نام پر ع کی علامت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید سے صحیح بخاری وغیرہ میں روایت لی گئی ہے، مرزا صاحب کی جہالت ہے اسد الغابہ میں جس نام پر ع کی علامت ہوتی ہے اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس صحابی کا ذکر ابو نعیم نے اپنی کتاب میں کیا ہے، چنانچہ اسد الغابہ کے دیباچہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(نویں مثال) غایت بے ایمانی سے زید بن حارث بدری کو شریک قاتلان حسینؓ لکھ دیا، اور دلیل یہ قرار دی کہ حضرت حسینؓ نے ایک خطبہ دیا اور چند آدمیوں کے نام لے کر جن میں ایک نام زید بن حارث بھی تھا کہا کہ کیا تم لوگوں نے میرے بلانے کے واسطے خطوط نہیں بھیجے (ص ۶ ج ۲) کوئی مرزا صاحب سے پوچھے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ زید بن حارث بدری ہیں، اگر یو نہیں کوئی نام دیکھ کر اس نام کے کسی صحابی پر بلا دلیل و برہان کے افترا پردازی کریں گے تو اندیشہ ہے کہ کوئی علی بابا اور جعفر زٹلی کے قصوں کو بھی کسی مشہور علی و جعفر کی طرف منسوب کر دے۔

مرزا صاحب ہوش کی دوا کیجئے بچہ بچہ جانتا ہے کہ حضرت حسینؓ کو کوفیوں نے بلایا تھا لہذا حضرت حسینؓ نے خطبہ میں جن کے نام لئے ہیں وہ سب کوفی ہیں، اور زید بن حارث بدری خود آپ کے لکھنے کے مطابق انصاری یعنی مدنی ہیں لہذا حضرت حسینؓ کے خطبہ میں یہ کیسے مراد ہو سکتے ہیں پھر جو لوگ تاریخ و سیر پر نظر رکھتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ شہادت حسینؓ کے وقت کوئی بدری زندہ نہ تھا، حضرت سعدؓ نے

بدری صحابیوں میں سب سے آخر میں وفات پائی ہے اور ان کا سن وفات ۵۵ھ یعنی وہ بھی شہادت حسینؓ سے چھ ۶ برس پہلے وفات پا چکے ہیں۔ (قسطلانی و فتح الباری ص ۲۲۸ ج ۷) بلکہ فتح الباری میں یہ تصریح بھی موجود ہے۔ فان فی زمن مقتل الحسینؓ بن علی لم یکن احد من البدریین موجوداً یعنی شہادت حسینؓ کے وقت کوئی بدری صحابی موجود نہ تھا۔

(دسویں مثال) عبیداللہ بن زیاد حاکم کوفہ کو ابو داؤد کا راوی قرار دے دیا (ص ۵۱ ج ۲) اور اس جھوٹ کی بنیاد تعجیل المنفعہ کے اس فقرہ وقد جری ذکرہ فی سنن ابی داؤد پر رکھی، حالانکہ اس فقرہ سے اس کا راوی ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنن ابوداؤد میں اس کا ذکر آیا ہے، ذکر آنے کے یہی معنی لینا کہ اس سے روایت لی گئی ہے اصطلاح اہل رجال سے جہالت کے علاوہ لغت سے بھی بے بہرہ اور کودن ہونے کی دلیل ہے۔ اگر تعجیل المنفعۃ کے اس فقرہ کی وہ مراد ہوتی جو مصنف رجال بخاری بیان کر رہا ہے تو مصنف تعجیل عبیداللہ کا ذکر تقریب میں ضرور کرتے جس کو انہوں نے رجال صحاح ستہ کے لئے تصنیف کیا ہے۔

(گیارہویں مثال) مصنف نے جیسا کہ ابھی آپ سن چکے صحیح بخاری وغیرہ کے رواۃ کے متعلق علم رجال و تاریخ کی بنا پر تبصرہ تحریر کرنے کا دعویٰ کیا ہے، لیکن رجال بخاری پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اکثر باتیں اس دعویٰ کے برخلاف ایسی کتابوں سے لکھی گئی ہیں جن کا موضوع تاریخ نہیں ہے نہ ان کو تاریخی حیثیت حاصل ہے مثلاً عقد الفرید یا حیٰوۃ الحیوان یا ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ۔

(بارہویں مثال) مصنف کا بہت بڑا فریب ایک یہ ہے کہ اس نے بکثرت جرحیں ایسی کتابوں سے نقل کی ہیں جو مخالفین اہلسنت و جماعت کی لکھی ہوئی ہیں، حالانکہ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ اہلسنت پر اہلسنت ہی کے اقوال حجت

ہو سکتے ہیں۔ مخالفین اہلسنت ہمارے رواۃ پر جرح کریں تو اس کا کیا اعتبار، کیا کوئی شیعہ اپنے راویوں کی ان جرحوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی قابل التفات قرار دے سکتا ہے جو مخالفین شیعہ کی کتابوں میں مندرج ہیں؟ پھر یہ کیا اندھیر اور کیسا زبردست فریب ہے کہ جس شیعہ مصنف کو دیکھئے ابن ابی الحدید کے اقوال، یا کتاب الامامہ والسیاسۃ اور مقاتل الطالبین کے حوالوں یا تذکرہ خواص الامۃ کے اقتباسات سے ہمارے مقابلہ میں حجت پکڑتا ہے اور ان کی سند لاتا ہے، حالانکہ ان میں سے ایک بھی اہلسنت کے نزدیک مستند و معتبر نہیں ہے نہ ان کے مصنفوں کا سنی ہی ہونا ثابت ہے، بلکہ ابن ابی الحدید کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ وہ سخت متعصب وغالی معتزلی اور شیعی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ شیعوں کی ایک چال یہ بھی ہے۔ کسی زیدی شیعہ وغیرہ کو متعصب سنی لکھ کر اس کی کوئی ایسی بات نقل کرتے ہیں جو سنیوں کے خلاف ہو یا اس سے مذہب شیعہ کی تائید ہوتی ہو، اس کی مثال میں جن کے نام لکھے ہیں ان میں ابن ابی الحدید بھی ہے۔ فرماتے ہیں و ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کہ تشیع را با اعتزال جمع نمودہ (ص ۸۸) اور شیعوں کے مایۂ ناز محدث رجب برسی مشارق میں لکھتے ہیں ھذا رجل من المعتزلۃ (ص ۳۷) یعنی ابن ابی الحدید ایک معتزلی شخص ہے اور خود ابن ابی الحدید بھی اپنے اعتزال کا اعتراف کرتا ہے اپنی کتاب کے آغاز میں لکھتا ہے۔ القول فیما یذھب الیہ اصحابنا المعتزلۃ فی الامامۃ الخ یعنی یہ بیان ہے ہمارے ہم خیال معتزلی اصحاب کے مذہب کا امامت کے بارے میں الخ (ص ۳) پھر لطف یہ ہے کہ ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی یہ شرح مشہور رافضی وزیر ابن العلقمی کے حکم سے اور اس کی رضا جوئی کے لئے لکھی ہے جیسا کہ خود اس نے شروع ہی میں اس کا اظہار کیا ہے لہٰذا اس رافضی وزیر کو خوش کرنے کے لئے اس نے مطاعن صحابہ دل کھول کر لکھے ہیں، اور اچھی طرح اپنا نامۂ عمل سیاہ

کیا ہے۔ابن العلقمی کو تاریخ پڑھنے والے حضرات خوب جانتے ہوں گے یہ وہی رافضی ہے جس نے نمک حرامی کر کے خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور بغداد کی تباہی کا باعث ہوا تھا،ابن ابی الحدید اپنے کو اس رافضی کا بندۂ دولت اور پروردۂ نعمت لکھتا ہے (شرح ابن الحدید ص ۲ مطبوعہ مصر) اور ابو الفرج اصبہانی مصنف مقاتل الطالبین شیعی تھا(دیکھو میزان ذہبی ص ۲۲۳ ج ۲، لسان المیزان ص ۲۲۱ تحفہ ص ۸۸)اور تذکرہ خواص الامہ کا مصنف رافضی ہے(دیکھو میزان الاعتدال ولسان المیزان)اور احمد بن اعثم کوفی بھی شیعی تھا(دیکھو لسان المیزان ص ۱۳۸ ج ۱) اور شیعوں نے اس کو اپنے علماء میں شمار کیا ہے۔(دیکھو صبح صادق جلد سوم)

اسی طرح کتاب الامامۃ والسیاسۃ کا مصنف بھی شیعہ ہے اگرچہ شیعوں کے مکائد سے بے خبر لوگوں نے اس کو ابن قتیبہ سنی کی کتاب سمجھ رکھا ہے مگر شاہ صاحب وغیرہ کے بیان سے ثابت ہے کہ اس کا مصنف کوئی شیعہ ہے شیعوں کی جرأت کے ساتھ ان کی دیانت بھی قابل داد ہے کہ سو برس سے زائد مدت سے ان کو بتایا جارہا ہے کہ مذکورہ بالا لوگ سنی نہیں ہیں ان کی کتابوں کی سند ہم پر حجت قائم کرنے کے لئے نہ لاؤ۔ مگر شیعہ ہیں کہ باز نہیں آتے ،اور خواہ مخواہ ، ناواقفوں کو فریب دینے کی کوشش کر کے اپنے کو رسوا کرتے ہیں۔دوازدہ اماموں کی تعداد کے مطابق یہاں انہیں بارہ مثالوں پر اقتصار کرتا ہوں، صفحات آئندہ میں رجال بخاری پر تفصیلی تبصرہ کے ضمن میں اور بہتیری مثالیں آپ کے سامنے آئیں گی۔

رجال بخاری پر تفصیلی تبصرہ

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

مرزا صاحب نے سب سے پہلے حضرت ابوہریرہؓ پر زبان طعن دراز کی ہے اور اس سلسلہ میں صحیحین کا یہ فقرہ، یقولون ان ابا هريرة قد اكثر والله الموعد، نقل کر کے لکھا ہے کہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ لوگوں کا عام طور سے آپ کی طرف اس قسم کا خیال پایا جاتا تھا کہ آپ روایات کے نقل کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے (رجال بخاری ص ۴) مرزا صاحب نے پوری عبارت نقل نہیں کی اگر وہ ایسا کرتے تو ہم کو کچھ لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی، ناظرین خود بخود سمجھ لیتے کہ مرزا صاحب جو ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ کسی طرح ممکن نہیں، پوری روایت میں یہ بیان ہے، ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں! ابوہریرہؓ نے بہت حدیثیں بیان کیں اور کہتے ہیں کیا بات ہے کہ مہاجرین و انصار ان کی طرح حدیثیں نہیں بیان کرتے، ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ سنو میں تم کو اس کی علت بتاتا ہوں میرے بھائی انصار اپنے کھیت باڑی کے کام میں مشغول رہتے تھے اور مہاجرین اپنی تجارت میں اور مجھ کو ان دونوں کاموں میں سے کوئی کام نہ تھا ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ رہتا تھا اس لئے بہت سے مواقع میں میں رہتا تھا اور وہ نہ ہوتے تھے۔ حاصل یہ کہ مجھ کو آنحضرتؐ سے حدیثیں سننے کا زیادہ موقع ملا اور میں نے زیادہ سنیں اس لئے میں خواہ مخواہ زیادہ بیان کروں گا" اس پوری روایت سے ظاہر ہو گیا کہ لوگ حضرت ابوہریرہؓ کو روایت میں بے احتیاط نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ بات ان کی سمجھ

میں نہ آتی تھی کہ ابو ہریرہؓ کی روایتیں مہاجرین وانصار سے زیادہ کیوں ہیں حالانکہ ابو ہریرہؓ فقط چار برس صحبت نبویؐ میں رہے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ نے جب اس کا سبب ظاہر کر دیا تو لوگوں کو تشفی ہو گئی اور اگر مرزا صاحب کو اصرار ہو کہ نہیں یہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کو بے احتیاطی ہی کا الزام دیتے تھے تو میں کہوں گا کہ یہ الزام دینے والے کون لوگ ہیں جب تک ان کے نام نہ بتائے جائیں اس وقت تک ایسے چند مجہول اشخاص کا الزام دینا قطعاً قابل التفات نہیں، باقی رہا مرزا صاحب کا یہ لکھنا کہ عام طور سے یہ خیال پایا جاتا تھا تو یہ مرزا صاحب کی خیانت پردازی ہے روایت میں اس قسم کا کوئی لفظ نہیں ہے۔

مرزا صاحب نے اپنے تخیل کی بنیاد "فیض الباری" ترجمہ بخاری پر رکھی ہے مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہلسنت کے نزدیک یہ کوئی مستند ترجمہ نہیں نہ اس کا مصنف کوئی مستند عالم، علاوہ بریں وہ بھی یہ لکھتا ہے کہ "بطور طعن کے مجھ کو کہتے ہیں کہ شاید اپنے پاس سے حدیثیں بنا بنا کے بیان کرتا ہوگا۔" یعنی جو مجہول اشخاص ابو ہریرہؓ پر طعن کرتے تھے وہ بھی یقین کے ساتھ اور کسی ثبوت کی بنیاد پر ان کو الزام نہیں دیتے تھے، پس میں کہتا ہوں کہ اگر ایسے بے بنیاد الزامات سے کسی کی صداقت مشکوک قرار دی جاسکتی ہے تو پھر کون ہے جو اس سے بچ سکے۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے حضرت ابن عمرؓ کا مقولہ "قد اکثر علینا ابو ھریرۃ" نقل کر کے ترجمہ کیا ہے، "ابو ہریرہؓ نے ہم لوگوں پر بہت افتراء کیا ہے" (ص ۵) ناظرین ملاحظہ کریں۔ مرزا صاحب نے ترجمہ میں کیسی کھلی ہوئی بے ایمانی کی ہے اکثر کے معنی افترا دنیا کے کسی لغت میں نہیں ہے بلکہ اکثر کے معنی "زیادہ کیا" قاموس میں ہے "اکثر اتی بالکثیر" علاوہ بریں عقلاً بھی یہ ترجمہ ممکن نہیں اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرتؐ کی حدیثیں زیادہ بیان کرتے تھے اس لئے اگر حضرت ابن عمرؓ ابو ہریرہؓ کو

افترا کا الزام بہ فرض محال دیں گے تو آنحضرت پر افترا کا الزام دیں گے یا اپنے پر دوسری بات یہ ہے کہ یہاں بھی مرزا صاحب نے پوری روایت نقل نہیں کی تاکہ ان کی دیانت کا پردہ فاش نہ ہو، ناظرین پوری روایت ملاحظہ فرمائیں ’’حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی جنازہ کے پیچھے چلے اس کے لئے اجر سے ایک قیراط ہے ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ نے ہم پر بہت زیادہ روایت کی اس کے بعد ابن عمرؓ نے حضرت عائشہؓ کے پاس آدمی بھیج کر اس حدیث کی نسبت دریافت کرایا حضرت عائشہؓ نے ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سے قیراط کھودئے‘‘ (مسلم ص ۳۰۷ ج ۱)

امام نوویؒ اس مقام پر لکھتے ہیں :اکثر علینا ابو ہریرۃ معناہ انہ خاف لکثرۃ روایاتہ انہ اشتبہ علیہ الامر فی ذالك او اختلط حدیث بحدیث لا انہ نسبہ الی روایۃ ما لم یسمع (نووی ص ۳۰۷ ج ۱) یعنی اکثر علینا ابو ھریرۃ کا معنی یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت کی وجہ سے یہ اندیشہ کیا کہ کہیں ان کو اشتباہ نہ ہو گیا ہو، یا ایک حدیث دوسری حدیث سے ملتبس ہو گئی ہو یہ بات نہیں ہے کہ ابن عمرؓ نے ابو ہریرہ کی طرف بے سنی حدیث کی روایت کی نسبت کی، میں کہتا ہوں کہ پھر پوری روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ بھی زائل ہو گیا، چنانچہ خود ابن عمرؓ نے اس کا اقرار بھی کیا ہے اور اگر اس بیان کے بعد بھی مرزا صاحب کی تشفی نہ ہوئی ہو۔ تو وہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ فقرہ پڑھیں جس کو شیعوں کے علامہ کشی نے حضرت علیؓ کے حق میں نقل کیا ہے قد اکثرت علیّ (رجال کشی ص ۴۲ مطبوعہ بمبئی) مرزا صاحب بتائیں کہ کیا وہ یہاں بھی یوں ترجمہ کریں گے ؟ کہ اے علی تم نے مجھ پر بہت افترا کیا یعنی مجھ پر بہت جھوٹ باندھا، مرزا صاحب اس کے بعد صحیح مسلم سے حضرت عائشہ کا فقرہ

"ولو ادرکته لرددت علیه" نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کوئی ایسی روایت بیان کر رہے تھے جس کے صحیح ہونے میں حضرت عائشہ کو کلام تھا ورنہ اگر وہ حدیث صحیح تھی تو حضرت عائشہؓ کو ردو انکار جائز نہ تھا حدیث رسول کا رد کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے الخ (ص۵) ناظرین پوری روایت ملاحظہ فرمائیں اور مرزا صاحب کی دیانت داری کی داد دیں "عروہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا تم کو ابو ہریرہؓ سے تعجب نہیں آتا وہ آئے اور میرے حجرہ کے پہلو میں بیٹھے اور مجھے سنا کر آنحضرتؐ کی حدیث بیان کرنے لگے لیکن میں نفل پڑھ رہی تھی اور میری نماز پوری ہونے سے پہلے ہی اٹھ گئے اگر میں ان کو موجود پاتی تو ان پر رد کرتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح تیزی سے حدیث نہیں بیان کرتے تھے" ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کو ابوہریرہؓ کی حدیث کی صحت میں کلام نہیں تھا بلکہ ان کے طرز بیان میں ان کو گفتگو تھی وہ تیزی سے حدیث کا بیان کرنا پسند نہ کرتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک لفظ صاف صاف بیان کیا جائے چنانچہ ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کا مقولہ زیادہ وضاحت سے منقول ہے ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں۔ **عن عروة قال جلس ابو هريرة علي جنب حجرة عائشةؓ وهي تصلي وجعل يقول اسمعي يا ربة الحجرة مرتين فلمّا قضت صلاتها قالت الا تعجب الي هذا و حديثه ان كان رسول الله صلعم ليحدث الحديث لو شاء العادّان يحصيه احصاه** ص۸۷ ج۲۔

یعنی عروہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے پہلو میں بیٹھے، حضرت عائشہؓ نماز پڑھ رہی تھیں ابوہریرہؓ نے دوبار کہا اے حجرہ کی مالکہ سنو! عائشہؓ نے نماز ختم کی تو فرمایا کہ تم (اے عروہ) ان سے یعنی ابوہریرہؓ اور ان کی حدیث سے تعجب نہیں کرتے بیشک آنحضرت صلعم تو حدیث اس طرح بیان کرتے تھے کہ

اگر کوئی گننے والا چاہتا تو گن سکتا۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت عائشہؓ کیا کہہ رہی ہیں اور مرزا صاحب کیا خیالی پلاؤ پکا رہے ہیں۔

پھر مرزا صاحب کہتے ہیں "ابو سلمہ ناقل ہیں کہ جب ابو ہریرہؓ یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ مریض کبھی صحیح آدمی کے پاس نہ جایا کرے تو اس کے بعد یہ الفاظ بھی بڑھا دیتے تھے قال النبی لا عدوی ایک دن جو یہی حدیث بیان کی تو فقرہ مذکورہ کا اضافہ نہیں کیا جس پر حارث نے ٹوکا کہ ایک دوسرا ٹکڑا نہیں کہا جو بیان کرتے تھے، یہ سن کہ ابو ہریرہؓ بہت آزردہ و برہم ہوئے"

سمجھ میں نہیں آتا کہ حارث کے ٹوکنے پر برہمی کیوں پیدا ہوئی (ص ۶)

برہمی کی وجہ آپ کو اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آئی ورنہ جہاں سے آپ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے وہیں بصراحت وجہ مذکور ہے۔ صحیح مسلم میں صاف موجود ہے فابی ابو ھریرۃ ان یعرف ذالک یعنی حارث نے ٹوکا تو ابو ہریرہؓ نے اس کے جاننے سے انکار کیا یعنی یہ کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ میں لا عدوی بھی روایت کرتا تھا فما راہ الحارث حتی غضب ابو ھریرۃؓ پس حارث نے جھگڑا کیا اور کج بحثی کرنے لگے یہاں تک کہ ابو ہریرہؓ خفا ہو گئے (مسلم ص ۲۳۰ ج ۲ مطبوعہ دہلی) دیکھئے برہمی کی کیسی صاف وجہ مذکور ہے کہ حارث کی کج بحثی پر برہم ہوئے تھے، حیرت ہے کہ مسلم ہی سے آپ واقعہ نقل کرتے ہیں مگر آپ کو وجہ سوجھائی نہیں دیتی۔ کیا ایسی صورت میں ہم آپ کو جھوٹا سمجھنے پر مجبور نہیں ہیں؟ نیز آپ کا یہ لکھنا بھی لا عدوی کے الفاظ بڑھا دیتے تھے، خیانت سے خالی نہیں ہے، مسلم میں روایت کرنے کا ذکر ہے بڑھانے کا نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ جب ابو سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ لا عدوی بھی روایت کرتے تھے تو ابو ہریرہؓ نے اس سے لاعلمی کیوں ظاہر کی، تو اس کا جواب یہ ہے

کہ ابو سلمہ نے خود اس اشکال کو یوں حل کر دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ یا تو بھول گئے یا لا عدوی کا حکم منسوخ ہو گیا تھا (اس لئے دو چار بار بیان کرنے کے بعد انہوں نے خیال کیا کہ جب یہ منسوخ ہو گیا ہے تو اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں) دیکھو مسلم ص ۲۳۰ ج ۲) ابو سلمہ نے جو دو احتمال ذکر کئے ہیں ان میں پہلا احتمال صحیح ہے اس لئے کہ حارث کا جو جواب حضرت ابو ہریرہؓ نے دیا ہے اس سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

حاصل یہ کہ پہلے حضرت ابو ہریرہؓ دو فقرے بیان کرتے تھے، چند دنوں کے بعد وہ ایک فقرہ بھول گئے، اور ایک ہی روایت کرنے لگے، اور چونکہ حدیث رسولؐ کا معاملہ ہے اور ان کو اپنا سننا اب یاد نہیں رہا اس لئے از راہ غایت احتیاط شاگردوں کے یاد دلانے پر بھی روایت نہیں کرتے تھے۔

حیرت ہے کہ شیعہ بھول چوک اور سہو و نسیان کے واقعات سے اکابر سنت پر حرف گیری کرتے ہیں اور اپنے ائمہ کی ارادی غلط بیانی اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے پر کوئی نوٹس نہیں لیتے۔

کافی (جو شیعوں کے نزدیک قرآن سے بھی زیادہ معتبر ہے) کی کتاب المواریث ص ۴۸ میں سلمہ بن محرز کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے کہا کہ ایک شخص مجھ کو وصی بنا کے مر گیا۔ اور اس نے صرف ایک لڑکی چھوڑی ہے امام جعفر نے فرمایا کہ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دے دو، میں نے اس کا ذکر زرارہ سے کیا، اس نے کہا کہ تم سے امام نے تقیہ کیا، مال تو کل لڑکی ہی کا ہوتا ہے، تو میں پھر امام صاحب کے پاس آیا اور زرارہ کا قول نقل کیا، امام صاحب نے فرمایا: **واللہ ما اتقیتك ولکنی اتقیت علیك ان تضمن فهل علم بذالك احد قلت لا قال فاعطها ما بقی** یعنی بخدا میں نے تم سے تقیہ نہیں کیا، بلکہ میں ڈرا کہ تجھ کو تاوان نہ

دینا پڑے، اچھا یہ بتاؤ کہ اس کی کسی کو خبر ہو گئی ہے، میں نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو جو باقی بچا ہے وہ بھی لڑکی کو دے دو، یہ روایت کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے پہلے امام صاحب نے غلط مسئلہ بتایا جب زرارہ نے ٹوکا تو بات بنائی، اور پوچھا کہ کوئی جانتا تو نہیں جب اطمینان ہو گیا تو اقرار کیا کہ کل مال لڑکی ہی کا ہوتا ہے۔ ایسے اور واقعات بھی شیعوں کے اصول اربعہ میں ہیں، جن کو بخوف تطویل نظر انداز کیا جاتا ہے۔

مرزا صاحب الفاروق کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ ابو سلمہ نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح روایت کیا کرتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھ کو درے مارتے" (ص ٦)

نہ معلوم مرزا صاحب نے کیا سمجھ کے اس کو نقل کیا ہے، اس سے تو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات میں کوئی قدح لازم نہیں آتی، حضرت عمرؓ کی سختی روایات کے باب میں کسی تہمت کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ جیسا کہ الفاروق میں اسی جگہ مرقوم ہے "حضرت عمرؓ کا مقصد انہیں کی تصریحات سے معلوم ہو سکتا ہے، مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کے روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی و بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا..... حضرت عمرؓ کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیئے تھا (الفاروق ص ١٠٦ مطبوعہ دہلی)

مرزا صاحب حیاۃ الحیوان کے حوالہ سے ناقل ہیں کہ "شعبی علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ بزم عائشہؓ میں بیٹھے ہوئے تھے (استغفر اللہ! مسلمان "کنا عند عائشہ" کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "ہم حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر تھے) کہ ابو ہریرہ کو بھی ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا (ومعها ابو هريرة) کا صرف اتنا ترجمہ ہے کہ ان کے ساتھ ابو ہریرہ بھی تھے، لہٰذا "بیٹھے ہوئے دیکھا" کا

اضافہ رافضیانہ خباثت کا اظہار ہے) عائشہؓ نے پوچھا "ابوہریرہؓ! پیغمبر اسلامؐ کی حدیث اس طرح بیان کرتے ہو کہ ایک عورت پر عذاب نازل ہوا بلی کی وجہ سے، ابوہریرہؓ نے کہا ہاں پیغمبر خدا سے میں نے یہی سنا، عائشہؓ نے کہا مومن کی عزت خدا کی نظر میں اس سے کہیں زیادہ ہے کہ بلی کی وجہ سے اس پر عذاب نازل کرے وہ عورت کافرہ تھی (کفر کی وجہ سے اس پر عذاب نازل ہوا) اے ابوہریرہؓ جب تم کوئی حدیث رسولؐ بیان کیا کرو تو پہلے یہ غور کر لیا کرو کہ کیا کہہ رہا ہوں۔"

مرزا صاحب اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت عائشہؓ کی طرف سے حضرت ابوہریرہؓ کے فہم حدیث پر بے اعتمادی کا پتہ چلتا ہے اس پر یہ کہ آپ رسالتمآبؐ کی طرف اپنے فہمیدہ مطلب کو منسوب کر دینے میں ذرا جرأت سے بھی کام لیتے تھے ص ۸) ناظرین مرزا صاحب کا جھوٹ ملاحظہ کریں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنا فہمیدہ مطلب رسولؐ کی طرف کہاں منسوب کیا ہے؟ پورا واقعہ آپ کے سامنے ہے، اس میں یہ کہاں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے اس عورت کو مومنہ سمجھایا مومنہ ہونے کے باوجود بلی کی وجہ سے اس کا معذب ہونا آنحضرتؐ سے روایت کیا۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس سے حضرت ابوہریرہؓ کے فہم حدیث پر بے اعتمادی کا نتیجہ نکالنا بھی غلط ہے کسی کو کسی آیت یا حدیث کا مطلب بتانے سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو تو شیعوں کے مجتہدین کو ان کے استادوں نے اور اصحاب ائمہ کو ائمہ نے اور ائمہ کو آنحضرتؐ نے اس قسم کی جو باتیں بتائی ہیں ان سب سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ مجتہدین و اصحاب ائمہ بلکہ ائمہ کے فہم حدیث و قرآن پر اعتماد نہیں تھا، جس کو شاید کوئی شیعہ تسلیم نہیں کر سکتا۔

حیوٰۃ الحیوان میں یہ واقعہ ابو داؤد طیالسی کے حوالہ سے منقول ہے اور مسند طیالسی میں یہ بھی مذکور ہے۔ فقالت عائشة اتدری ما كانت المرأة قال لا (ص

۱۹۹مطبوعہ حیدر آباد) یعنی حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ آپ جانتے ہیں یہ عورت کون تھی، ابوہریرہؓ نے کہا نہیں اس کے بعد حضرت عائشہ نے بتایا کہ وہ کافرہ تھی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس عورت کے کافرہ ہونے کا علم نہ تھا ۔حضرت عائشہؓ نے ان کو بتا دیا۔باقی حدیث کے اخیر میں جو حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ جب حدیث بیان کرو تو سوچ لو کہ کیسے بیان کریں یعنی ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط مطلب سمجھ جائے، اس طرح بیان کرو کہ سننے والے کو غلط فہمی کا موقع نہ ملے اس کے بعد مرزا صاحب نے حیواۃ الحیوان سے ایک دوسرا واقعہ نقل کیا ہے جس میں ایک شخص کا ابو ہریرہؓ کو روایت میں متہم سمجھنا اور ہارون رشید کا اس کی موافقت کرنا مذکور ہے، لیکن مرزا صاحب نے از راہ خیانت و فریب کاری پورا واقعہ نقل نہیں کیا ۔مرزا صاحب نے جہاں تک نقل کیا ہے اس کے بعد مذکور ہے کہ ابن حبیب نے اسی مجلس میں اس قول کی تردید کی اور کہا کہ ابو ہریرہؓ جو کچھ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں وہ اس میں راست گو اور صحیح النقل ہیں، ہارون کو غصہ آگیا، یہ اٹھ کر گھر چلے آئے ہارون نے پیادہ بھیج کر ان کو دوبارہ بلایا اور کہا کہ تمہاری طرح کسی نے میرا قول رد نہیں کیا انہوں نے کہا کہ آپ نے جو کہا تھا اس سے آنحضرتؐ اور آپؐ کی شریعت پر حرف آتا ہے اس نے کہا یہ کیسے، ابن حبیب نے کہا یہ اس لئے کہ جب آنحضرتؐ کے صحابہؓ ہی جھوٹے ہوں گے تو شریعت چونکہ انہیں کے واسطے سے دوسرے لوگوں کو پہنچی ہے اس لئے وہ بھی بے اعتبار ہو جائے گی جھوٹوں کے نقل و روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ہارون نے یہ سن کر کہا کہ اب تم نے مجھے زندہ کیا اللہ تم کو زندہ رکھے۔یعنی ہارون نے اقرار کیا کہ میں نے ابو ہریرہؓ کے حق میں جو بد گوئی کی تھی وہ میرے لئے باعث ہلاکت تھی۔(حیواۃ الحیوان ص۵۰۶ ج۱) کیا اس کے بعد بھی اس واقعہ کو کوئی صحیح العقل حضرت ابو ہریرہؓ کے مطاعن میں نقل کر سکتا ہے؟

مرزا صاحب نے عقد فرید سے نقل کیا ہے "کہ ابو ہریرہؓ سے مروان نے کہا کہ خدا نے ضائع کر دیا حدیث رسولؐ کو اس لئے کہ سوائے تیرے کسی دوسرے شخص نے اس کی روایت نہیں کی" معلوم ہو گیا کہ جس حدیث کی نقل میں ابو ہریرہؓ متفرد ہوتے تھے اس کو لوگ غلط و موضوع سمجھتے تھے۔" (۹۰) مرزا صاحب نے یہاں بھی خیانت کی ہے، اصل واقعہ عقد فرید میں یوں ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کی قبر روضۂ نبوی میں کھودنا چاہی اور مروان نے روک دیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے مروان سے کہا کہ تو ان کو ان کے نانا کے پاس دفن ہونے سے کیوں روکتا ہے میں آنحضرتؐ سے اس حدیث کے سننے کی گواہی دیتا ہوں کہ حسنؓ و حسینؓ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں، اس کے جواب میں مروان نے وہی کہا جس کو مرزا صاحب نے نقل کیا ہے۔ناظرین یہاں سے شیعہ مؤلف کی محبت اہلبیت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ تو حسنؓ و حسینؓ کی حمایت میں ان کے مناقب بیان کر رہے ہیں اور شیعہ مؤلف ان کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے شرم! شرم! نیز یہ بھی دیکھیں کہ واقعہ میں صرف مروان کا حدیث ابو ہریرہؓ پر اعتماد نہ کرنا مذکور ہے اور شیعہ مؤلف نے مروان کے بجائے لوگ کر دیا۔ پھر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مروان کا جواب بھی دے دیا ہے۔ اور فرمایا کہ اگر میں یہ حدیث بیان کر رہا ہوں تو میں حضورؐ کے صحبت میں رہ چکا ہوں، اور یہ جانتا ہوں کہ آپ کس کو محبوب رکھتے تھے، کس کو نہیں، یہ بھی جانتا ہوں کہ کس کے حق میں دعا کی ہے، کس کے حق میں بددعا، اس کے بعد مروان کچھ نہیں بولا۔ لیکن شیعہ مؤلف مروان سے بھی زیادہ حیادار ہیں کہ وہ خاموش نہیں ہوئے اور مروان کی حمایت میں حضرت ابو ہریرہؓ کو غلط گو کہنے لگے حالانکہ شیعہ و سنی کے اصول سے مروان کا ہی قول نا قابل اعتبار ہے۔ سنیوں کا اصول تو معلوم ہے کہ صحابی رسولؐ سے زیادہ سچا غیر صحابی

کو وہ نہیں مانتے اور شیعہ بھی ہر چند حضرت ابو ہریرۃؓ کو برا سمجھتے ہوں لیکن مروان سے برا نہیں مانتے بالخصوص اس مقام میں کہ یہاں جو حدیث ابو ہریرۃؓ بیان کر رہے ہیں وہ باتفاق شیعہ و سنی صحیح ہے ابو ہریرۃؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ سے بھی مروی ہے ، لہٰذا ابو ہریرۃؓ سچے اور ان کی روایت سچی ہے اور مروان کا قول باطل ہے، مگر مؤلف کو دشمنی اہل بیت مجبور کرتی ہے کہ مروان کو سچا سمجھیں تا کہ حضرت حسن و حسینؓ کی فضیلت جو ابو ہریرۃؓ نے بیان کی ہے جھوٹی ہو جائے۔

مروان کے قول اور شیعہ مؤلف نے اس سے جو نتیجہ نکالا ہے ان دونوں کا بطلان اس چیز سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو حدیث حضرت ابو ہریرۃؓ نے بیان کی تھی اس کو صحابہؓ میں حسب ذیل حضرات بھی روایت کرتے ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حضرت حذیفہؓ ، حضرت قرۃؓ بن ایاس ، حضرت مالکؓ بن حویرث ، حضرت جابرؓ حضرت اسامہؓ، حضرت حسین بن علیؓ، حضرت براء بن عازب (مجمع الزوائد ص ۱۸۲ ج ۹ تا ۱۸۴ ج ۹) اور حضرت ابو سعید خدریؓ (ترمذی و حاکم و تاریخ الخلفاء ص ۱۲۸) باقی رہا شیعہ مؤلف کا یہ ثابت کرنا کہ مروان فقیہ و عالم تھا تو یہ ان کے لئے کچھ مفید نہیں ہے آخر زرارہ کی بھی تو جلالت قدر شیعوں کے نزدیک مسلم ہے اور امام جعفر نے اس کی نسبت فرمایا ہے کہ لولا زرارة ونظرا ؤہ لا ندرست احادیث ابی یعنی زرارہ اور اس کے امثال نہ ہوتے تو میرے باپ امام باقر کی حدیثیں فنا ہو جاتیں (رجال کشی ص ۹۰) لیکن کیا زرارہ نے امام جعفر کی شان میں گستاخیاں کی ہیں ان کو بھی شیعہ سچا اور زرارہ کو حق بجانب سمجھتے ہیں اسی رجال کشی میں ہے و اما جعفر ففی قلبی علیه لعنة یعنی جعفر پر میرے دل میں لعنت ہے (ص ۹۶) نیز اسی میں ہے و صاحبکم هذا لیس له بصر بکلام الرجال یعنی تمہارے ان صاحب کو آدمیوں کے کلام میں کچھ بصیرت اور سوجھ بوجھ نہیں ہے (ص ۹۸) اس کے بعد

مرزا صاحب نے ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کے حوالہ سے محمد بن عبد اللہ اسکافی کا قول اور خیال حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں نقل کیا ہے، اور غایت بے شرمی سے یہ جھوٹ بھی بول گئے ہیں کہ "ابو جعفر اسکافی جو عالم ہیں علمائے اہلسنت سے" (ص ۱۰) میں اس کا جواب دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ پہلے بتا چکا ہوں، کہ ابن ابی الحدید شیعی معتزلی اور اہلسنت سے خارج ہے اس کے قول و خیال کے ہم جوابدہ نہیں ہو سکتے، اور نہ کسی غیر سنی کے اقوال ہمارے مقابلہ میں پیش کرنا اصولاً جائز ہو سکتا ہے، اسی طرح اسکافی بھی معتزلی شخص ہے (دیکھو لسان المیزان ص ۲۲۱ ج ۵) اس کا قول سنیوں کے نزدیک گوز شتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، شیعہ مصنف نے اس حوالہ سے جہاں جہاں جو بات نقل کی ہے۔ ان سب باتوں کا ہماری طرف سے یہی جواب ہے۔ بار بار اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے

شیعوں کو انصاف کرنا چاہئے کہ اگر کوئی خارجیوں کے اقوال دربار تکفیر حضرت علیؓ شیعوں پر حجت قائم کرنے کے لئے پیش کرے تو وہ اس کو کتنی مضحکہ خیز حرکت قرار دیں گے، اسی طرح کسی غیر سنی کے اقوال سنیوں کے مقابلہ میں پیش کرنے کو بھی سمجھ لیں۔

حضرت ابو ہریرۃ اور شطرنج

شیعہ مصنف نے اپنی رافضیانہ خصوصیات کے اظہار میں ذرا بے باکی سے کام لیتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ پر قمار بازی کا الزام بھی لگایا ہے، اور بنیاد کل یہ ہے کہ تلخیص حبیر میں ابو ہریرہؓ کا شطرنج کھیلنا مذکور ہے لیکن یہ صریح بددیانتی ہے میں تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیتا ہوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے شطرنج کھیلا۔ لیکن اس

سے قمار بازی کا ثبوت کیوں کر ہوا۔ شیعہ مؤلف کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا شطرنج کھیلنا بعض شافعی المذہب مصنفین نقل کرتے ہیں، چنانچہ شیعہ مؤلف نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس کے مصنف بھی شافعی ہیں۔ اور شافعیہ تصریح کرتے ہیں کہ خالی شطرنج کھیلنا تو مباح یا مکروہ ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ روپے پیسے وغیرہ کی ہار جیت کی شرط بھی ہو تو حرام ہے۔ دیکھو ابن حجر مکی شافعی کی کتاب زواجر ص ١٦٦۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا شطرنج کھیلنا خالی از قمار تھا نیز علماء نے تصریح کی ہے کہ قمار کے ساتھ شطرنج کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن ائمہ نے کھیلا ہے بے قمار کے کھیلا ہے۔ اور ان سب باتوں سے قطع نظر کیجئے جب بھی حضرت ابو ہریرہؓ پر قمار بازی کا الزام محض افتراء اور بہتان ہے۔ اس لئے کہ تلخیص حبیر وغیرہ میں فقط شطرنج کھیلنے کا ذکر ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ قمار بازی کا اضافہ یا اس سے قمار بازی پر استدلال صریح بد دیانتی ہے۔ یہ ساری گفتگو بر سبیل تسلیم ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ یا کسی صحابی کا شطرنج کھیلنا کسی قابل وثوق سند سے ثابت نہیں ہے، شافعی علماء میں سے جن لوگوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے ان سب نے ابو بکر صولی کے حوالہ سے لکھا ہے اور ابو بکر صولی نے جس سند سے اس کو ذکر کیا ہے اس کو کوئی نقل نہیں کرتا۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سند قابل اعتبار بھی ہے یا نہیں۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے میزان شعرانی سے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "اگر میری رائے حضرت عثمان یا کسی صحابی کی رائے کے خلاف ہو گی تو اپنی رائے ترک کر دوں گا، لیکن اگر میری رائے ابو ہریرہؓ یا انس بن مالکؓ یا سمرہ بن

جندبؓ کے مخالف ہوگی تو اپنی رائے پر قائم رہوں گا" ص ۱۰،۱۱ (رجال بخاری)
معلوم نہیں مرزا صاحب نے امام صاحب کے اس قول کا کیا مطلب سمجھا۔ اور اپنا کیا فائدہ تصور کر کے اسے نقل کیا۔ جب کہ میزان شعرانی میں اسی مقام پر یہ تصریح موجود ہے کہ "و ذالك لا يقدح فى عدالتهم" یعنی یہ ان کی عدالت میں کوئی قدح پیدا نہیں کرتا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امام صاحب کو ان حضرات کی صداقت و دیانت اور ان کی عدالت و ثقاہت میں کوئی تردد نہ تھا بلکہ صرف اتنی بات تھی کہ وہ ان حضرات کو اس پایہ کا مجتہد تصور نہیں کرتے تھے جس پایہ کے حضرت عثمان و علی تھے اس لئے ان کی اجتہادی رائے کی وجہ سے اپنی رائے نہ چھوڑتے تھے۔ باقی ان کی روایات کی صحت و مقبولیت میں ان کو کوئی کلام نہیں تھا۔

مرزا صاحب نے اس کے بعد پھر تین حوالے ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کے پیش کئے ہیں جن کا نا قابل التفات ہونا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ اس جگہ کے دوسرے حوالے کا یہ حال ہے کہ وہی اسکافی معتزلی جس کا ذکر میں پہلے کر چکا کہتا ہے کہ "اعمش نے بیان کیا کہ ابو ہریرہؓ جب عراق میں آئے" الخ

ناظرین ملاحظہ کریں کہ اسکافی کی اعمش سے دید و شنید نہیں بلکہ دونوں کے درمیان کئی واسطے ہوں گے، اسی طرح اعمش نے بھی ابو ہریرہؓ کو نہیں پایا ہے۔ لہذا یہ سلسلۂ حکایت دو جگہ سے منقطع ہے، ایسے سلسلہ سے جو بات منقول ہو وہ اصول روایت سے کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

تیسرے حوالہ میں بھی اسی اسکافی معتزلی کا قول نقل کیا ہے جس کی نسبت شیعہ مؤلف نے ناواقف سنیوں کو دھوکہ دینے کے لئے جھوٹ لکھدیا کہ "عالم ہیں علمائے اہلسنت سے" (ص ۱۰ رجال بخاری) حالانکہ وہ سنی نہیں معتزلی ہے۔ اور معتزلی ہونے کی تصریح خود ابن ابی الحدید نے کی ہے۔ اور ابو بکر صولی ان مصنفین میں نہیں

ہیں جن کا نام صحت سند کی ضمانت کے لئے کافی ہو۔ امام بیہقی شافعیہ میں اعلم العلماء ہیں، انہوں نے شطرنج کی ممانعت پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ من نقل عن واحد من الصحابة انه رخص فيه فهو غالط، یعنی جو کسی صحابہ سے نقل کرے کہ انہوں نے شطرنج کی اجازت دی ہے تو وہ غلط گو ہے۔ (کف الرعاع ص ۱۷۲)، اسی طرح سدر (ایک کھیل) کھیلنے کا قصہ بھی لغت نویسوں نے بے سند وبے سروپا نقل کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور جاریہ بن قدامہ

شیعہ مصنف نے طبری کے حوالہ سے جاریہ بن قدامہ کا قول نقل کیا ہے کہ "اگر میں ابو ہریرہؓ کو پالیتا تو ان کو قتل کر دیتا"۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جانثاران حضرت علی، ابو ہریرہ کو واجب القتل جانتے تھے۔ جاریہ بن قدامہ کے اس قول کی نسبت جو مجھے لکھنا ہے اس کو عرض کرنے سے پہلے ایک اصولی بات سمجھا دینا ضروری خیال کرتا ہوں شیعہ مؤلف کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہل سنت خذل الله من خالفهم کے نقطۂ نگاہ سے بجز انبیاء علیہم السلام کے اور کوئی معصوم نہیں ہے، صحابہ رسول اگر چہ عدول (فسق و فجور سے پاک اور رسول کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے سے منزہ) ہیں لیکن معصوم نہیں ہیں، غلطی کا صدور ان سے ممکن ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ صحابہ میں باہم جو لڑائیاں ہوئیں وہ ایک فریق کی غلطی اور اصل حقیقت تک نارسائی کا نتیجہ تھیں۔ لیکن یہ ہمارا فیصلہ ہے خود وہ فریق اپنی غلطی سے بے خبر تھا وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ ہم جو کچھ سمجھ رہے ہیں وہی صواب اور جو کر رہے ہیں وہی حق ہے۔ اور دوسرا فریق ناحق کر رہا ہے اس لئے جس طرح دوسرا فریق (جو در اصل حق پر تھا) اس فریق کی نسبت اس لئے سخت وست کہتا تھا کہ وہ ناحق کا حمایتی تھا۔ یہ فریق

بھی اپنے خیال میں دوسرے فریق کو ناحق کا ساتھی جان کر اس کے حق میں سخت کلام کرتا تھا۔ حاصل یہ کہ دونوں کی تیز کلامی اپنے اپنے خیال میں حق بجانب تھی۔ اور فریق دوسرے کو اس کا واقعی مستحق سمجھتا تھا۔ اور جب ہر فریق اپنے علم و اعتقاد کے مطابق نیک نیتی سے دوسرے کی مخالفت یا اس کے خلاف فوج کشی یا خطاب میں درشتی جس کا مستحق اس کو سمجھتا تھا کرتا تھا تو انصاف و عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ان میں سے کسی پر لعن و طعن نہ کریں نہ کسی کے حق میں بدگمانی کریں۔

اس کے ساتھ ہی یہ نکتہ بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ایک انسان اپنے موافق یا مخالف، دوست یا دشمن بعید یا قریب آشنا یا بیگانہ کی نسبت بعض خاص حالات، اوقات میں ایسی بات بے اختیار کہہ جاتا ہے جس کو دوسرے وقت اور دوسرے حال میں کہنا کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا۔ مثلاً انتہائی غصہ کی حالت میں ایک انسان کسی غیر کو نہیں خود اپنے بیٹے یا بھائی کو اضطراراً ایسی سخت بات کہہ جاتا ہے جس کو غصہ نہ ہونے کی حالت میں کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اور غصہ فرد ہونے کے بعد اپنی سخت کلامی پر نہایت متاسف و نادم ہوتا ہے۔ بس ایسے خاص حالات کی اضطراری گفتگو اور منہ سے بے اختیار نکلے ہوئے کلمات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ اپنے بھائی کی نسبت فلاں قسم کا خیال رکھتا ہے سخت نافہمی اور حماقت ہے۔

شیعہ مؤلف کو سمجھانے کے لئے عقد فرید سے میں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں (یہ وہی عقد فرید ہے جس کے حوالہ سے شیعہ مؤلف نے رواۃ اہل سنت پر بکثرت جرحیں نقل کی ہیں) عقد فرید کا مصنف لکھتا ہے کہ "جب حضرت عثمانؓ کو بلوائیوں نے شہید کر ڈالا اور اس کی اطلاع حضرت علیؓ کو پہنچی تو وہ حضرت عثمانؓ کے گھر آئے اور اپنے دونوں فرزند حسنؓ و حسینؓ سے کہا کہ تم دونوں دروازے پر موجود ہو پھر امیر المومنین کو کس طرح قتل کر ڈالا گیا یہ کہا اور حسین کو تھپڑ مارا اور حسن

کے سینہ پر گھونسہ لگایا، اور طلحہ نے سبب پوچھا تو کہا کہ ان دونوں پر خدا کی لعنت (عقد فرید ص ۸۴ ج ۳)

شیعہ مؤلف اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا جائز ہے کہ حضرت علی واقعۂ حسین کو مستحق لعنت سمجھتے تھے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو مستحق لعنت امام اور معصوم کیسے ہو سکتا ہے، اور اگر نفی میں جواب ہے تو غیر مستحق لعنت پر لعنت بھیجنا حضرت علی کے لئے کیونکر جائز ہوا اور اس کے بعد ان کی عصمت کیسے ثابت ہو گی۔؟

اگر شیعہ مؤلف یہ جواب دے کہ عقد فرید سے شیعوں پر حجت قائم نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ شیعوں کی کتاب نہیں ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ پھر ابن ابی الحدید و ابوالفرج اصفہانی و ابن اعثم کوفی وغیرہم کی تحریرات ہمارے مقابلہ میں کیوں پیش کی جاتی ہیں، جب یہ لوگ سنی نہیں ہیں تو ان کے کلام سے سنیوں کو الزام دینا کہاں کی دیانت ہے۔

اچھا اس کو جانے دیجئے میں عقد فرید سے آپ کو الزام نہیں دیتا اب آپ سے یہ کہتا ہوں کہ عقد فرید وغیرہ سے مطاعن صحابہ کرام نقل کرنے سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ جب ان صحابہ کے یہ حالات ہیں تو سنیوں کو ان کی روایتیں نہ لینی چاہئیں بلکہ ان سے عقیدت بھی نہ رکھنی چاہئے۔ چنانچہ ص ۱۱ میں آپ لکھتے ہیں "یقین ہے حنفی المذہب حضرات ابو حنیفہ سے زبردست مجتہد کے فتوے پر عمل کریں گے۔" تو آپ کو چاہئے کہ جس طرح تاریخ و علم رجال کی شہادتوں کی بنا پر سنیوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ مقبول الروایۃ نہیں ہیں۔ ان سے حسن ظن مت رکھو اسی طرح "تاریخ و علم رجال" ہی کی بنا پر یہ بھی تبلیغ کیجئے کہ حضرات حسنین سے روایت نہ لو ان کو تو حضرت علیؓ مستحق لعنت سمجھتے تھے، یا حضرت

علیؓ سے حسن ظن نہ رکھو وہ تو غیر مستحق لعنت اور رسول کے نواسوں پر لعنت بھیجتے تھے۔(معاذ اللہ من ذلک)

خلاصہ یہ کہ آپ کے مشورہ پر عمل کیا جائے اور آپ کا اصول تسلیم کیا جائے تو خود آپ کے ائمہ معصومین سے بھی روایت جائز نہیں ہو سکتی، نہ ان سے عقیدت رکھنا روا ہو سکتا۔

اگر شیعہ مصنف کی اس بیان سے تشفی نہ ہوئی ہو تو ان کے مذہب کی معتبر کتابوں سے ایک مثال پیش کروں؟ مرزا صاحب بغور ملاحظہ فرمایئے، احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص ۵۹ میں اور حق الیقین ص ۲۳۴ میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہؓ جب فدک کے معاملہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے لڑ کر گھر واپس آئیں تو نہایت تند لہجہ میں حضرت علیؓ سے بہت سخت باتیں کیں۔اور کہا کہ ابو طالب کے بیٹے! تو پیٹ کے بچے کی طرح پردہ میں چھپا بیٹھا ہے۔اور خائنوں کی طرح گھر میں بھاگا ہے۔احتجاج کے الفاظ یہ ہیں۔یاابن ابی طالب اشتملت شملة الجنین و احتجرت حجرة الظنین۔اور حق الیقین کے الفاظ یہ ہیں۔"خطابہائے درشت باسید اوصیاء نمود کہ مانند جنین در رحم پردہ نشیں شدہ و مثل خائنان در خانہ گریختہ"۔

مرزا صاحب ملاحظہ کریں کہ شوہر اور وہ بھی ایسا کہ جس کی ولایت پر ایمان لانے کے لئے جملہ انبیاء سے عہد لیا گیا۔اور جس پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ضروری قرار دیا گیا اس کو "ابو طالب کے بیٹے" کہہ کر پکارنا، پھر اس کو پیٹ کے بچے، خائن اور اس شخص کے ساتھ تشبیہ دینا جس پر کسی شرمناک جرم کا الزام ہو، وغیرہ وغیرہ یہ کتنی بڑی توہین و تذلیل ہے۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر بتایئے کہ کیا اس واقعہ کے بناء پر شیعہ حضرت علیؓ کو انہیں خطابات کا مستحق سمجھتے ہیں، اور کیا ان کے یہی کارنامے تھے جن کے صلہ میں

"اسد اللہ الغالب" "اور شاہ مردان" کا لقب ان کو ملا ہے، اور کیا ہم یقین کر لیں کہ حضرت فاطمہ کے نزدیک وہ صرف "ابو طالب کے بیٹے" کہہ کر پکارے جانے کے مستحق تھے، اس سے زیادہ کسی وصف و لقب کے اہل نہ تھے، نیز کیا وہ جگر گوشۂ رسول کی نظر میں نہایت بزدل تھے اور اس تذلیل واہانت کے سزاوار تھے کہ ان کے حق میں مذکورہ بالا تشبیہات استعمال کی جائیں؟ بولئے کیا ارشاد ہے۔

دوسرا واقعہ شیعوں کی مستند کتاب اختصاص میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چالیس اشخاص حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور قسم کھا کر کہا کہ ہم آپ کے سوا کسی کی اطاعت نہ کریں گے، حضرت علی نے ان سے قول و قرار لے کر کہا کہ اچھا تو تم سب لوگ سر منڈا کر کل میرے پاس آؤ جب کل ہوا تو بجز ابوذر و مقداد و سلمان کے اور کوئی نہیں آیا۔ حضرت عمار ظہر کے بعد آئے تو حضرت علی نے ان کے سینہ میں مار کر کہا کہ تم خواب غفلت سے کیوں چونکے، یہاں سے چلے جاؤ، تمہاری ہم کو کچھ ضرورت نہیں ہے، تم نے سر کے بال کٹانے میں ہمارا حکم نہ مانا تو گلا کیا کٹاؤ گے، تمہاری کچھ حاجت نہیں ہے۔ اور رجال کشی میں ہے کہ ان لوگوں نے قسم کھا کر یہ کہا کہ ہم آپ کے سامنے اپنی گردن کٹادیں گے، مگر جب حضرت علی نے کہا کہ اچھا اگر تم لوگ سچے ہو تو کل سویرے سر منڈا کر میرے پاس آؤ تو بجز تین کے کسی نے سر بھی نہیں منڈایا راوی نے پوچھا کہ کیا سر منڈانے والوں میں عمار نہیں تھے، امام باقر نے کہا کہ نہیں (رجال کشی ٦)

ایک دوسرا واقعہ اور سنئے۔ شیعوں کی مستند کتاب کشف الغمہ میں ہے کہ جب حضرت حسن مجتبیٰ نے خلافت سے دست بردار ہو کر حضرت معاویہ سے مصالحت کر لی تو آپ کے چھوٹے بھائی حضرت حسین شہید کربلا نے آپ کی تذلیل میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا یہاں تک کہہ گئے کہ "واللہ لو جزا نفی لکان احب

الی مما فعله اخی "یعنی بخدا اگر میری ناک کاٹ ڈالی جاتی تو یہ اس سے بہتر ہوتا جو میرے بھائی (حسن) نے کیا، فصول مہمہ کی روایت میں ہے: کان الحسین یبدی الکراھیة لما کان من اخیه الحسن من صلح معاویة یعنی حضرت حسنؓ نے معاویہ سے جو صلح کر لی تھی اس سے حضرت حسینؓ ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید کربلا جو شیعوں کے خیال میں امام معصوم تھے، حضرت حسن مجتبیٰ کو معصوم نہیں بلکہ خطاکار سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے معاویہ سے صلح کر کے اہلبیت نبی کی سخت توہین و تذلیل کی۔ اس بات کا اظہار خود حضرت حسن کے حواری خاص سفیان بن لیلیٰ نے (جو نہایت پاکباز و قابل احترام شیعہ ہے) سخت گستاخانہ انداز میں کیا ہے۔ چنانچہ رجال کشی میں ہے کہ سفیان بن لیلیٰ کسی سواری پر سوار ہو کر حضرت حسن کے پاس آیا اور سواری ہی پر سے بولا السلام علیك یا مذل المومنین (اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے تم پر سلام) حضرت حسن نے کہا جلدی نہ کرو، سواری سے اترو، وہ اتر کر پاس آیا تو کہا کہ تم اس معاملہ کی نسبت کیا جانتے ہو، اس نے کہا آپ نے خلافت کا قلادہ اپنی گردن سے نکال کر اس سرکش کی گردن میں ڈالدیا جو خلاف حکم خدا فیصلہ کرتا ہے الخ (رجال کشی ص ۷۳)

مرزا صاحب بتائیں کہ کیا وہ اس روایت کی بناء پر حضرت حسن کو اہلبیت خصوصاً شہید کربلا کو رنج و غصہ میں مبتلا کرنے والا، مومنوں کو ذلیل و رسوا کرنے والا اور معاویہ سے صلح کرنے میں خطا کا مرتکب سمجھتے ہیں، اگر نہیں تو پھر شہید کربلا اور سفیان کی نسبت ارشاد ہو کہ ان لوگوں نے امام معصوم کے فعل پر ناگواری ظاہر کر کے خطاکار خیال کر کے اور مومنوں کو رسوا کرنے والا کہہ کر امام کی تذلیل کی۔ ان کی

عصمت میں شک کیا تو حضرت شہید معصوم اور سفیان شیعوں کے ممدوح اور مقبول و مشکور کس طرح ہو سکتے ہیں؟

ایک تیسرا واقعہ بھی سن لیجئے، ابن ابی الحدید ص ۶۷ ج ۱ اور کامل ابن اثیر (جس کا رجال بخاری میں بار بار حوالہ دیا گیا ہے) میں مذکور ہے کہ جب حضرت علی جنگ جمل کے موقعہ پر بصرہ روانہ ہوئے اور ربذہ میں پہنچے ہیں تو حضرت حسن مجتبیٰ ان سے ملے، اور کہا کہ میں نے آپ کو حکم دیا لیکن آپ نے نافرمانی کی اور میں دیکھتا ہوں کہ کل آپ نافرمانی ہی میں قتل کئے جائیں گے، اور کوئی آپ کا یار و مددگار نہ ہوگا۔ حضرت علی نے بیٹے کی یہ گفتگو سن کر فرمایا کہ تو ہمیشہ چھوکری کی طرح منمناتا رہتا ہے۔ (کامل مطبوعہ مصر ص ۸۷ ج ۳)

میں مرزا صاحب سے پوچھتا ہوں کہ جس طرح انہوں نے کامل وغیرہ پر اعتماد کر کے دوسرے صحابہ پر حرف گیری اور اہلسنت کو ان سے بد ظن کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کی یہ گفتگو اور اس قسم کے دوسرے واقعات کیوں نہیں نقل کئے، آخر حضرت علی و حضرت حسن سے بھی تو صحاح اہلسنت میں روایتیں لی گئی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس واقعہ کو نقل کر کے مرزا صاحب اہلسنت سے یہ نہیں کہتے کہ حضرت علی کے خود فرزند ارجمند ان کی روانگی بصرہ کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے، ان کو اس باب میں خطا کار سمجھتے تھے مگر وہ نہیں مانے، بصرہ گئے اور مسلمانوں میں خونریزی کے باعث بنے لہٰذا ان سے روایت نہ لو نہ ان سے حسن ظن رکھو۔

تنبیہ: یہ ساری گفتگو شیعوں کے اصول پر بطور الزام ہے، ورنہ اہلسنت تمام صحابہ کرام سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو ہر قسم کے فسق و فجور سے پاک مانتے ہیں، تاریخوں میں جو کچھ مذکور ہے وہ سب صحیح نہیں ہے، اس لئے اہلسنت جانچ کر کے

جس واقعہ کا مستند ثبوت پاتے ہیں اس کو کسی مناسب محمل پر حمل کرتے ہیں، اور جو بات بے ثبوت نکلتی ہے اس کو رد کرتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جاریہ بن قدامہ کا جو قول حضرت ابو ہریرہ کے حق میں نقل کیا ہے اگر وہ صحیح ہی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ غصہ اور از خود رفتگی کی حالت کا کلام ہے جس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ جاریہ بن قدامہ در حقیقت ان کو مستحق قتل سمجھتے تھے، جاریہ معصوم نہ تھے اور جب معصومین شیعہ غصہ کی حالت، یا کسی جوش کے وقت میں ناگفتنی باتیں کہہ جاتے ہیں (جن کی چند مثالیں آپ اوپر پڑھ چکے ہیں) تو غیر معصومین پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کا مدینہ سے فرار

اس کے بعد مرزا صاحب نے حضرت ابو ہریرہ کے فرار کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ جب جاریہ بن قدامہ مدینہ آئے تو ابو ہریرہ اس لئے بھاگ گئے کہ حضرت علی کی بیعت نہ کرنا پڑے (ص ۱۵) مرزا صاحب نے اس کے لئے طبری کا حوالہ دیا ہے لیکن جو عبارت انہوں نے نقل کی ہے اس میں نہ ابو ہریرہ کے فرار کا ذکر ہے نہ سبب فرار کا، لہذا اس عبارت کے نقل کرنے سے ابلہ فریبی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہے لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ حضرت ابو ہریرہ کے فرار کا یہی سبب تھا تو اس میں عیب کی کون سی بات ہے جو بڑی دھوم دھام سے اس کو لکھا جاتا ہے، بہت سے لوگ تھے جو قاتلین حضرت عثمان سے انتقام نہ لینے کی وجہ سے حضرت علی کے باب میں متردد تھے، چونکہ دیانت داری سے ان کی یہی رائے تھی اس لئے ان پر کچھ ملامت نہیں ہے۔ خود حضرت علی سے جنگ جمل کے موقع پر پوچھا گیا فما حالنا و حالهم ان ابتلينا غدا قال انی لارجوان لا يقتل منا و منهم احدنقی قلبه الا ادخله

اللہ الجنۃ یعنی کل کو اگر ہم لڑائی میں مبتلا ہو گئے تو ہمارا (یعنی حامیان علی کا) اور ان کا (یعنی طلحہ وزبیر کے ساتھیوں کا) کیا حال ہو گا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ بے شبہ میں ضرور امید رکھتا ہوں کہ ہم میں اور ان میں سے جو بھی صاف دلی کے ساتھ قتل کیا جائے گا اس کو اللہ جنت میں داخل کرے گا (کامل ابن اثیر ص ۹۳ ج ۳) نیز جب قاتل زبیر آیا ہے اور اجازت چاہی ہے تو حضرت علی نے فرمایا کہ اس کو اجازت دو اور جہنم کی "بشارت" سناؤ (کامل ص ۹۶ ج ۳ اور عقد فرید) حالانکہ زبیر کی نسبت یہی شعیہ مصنف لکھتا ہے کہ انہوں نے بیعت میں توقف کیا۔ پھر تلوار ان کے سر پر رکھدی گئی تو مجبوراً بیعت کی مگر اس کے بعد مخالف ہو گئے۔ (ص ۱۵۲ ج ۲ رجال بخاری) شیعہ مصنف سوچے کہ جب حضرت زبیر حضرت علی کے مخالف تھے تو زبیر کا قاتل جہنمی کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کے زبیر کی مخالفت دیانت داری سے تھی پس اسی طرح حضرت ابو ہریرہ نے بھی اگر بالفرض حضرت علی کی بیعت سے اس وقت پرہیز کیا ہو تو چونکہ یہ پرہیز دیانت داری سے تھا اس لئے اعتراض کی بات نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت علیؓ کی اقتدا

مرزا صاحب نے ایک واقعہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نماز میں حضرت علی کی اقتدا کرتے تھے اور کھانا حضرت معاویہ کے دستر خوان پر کھاتے تھے اور لڑائی سے علحدہ رہتے تھے، اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ نماز علی کے پیچھے افضل ہے اور دستر خوان معاویہ کا بہت چکنا ہے۔ اور لڑائی نہ کرنا اسلم طریقہ ہے (ص ۱۷) اولاً تو یہ قصہ جن لوگوں نے لکھا ہے بے سند لکھا ہے، لہذا ابھی اس کی صحت ہی میں کلام ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی نے بھی ھکذا حکی عنه (یونہی حکایت کی گئی ہے

) لکھ کر اس کے بے سند ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ لیکن اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو مرزا صاحب نے ظاہر نہیں کیا کہ اس کے کس جزو سے حضرت ابو ہریرہ پر وہ حرف گیری کرنا چاہتے ہیں، شیعوں کے اندرونی حالات سے باخبر حضرات تو نہایت آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرت علی کی اقتدا ہی وہ جرم ہے جس کی وجہ سے شیعہ حضرت ابو ہریرہؓ سے خار کھائے ہوئے ہیں۔ زبان سے محبت علی کا دعویٰ اور دل میں بغض و کینہ ان کا قدیم شیوہ ہے۔

اور اگر مرزا صاحب کہیں کہ حضرت معاویہؓ کے دستر خوان پر کھانا کھانا وہ عیب ہے جس کو ظاہر کرنے کے لئے ہم نے قصہ نقل کیا ہے تو میں کہوں گا کہ مرزا صاحب ہوش کی خبر لیجئے۔ ع۔

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

حضرت عقیل برادر حضرت علی کا معاویہ کے چکنے دستر خوان پر کھانا اور صرف روپے کی خاطر ان سے ملنا بلکہ محمد بن الحنفیہ فرزند ارجمند حضرت علی کا یزید سے دو ہزار درہم نقد اور ایک لاکھ کا قیمتی سامان وصول کرنا ایسے واقعات نہیں ہیں جن کو صندوق تقیہ میں چھپانا ممکن ہو۔ شیعوں کی تاریخی کتابیں اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ حد ہو گئی کہ شیعوں کی اصح الکتب میں امام زین العابدین کا یزید کے سامنے یہ اقرار بھی موجود ہے کہ میں تیرا مجبور غلام ہوں تو چاہے مجھے رکھ چھوڑ یا بیچ ڈال۔ (روضۂ کافی ص ۱۱۰) پس اگر یزید کی غلامی کا اقرار معیوب نہیں ہے تو حضرت معاویہ کے دستر خوان پر کھانا کھانا کس حساب میں ہے۔

باقی رہا لڑائی سے علیحدہ گی کا مسئلہ تو شیعوں کو حضرت امام حسن اور حضرت امام باقر کا اسوہ سامنے رکھنا چاہئے۔ شیعوں کی مستند کتاب احتجاج میں ہے کہ جب حضرت حسن کو مدائن میں نیزہ لگا تو زید بن وہب نے کہا کہ اے فرزند آپ کی کیا

رائے ہے لوگ بہت متحیر ہیں۔امام حسن نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں معاویہ کو ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں جو اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں۔ان شیعہ نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرا اسباب لوٹ لیا، اور میرا مال لے لیا۔واللہ لان آخذ من معاویة عهدا احقن به دمی و آمن به فی اهلی خیر من ان یقتلونی فتضیع اهل بیتی و اهلی۔یعنی اللہ کی قسم میں معاویہ سے کوئی معاہدہ کر لوں جس کی وجہ سے میری جان کی حفاظت ہو جائے اور میرے گھر والوں کی جان کا اندیشہ نہ رہے یہ بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھ کو قتل کر دیں اور میرے متعلقین ضائع ہو جائیں۔(احتجاج ص ۱۴۸ مطبوعہ ایران)

علامہ مجلسی جلاء العیون میں لکھتے ہیں کہ شیعوں نے حضرت علی کے بعد ان کے فرزند حسن کی بیعت کی اور بیعت کے بعد ان سے بد عہدی اور مکر کیا۔اہل عراق نے ان کے پہلو میں خنجر مارا اور ان کا خیمہ لوٹ لیا۔یہاں تک کہ حضرت حسن کی لونڈیوں کے پاؤں کے پازیب بھی اتار لئے۔اس لئے مجبوراً معاویہ سے صلح کر کے اپنی اور اپنے اہل بیت کی جان بچائی (خونہائے خود واہل بیت خود را حفظ کرد) مرزا صاحب فرمائیں کہ یہ بھی لڑائی سے جان چرانا ہے یا نہیں۔

امام باقر بھی لڑائی سے پرہیز کرتے تھے اور اسی کو اسلم طریقہ قرار دیتے تھے چنانچہ اسی بنا پر ان کے بھائی زید شہید نے کہا کہ جو گھر میں چھپا بیٹھا رہے اور میدان میں نہ نکلے وہ امام نہیں ہو سکتا۔رجال کشی ص ۲۶۱ میں ہے۔لیس الامام منا من ارخی علیه ستره انما الامام من شهر سیفه امام وہ نہیں ہے جو پردہ گرا کر چھپ رہے، امام وہ ہے جو ننگی تلوار لے کر نکل کھڑا ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور مالی معاملات

مرزا صاحب نے عقد فرید و فتوح البلدان سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ

س زمانے میں بحرین کے عامل تھے اس وقت ان کے پاس بارہ ہزار درہم جمع ہو گئے تھے جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے خدا اور مسلمانوں کے دشمن یا یہ کہا کے اے قرآن کے دشمن تو نے اللہ کا مال چرایا (دونوں کتابوں میں سرقت کا لفظ ہے جس کا صحیح ترجمہ "چرایا" ہے۔ مرزا صاحب نے ترجمہ میں بد دیانتی کی ہے کہ "خیانت کی" لکھا ہے) ص ۲۰۔

رجال بخاری کے مصنف نے یہاں بھی اپنے قدیم شیوہ کے مطابق ادھوری عبارت نقل کی ہے اور آگے کے فقرے جن سے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی براءت ثابت ہوتی ہے صندوق تقیہ میں چھپا رکھے ہیں، عقد الفرید میں منقولہ بالا مضمون کے بعد یہ ہے۔ **فقلت ما انا عدو الله و لا عدو كتابه ولكنى عدو من عاداك ما سرقت مال الله قال فمن اين لك عشرة آلاف قلت خيل تنا تجت و عطايا تلاحقت وسهام تتابعت** یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ کے جواب میں کہا کہ میں نہ اللہ کا دشمن ہوں نہ اس کی کتاب کا ہاں میں اس کا دشمن ہوں جو آپ سے دشمنی کرے۔ میں نے اللہ کا مال نہیں چرایا حضرت عمر نے فرمایا کہ پھر تمہارے پاس دس ہزار درہم کہاں سے آئے، میں نے کہا کہ میرے پاس گھوڑے تھے ان کی نسل میں افزائش ہوئی۔ اور وظیفے جو بیت المال سے ملتے تھے وہ آتے رہے، اور مال غنیمت میں لگاتار حصے ملتے رہے (عقد فرید ص ۲۶ ج ۱)

شیعوں کی جرأت قابل داد ہے کہ اس قدر صاف بیان کے بعد بھی حضرت ابو ہریرہؓ پر مالی خیانت کا الزام رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو مال میں خیانت کرے اور خدا سے نہ ڈرے وہ حدیث پیغمبر میں بھی ضرور خیانت کرے گا۔ لہٰذا صحیح بخاری وغیرہ سے ان کی کل روایتیں نکال دینے کے قابل ہیں۔" ص ۱۲ ج ۱۔

لیکن اپنے ان مقبول راویوں کی نسبت ایک حرف نہیں کہتے جنہوں نے

بڑی بڑی رقمیں ہڑپ کر لیں۔ اوران کے حمایتی شیعہ مجتہدین ان کی براءت آج تک ثابت نہیں کر سکے۔ مثلاً زیاد قندی ایک راوی اور امام موسی کاظم کے "صحابی" ہیں ان سے شیعوں کی اصح الکتب کافی میں روایت لی گئی ہے۔ یہ "حضرت" امام کاظم کے وکیل تھے امام کی وفات کے وقت زیاد کے پاس ستر ہزار اشرفیاں تھیں جن کو ہضم کرنے کی یہ صورت نکالی کہ امام کاظم کی وفات اور امام رضا کی امامت کا انکار کر بیٹھے اور یونس نامی ایک شخص کو جو امام رضا کی طرف دعوت دیتا تھا دس ہزار دینار کے وعدہ پر دعوت سے روکنے کی کوشش کی۔

زیاد کے ہم پیشہ ایک بزرگ علی بن ابی حمزہ بھی تھے۔ انہوں نے تیس ہزار اشرفیاں دبار کھی تھیں، ان سے بھی کافی میں روایت ہے۔ رجال کشی میں ہے کان عند زیاد القندی سبعون الف دینار و عند علی بن ابی حمزة ثلثون الف دینار قال فلما رایت ذالك وتبین علی الحق و عرفت من امر ابی الحسن الرضا ما علمت فکلمت و دعوت الناس الیه قال فبعثا الی و قالا لی لا تدع الی هذا ان کنت ترید المال فنحن نغنیك وضمنا لی عشرة آلاف دینار۔ (رجال کشی ص ۳۰۷)

منصور بن یونس کافی وغیرہ کے راوی اور امام کاظم کے "صحابی" ہیں۔ ان کی نسبت نضد الایضاح میں لکھا ہے۔ جحد النصّ علی الرضا لا موال کانت فی یدہ یعنی اس کے ہاتھ میں امام کاظم بہت سا مال لگ گیا تھا۔ اس لئے امام رضا کی امامت کی نص کا انکار کر بیٹھا تاکہ ان کے والد کا مال نہ دینا پڑے (نضد الایضاح مطبوعہ کلکتہ ص ۳۴۰)

عروہ بن یحیٰی دہقان، امام رضا اور امام حسن عسکری کے "صحابی" ہیں ان کی نسبت رجال کشی میں مذکور ہے کہ یہ امام حسن عسکری کا مال ہڑپ کر جایا کرتے تھے امام

مذکور کا خزانہ ان کی نگرانی میں دے دیا گیا تو یہ جتنا مال لے سکے لے لیا اور باقی کو جلا ڈالا و کان یقتطع امواله لنفسه دونه ص ۳۵۳ فاخذ منها لنفسه و احرق باقي ما فيها يغايظ بذالك ابا الحسن (ص ۳۵٤)

عثمان بن عیسیٰ "صحابی" امام کاظم کے پاس بہت بھاری رقم اور چھ لونڈیاں تھیں، جب امام کاظم کی وفات ہوئی اور امام رضا نے مطالبہ کیا تو عثمان نے دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مجھ سے امام کاظم نے یہ نہیں کہا تھا کہ رضا کو دے دینا، اور میں نے تو لونڈیوں کو آزاد کر دیا ہے، رجال کشی میں ہے و ان کان قد مات علی ما تحکي فلم یامرني بدفع شئی الیك و قد اعتقت الجواری (۳٦۸)

ابن عباس سے شیعوں کی صحیح کتابوں میں بکثرت روایتیں ہیں اور قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں ان کی نسبت لکھا ہے "از اعاظم صحابہ پیغمبر و افضل اولاد عباس و مرید و تلمیذ حضرت امیر المومنین بودہ و در رکاب آنحضرت با مخالفان مجاہدہ نمودہ علو درجہ او در علم تفسیر و فقہ و حدیث مشہور و مستغنی از بیان" الخ اور خلاصۃ الاقوال میں ہے کان محبا لعلي علیه السلام و تلمیذه و حاله في الجلالة و الاخلاص لا میز المومنین اشهر من ان یخفی ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس بہت بڑے صحابی اور حضرت علی کے مرید و شاگرد و ہوا خواہ تھے، ان کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے جہاد کیا اور ان کی عظمت، حضرت علی سے خلوص اور تفسیر و فقہ و حدیث میں ان کی بلند پائیگی محتاج بیان نہیں ہے۔

ان تمام امور کے باوجود شیعوں نے حضرت علی کا ایک خط بنام ابن عباس اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ جس کے چند فقرے یہ ہیں: فکأنك لم تکن ترید الله بجهادك و کأنك لم تکن علی بینة من ربك و کانك انما کنت تکید امة محمد صلی الله علیه و آله و علی دنیاهم و تنوی غرتهم فلما

امكنتك الشدة في خيانة امة محمد اسرعت الوثبة و عجلت العدوة فاختطفت ما قدرت عليه اختطاف الذئب الازل دامية المعزى الكسيرة كانك ولا ابالك انما جررت الى اهلك و تراثك من ابيك و امك و سبحان اما تو من بالمعاد او ما تخاف سوء الحساب او ما يكبر عليك ان تشترى الا ماء و تنكح النساء باموال الا رامل والمهاجرين الخ (رجال كشى ص ٤١ و نهج البلاغة ص ٦٧ ج٢)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ابن عباس گویا تم خدا کے لئے جہاد نہ کرتے تھے، نہ تم بصیرت کے ساتھ خدا پر اعتقاد رکھتے تھے۔ بلکہ تم امت محمدیہ سے فریب کر رہے تھے اور ان کی غفلت کی تاک میں تھے چنانچہ جب تم کو خیانت پر قابو حاصل ہو گیا تو تم نے تیزی سے جست لگائی اور جلدی سے لپکے اور جس طرح تیز رفتار بھیڑیا دست و پا شکستہ اور زخمی بکری کو اچک لیتا ہے۔ اسی طرح تم نے بھی جتنا پایا اچک لیا۔ معلوم ہوتا ہے اپنے باپ اور ماں کی میراث اپنی طرف گھسیٹ رہے ہو، کیا تمہارا قیامت پر ایمان نہیں ہے۔ یا تم حساب کی مشکلات سے ڈرتے نہیں ہو، کیا مہاجرین اور بیوہ عورتوں کے مال سے لونڈیاں خریدنا اور عورتوں سے نکاح کرنا تم پر گراں نہیں گزرتا۔

مرزا صاحب فرمائیں کہ حضرات مذکورہ بالا کی نسبت کیا فتویٰ ہے، ان لوگوں نے جب مال میں اتنی زبردست خیانتیں کی ہیں تو حدیث رسول و احادیث ائمہ میں بھی ضرور خیانت ہو گی لہذا ان کی روایتیں اصول شیعہ سے نکال دینے کے قابل ہیں یا نہیں؟

مرزا صاحب نے بعض دوسرے صحابہ پر بھی یہ الزام قائم کیا ہے۔ مگر ہر جگہ اس الزام کی حیثیت وہی ہے جو یہاں مذکور ہوئی یعنی یہ الزام ثابت نہیں ہے بلکہ

اس سے براءت ثابت ہو چکی ہے بر خلاف مقبولین شیعہ کے کہ ان کی خیانت کا کوئی جواب آج تک نہیں دیا جا سکا۔ بہر حال چوں کہ ہر جگہ اس الزام کی یہی نوعیت ہے اس لئے میں بار بار ایک ہی بات کو نقل کر کے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا، مرزا صاحب اس کا جواب اسی کو سمجھ لیں۔!

ابو ہریرہؓ کی وجہ تسمیہ

شیعہ مصنف نے اس کنیت کا مذاق اڑایا ہے لیکن نام و کنیت کا مذاق اڑانا جہالت ہے حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قصہ بچپن کا ہے کہ ایک بلی لئے پھرتے تھے اس لئے از راہ ظرافت و بذلہ سنجی کسی نے اس کنیت سے ان کو پکارا اور اتفاق کہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے لہٰذا اس سے کوئی نتیجہ نکالنا یا مذاق کرنا ایک بیہودہ حرکت ہے۔ شیعوں کے ایک بزرگ اور حضرت علی کے مخلص نعیم بن دجاجہ ہیں (کشی ص ۶۰) مرزا صاحب کی طرح کوئی اس نام کا ترجمہ "نعیم مرغی کے بچے" کر دے تو مرزا صاحب کیا فرمائیں گے، شیعوں کے ایک راوی ہیں "ابوالجارود سرحوب" رجال کشی ص ۱۵۰ میں لکھا ہے کہ سرحوب ایک اندھے شیطان کا نام ہے جو دریا میں رہتا ہے اسی طرح شیعوں کے ایک بڑے عالم و متکلم اور امام صادق کے صحابی ہیں جو شیطان الطاق ہیں جو شیطان سے بھی زیادہ مشہور ہیں۔

(۲) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

رجال بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کا نام آتا ہے اور سب سے پہلے شیعہ مصنف حضرت عمارؓ کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ "میں نے لیلۃ الجبل کے موقع پر رسول سے سنا کہ وہ تجھ پر لعنت کرتے تھے۔ (ص ۲۲ ج ۱)

یہ قول کنزالعمال سے نقل کیا گیا ہے لیکن بددیانتی یہ کی گئی ہے کہ آگے اس روایت کا جو حال مذکور ہے اس کو چھپا رکھا گیا ہے، صاحب کنزالعمال نے آگے لکھا ہے کہ "اس قول کو ابن عدی نے روایت کیا ہے اور اس کو سخت کمزور و بے جان ثابت کیا ہے "ناظرین کو شیعہ مصنف کی اس حرکت پر کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اس غریب کے مذہب کی بنیاد ہی جھوٹ اور فریب پر ہے۔ لہٰذا اگر وہ ہمارے اکابر کو نشانۂ ملامت بنانے کے لئے ایسی گئی گزری روایتیں پیش کرے، اور یہ ظاہر نہ کرے کہ اہل سنت نے ان روایتوں کو ناقابل اعتماد و کمزور قرار دیا ہے تو وہ اپنی مذہبی تعلیم کی وجہ سے معذور ہے۔ (ف) اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوع کہا ہے (دیکھو لآلی مصنوعہ ص ۲۲۲ ج ۱)

اس کے بعد شیعہ مصنف بناء فاسد علی الفاسد کے طور پر لکھتا ہے کہ "پیغمبر اسلام کا ہرگز یہ منصب نہ تھا کہ وہ کسی سچے مسلمان پر لعنت فرمائیں" میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات ہے تو معصوم ہونے میں پیغمبر اور ائمہ شیعہ دونوں برابر ہیں لہٰذا ائمہ بھی کسی سچے مسلمان پر لعنت نہیں فرما سکتے، پھر کیا وجہ ہے کہ شیعوں نے عبد اللہ بن عباس و عبید اللہ بن عباس کو نہ صرف سچا مسلمان قرار دیا بلکہ ان کے بڑے بڑے مناقب بیان کئے حالانکہ امیر المومنین علی "علیہ اسلام" نے ان کی نسبت کہا "اللهم العن ابنی فلان و اعم ابصارهما (کشی ص ۴۷) یعنی اے اللہ عباس کے دونوں بیٹوں پر لعنت کر اور ان کو اندھا کر دے اور کیا وجہ ہے کہ شیعوں نے زرارہ کو اپنے مذہب کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے اور نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین مطبوعہ طہران ص ۱۴۷ مجلس پنجم میں لکھا ہے کہ "اصدق اہل زمان خود وافضل ایشاں بود" یعنی اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ سچا اور افضل تھا، حالانکہ امام جعفر نے اس پر بار بالعنت فرمائی ہے، کشی ص ۹۸ میں ہے۔ لعن الله زرارة ، لعن الله زرارة ، لعن

الله زرارۃ کشی ص ۹۹ اور ص ۱۰۰ میں اس پر بار بار لعنت مذکور ہے اسی طرح برید بن معویہ عجلی پر امام جعفر صادق نے لعنت فرمائی ہے (کشی ص ۹۹ و ص ۱۵۶) پھر کیا وجہ ہے کہ کافی وغیرہ میں اس سے روایت لی گئی ہے، کیا شیعوں کے نزدیک ملعونوں اور غیر مسلموں سے بھی روایت لینا جائز ہے؟ بخوف تطویل صرف تین مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ شیعوں کے یہاں ایسے ملعونوں کی بڑی کثرت ہے۔

حضرت علیؓ سے انحراف

شیعہ مصنف کے خیال میں ایک ناقابل معافی جرم حضرت علی سے انحراف ،اور لڑائیوں میں ان کے ساتھ شرکت نہ کرنا بھی ہے، چنانچہ متعدد صحابہ کے تذکرہ میں اس نے اس کا اظہار کیا ہے، لیکن شیعہ مصنف کا یہ خیال سراسر غلط ہے حضرت علی سے انحراف علی الاطلاق معیوب و مذموم نہیں ہے بلکہ جب بلاوجہ شرعی انحراف ہو تو مذموم ہے ورنہ نہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بات سے طبعاً آزردہ خاطر ہو اور اس نے حضرت علی کے ساتھ شرکت نہیں کی تو اس پر کوئی ملامت نہیں ہو سکتی ۔شیعہ مصنف نے انحراف کی جو مثالیں لکھی ہیں وہ سب غیر مذموم انحراف کی مثالیں ہیں، مثال کے طور پر حضرت ابو موسیٰ کے انحراف کو لیجئے اور اس انحراف کی حقیقت اور اس کے اسباب کی تحقیق کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت ابو موسیٰ کے انحراف کی حقیقت کل یہ ہے کہ جب کوفہ والوں نے ان سے جنگ جمل میں شرکت کے باب میں مشورہ لیا تو انہوں نے یہ کہا کہ اگر دنیاداری منظور ہو تو جاؤ شرکت کرو اور اگر آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو اپنے گھروں میں بیٹھے رہو، پھر جب حضرت علیؓ نے اس مشورہ کے پاداش میں ان کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر دیا تو وہ شام کے کسی مقام میں گوشہ نشین ہو گئے اور حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ کسی کی

طرف سے شریک جنگ نہ ہوئے۔

خدارا انصاف سے بتائیے کہ اگر حضرت ابو موسیٰ کی دیانت داری سے یہ رائے تھی کہ جب حضرت علیؓ و حضرت زبیرؓ دونوں مسلمان اور دونوں صحابی رسول ہیں تو ان میں سے کسی کے مقابلہ میں صف آرائی نہ کرنی چاہئے اور ایک جماعت کو ان کے ساتھ اور دوسری کو ان کے ساتھ مل کر لڑائی کا موقعہ اور جنگ کے لئے مناسب فضا نہ پیدا کرنی چاہئے، تو کوئی بری بات ہے اور عیب کی چیز؟ یا ایک مصلحانہ خیال اور قابل تعریف ہنر و کمال؟ اسی طرح معزول ہونے کے بعد دونوں فریقوں سے کنارہ کشی حضرت ابو موسیٰ کی برائی ہے یا اعلیٰ درجہ کی خوبی اور ان کی للّٰہیت کی عمدہ مثال؟ اگر حضرت ابو موسیٰ میں نفسانیت ہوتی اور انہوں نے بد دیانتی سے اہل کوفہ کو مشورہ دیا ہوتا اور حضرت علی سے مخالفت اس مشورہ کی بنیاد ہوتی تو معزولی کے بعد حضرت علی کے مخالفین کے ساتھ ان کو ہونا چاہئے تھا، افسوس ہے کہ شیعوں کو اتنی بھی سمجھ نہیں ہے۔ سعدی نے سچ کہا ہے۔ ع

"ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است"

میں نے جو کچھ کہا ایک واقف کار کے لئے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، تاہم شیعہ مصنف کے اطمنان کے لئے ایک تاریخی شہادت پیش کرتا ہوں، تاریخ کامل میں ہے کہ جب حضرت علی نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کو ابو موسیٰ اشعری کے پاس بھیجا تو معمولی گفتگو کے بعد ابو موسیٰ نے ایک خطبہ دیا۔ اس کے چند فقرے یہ ہیں۔ ان لکم علینا لحقا و انا مودِ الیکم نصیحۃ ......فاغمدوا السیوف و انصلوا الاسنة و اقطعوا الاوتار و آووا المظلوم والمضطهد حتی یلتئم ھذا الامر و تنجلی ھذه الفتنة یعنی تمہارا ہم پر حق ہے اور میں تم کو ایک خیر خواہی کی بات پہنچاتا ہوں تم اپنی تلواروں کو میان میں

کرو، اور نیزوں کے بھالے نکال ڈالو اور کمانوں کی تانتیں کاٹ ڈالو اور مظلوم و ستم رسیدہ کو پناہ دو تا آنکہ اتفاق پیدا ہو اور یہ فتنہ دفع ہو جائے (ص۸۹ ج ۳)

پھر دوسری دفعہ حضرت علی نے حسن اور عمار کو بھیجا اور حضرت حسن نے حضرت ابو موسیٰ سے پوچھا کہ آپ ہمارے ساتھ شرکت کرنے سے لوگوں کو روکتے کیوں ہیں؟ حضرت علی سے تو کوئی برائی کا اندیشہ نہ ہونا چاہیئے، تو حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا، **بابی انت و امی صدقت لکن المستشار موتمن سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انها ستكون فتنة القاعد فيها خير من القائم (الی) وقد جعلنا الله اخوانا وقد حرم علينا دمائنا و اموالنا** یعنی اے حسن تم پر میرا باپ اور میری ماں قربان! تم نے سچ کہا ہے کہ امیر المومنین علی سے کسی بری بات کا اندیشہ نہ ہونا چاہیئے لیکن جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین قرار دیا جاتا ہے (لہٰذا اپنے ضمیر و دیانت کے خلاف مشورہ دینا خیانت ہے) میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے کہ ایک فتنہ عنقریب پیدا ہوگا۔ جس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا...... اور ہم کو اللہ نے بھائی بھائی بنایا ہے اور ہمارا خون و مال ہم پر حرام قرار دیا ہے (لہذا دیانت کی رو سے میں اس جنگ میں کسی طرف سے شرکت کرنا مناسب نہیں سمجھتا) (ص۸۹ ج ۳)

حضرت ابو موسیٰ کی یہی گفتگو ہے، جس پر طرف داران علی کو ان سے شکایت ہوئی اور ہے اور یہی سبب ہے جس کی بناء پر وہ کوفہ کی حکومت سے معزول ہوئے جیسا کہ تاریخ کامل ص ۱۰۳ ج ۳ میں مصرح ہے، اور معزولی کے بعد بھی انہوں نے مخالفین علی کا ساتھ نہیں دیا بلکہ بالکل الگ رہے جیسا کہ اسی تاریخ کے ص ۱۷۷ ج ۳ سے ظاہر ہے، اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ یہ اگر حضرت علی سے انحراف ہے تو اس میں کون سا عیب ہے۔ نیز اسی تاریخ میں ہے کہ جب جماعت علی و

جماعت معاویہ رضی اللہ عنہما نے ابو موسیٰ اور عمرو بن العاص کو جنگ صفین کے موقع پر حکم مقرر کیا، اور دونوں حکم اکٹھے ہوئے، اور گفتگو شروع ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ نے اثنائے گفتگو میں فرمایا۔ لو كنت معطيه افضل قريش شرفا اعطيته علي بن ابي طالب۔ یعنی اس وقت اگر خلافت شرف کی بناء پر کسی کو مجھے دینا ہوتی تو قریش میں سب سے زیادہ شرف والے علی بن ابی طالب کو دیتا (ص ۱۳۲ ج ۳) مرزا صاحب کیا اسی کا نام علی سے انحراف ہے؟

عقد الفرید ص ۱۱۹ ج ۳ میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ قصہ تحکیم کے بعد مکہ چلے گئے تھے وہاں حضرت معاویہ نے خط بھیج کر ابو موسیٰ کو شام بلایا مگر حضرت ابو موسیٰ نے صاف انکار کر دیا۔ اگر حضرت ابو موسیٰ حضرت علی سے منحرف تھے تو ان کو معاویہ کے پاس جانے سے کیا مانع تھا، نیز اگر وہ نفسانی اغراض کے ماتحت حضرت علی سے علیحدگی کے قائل ہوتے تو اس موقع کو کیوں ہاتھ سے جانے دیتے؟ رہا تحکیم کے موقع پر حضرت علی کا ابو موسیٰ کو ثقہ نہ سمجھنا تو اس کی مراد یہ ہے کہ مجھ کو ان پر بھروسہ نہیں ہے کہ میرے موافق فیصلہ کریں اس لئے کہ انہوں نے مجھ سے علیحدگی اختیار کی، اور لوگوں کو بھی علیحدگی کا مشورہ دیا، چنانچہ کامل ص ۱۲۷ ج ۳ میں ہے لیس بثقة قد فارقني و خذل الناس عني اور خود شیعہ مصنف نے بھی اس کو ابن خلدون کے حوالہ سے نقل کیا ہے، بہر حال غلط فہمی کی بنا پر حضرت علی کا ایسا خیال تھا ،انہوں نے ابو موسیٰ کی علیحدگی سے یہ سمجھا ہوگا بلکہ میرا خیال ہے کہ غیر صحابی طرفداران علی نے ان کو سمجھایا ہوگا کہ ابو موسیٰ آپ کے مخالف ہیں، حالانکہ یہ بات غلط تھی۔ اور حضرت علی اہل سنت کے عقیدہ میں معصوم نہیں ہیں کہ ان کو غلط فہمی نہ ہو سکے۔

اور میرے نزدیک اسی غلط فہمی کی بنا پر ان کو معزول بھی کیا ہے اس لئے کہ

اگر یہ نہ مانئے تو آپ کو کہنا پڑے گا کہ حضرت علی نے محض اس بنا پر کہ ابو موسیٰ نے دیانت داری سے یہ رائے دی کہ کسی فریق کے ساتھ نہ نکلو۔ ان کو معزول کر دیا، اور یہ کہنا در حقیقت حضرت علی کو تنگ خیال قرار دینا ہے جس کے لئے ہم تیار نہیں، توبہ! توبہ کیا شیعوں کے خیال میں حضرت علی یہ چاہتے تھے کہ وہ جو کہیں اس کو مان لیا جائے چاہے ماننے والا از روئے دیانت اس کو خلاف حق و صواب ہی سمجھتا ہو، بہر حال ابو موسیٰ کی معزولی میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے، اسی طرح حضرت علی کے وہ سخت کلمات جن کو شیعہ مصنف نے ابو موسیٰ کے حق میں نقل کیا ہے، اگر ثابت ہو بھی جائے کہ حضرت علی نے یہ کلمات استعمال بھی کئے تو ان سے حضرت ابو موسیٰ کی جلالت و عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا، اس لئے کہ یہ کلمات بے قصور و بے استحقاق استعمال ہوئے ہیں اور حضرت علی کو در اندازوں کی باتوں نے ان کے استعمال پر مجبور کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابھی ان کلمات کا استعمال کرنا ہی کسی مستند حوالہ سے ثابت نہیں ہے۔ تذکرہ خواص الامہ کا مصنف رافضیانہ خیال رکھتا تھا، جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں، لہٰذا ان امور میں اس کا بیان حد درجہ مشکوک و ناقابل قبول ہے، شیعہ مصنف نے حضرت ابو موسیٰ کے اس مشورہ کو جو انہوں نے اہل کوفہ کو دیا تھا غلط بیانی قرار دیا ہے، لیکن ثابت نہیں کر سکے کہ اس میں غلط بیانی کون سی ہے، میں تاریخوں کی شہادتوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ انہوں نے جو کچھ کہا یا کیا پوری ایمانداری اور کامل دیانت سے کیا ہے اور اپنے ضمیر کے خلاف کسی موقع پر وہ ایک لفظ بھی نہیں بولے ہیں۔ رہی مالک اشتر کی سخت کلامی اور ابو موسیٰ کے حق میں ان کی بد گوئی! تو یہ خود مالک کے حق میں وبال جان اور ان کا بدترین عیب ہے، کہ تابعی ہو کر ایک جلیل القدر صحابی رسول کو ایسے کلمات سے مخاطب کر رہے ہیں ہم کو مالک کے ان کلمات پر کوئی تعجب نہیں ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ وہی شخص ہے جو ان تمام فتنوں

کی روح رواں تھا اور جس نے حضرت علی کی ذی قار سے روانگی کے وقت صرف اس جرم میں کہ حضرت علی نے اعلان کر دیا تھا کہ جس نے قتل عثمان میں کسی طرح شرکت کی ہو وہ ہمارے ساتھ نہ چلے خود حضرت علی کی نسبت یہ خیال ظاہر کیا تھا **هلموا بنا نثب على على و طلحة فنلحقهما بعثمان** آؤ ہم علی اور طلحہ پر حملہ کر کے ان کو بھی عثمان سے ملا دیں (تاریخ کامل ص ۹۲ ج ۳) مالک اشتر صحابی نہ تھے بلکہ تابعی تھے۔ (دیکھو تقریب و تہذیب) لیکن اگر بالفرض وہ صحابی ہوتے تو بھی ان کے کلمات سے حضرت ابو موسیٰ کی جلالت و عدالت پر کوئی دھبہ نہیں آسکتا، میں پہلے تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ کسی جوش میں کوئی معصوم بھی کسی کو سخت کلمات سے یاد کرے تو ضروری نہیں کہ فی الواقع بھی وہ ان کلمات کا مستحق اس کو سمجھ رہا ہو، اور حالت غضب واز خود رفتگی کے ان الفاظ کی بناء پر جائز نہیں ہے کہ اس شخص کی نسبت کوئی برا خیال قائم کیا جائے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ ائمہ معصومین شیعہ نے ایسے حالات میں جن جن اشخاص کو سخت و سست کہا ہے ان کو ویسا ہی سمجھا جائے۔ حالانکہ شیعہ بھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتے، یہیں سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب صریح قول سے کوئی قدح لازم نہیں آتی تو سن کر خاموش رہنے سے بطریق اولی لازم نہیں آسکتی۔ میرے اس بیان سے شیعہ مصنف کے اس مغالطہ آمیز قول کی بھی دھجیاں اڑ گئیں کہ "حضرت عمار نے حضرت ابو موسیٰ کو برا بھلا کہا، اور اشتر کے کلمات سنکر خاموش رہے" (ص ۲۵ و ص ۲۷)

حضرت ابو موسیٰ کے تذکرے میں ابن ابی الحدید، کتاب الامامۃ والسیاسۃ اور منظور علی ایم، اے کی "علی مرتضیٰ" کے بھی چند حوالے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی سند عالم نہیں ہے لہذا یہ حوالے در خور التفات نہیں ہیں آخر آخر میں شیعہ مصنف نے اپنے رافضیانہ جذبات سے مغلوب ہو کر حضرت ابو موسیٰ پر عیش پسندی کا الزام

بھی لگایا ہے، لیکن بالکل بے بنیاد اور سراپا غلط اہل سنت کے نزدیک صحابہ و اہل بیت کا تعدد ازدواج یا مملوکہ باندیاں رکھنا بنا بر ضرورت اور ناجائز شہوت رانی سے بچنے کے لئے تھا، چنانچہ حضرت علی کا فاطمہ زہرا کی حیات میں دوسرے نکاح کا ارادہ کرنا اور حضرت حسن کا تقریباً ...... عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنا، اور نور اللہ شوستری کے اعتراف کے بموجب حضرت علی کے مرید و تلمیذ حضرت ابن عباس کا متعدد لونڈیاں خریدنا اور عورتوں سے نکاح کرنا (کشی ص ۱۴۲) یہ سب بنا بر ضرورت تھا، ورنہ شیعہ مصنف کو کہنا پڑے گا کہ یہ حضرات بھی معاذ اللہ عیش پسند تھے۔ اور ابو موسیٰ سے بڑھ کر عیش پسند، اس لئے کہ انہوں نے صرف ایک ہی لونڈی رکھی تھی، باقی رہا اس لونڈی سے حضرت ابو موسیٰ کے ناجائز تعلق کا شبہ تو یہ شیعہ مصنف کی جہالت کا بدترین نمونہ ہے، جن تاریخوں میں یہ قصہ مذکور ہے۔ ان میں صاف تصریح ہے کہ وہ حضرت ابو موسیٰ کی مملوکہ لونڈی تھی، لہذا اس سے تعلق کے ناجائز ہونے کا امکان ہی کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مصنف قرآن کے صاف اور واضح حکم او ما ملکت ایمانکم سے بھی واقف نہیں ہے، اگر یہ خیال ہو کہ پھر وہ لونڈی چھین کیوں لی گئی۔ تو یہ محض اس مصلحت سے تھا کہ اس کے لئے عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی تھی، اگرچہ اس کا سامان حضرت ابو موسیٰ اپنی تنخواہ سے کرتے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی مساوات پسندی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی حاکم اپنے ہی مال سے ایسی عمدہ عمدہ غذائیں اپنے متعلقین کو کھلائے، جو رعایا کو نصیب نہ ہوں، اور رعایا کو طبعی طور پر حاکم سے شکایت پیدا ہو جائے، لہذا مصلحۃً لونڈی چھین لی گئی کہ نہ یہ رہے نہ شکایت کا موقع پیدا ہو۔

ابو بردہ اشعریؓ

اس عنوان کے ماتحت مرزا صاحب نے اپنے کمال جہالت کی خوب خوب

نمائش کی ہے، لکھتے ہیں "کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے برادر عالی مقدار یا فرزند بلند اقبال ہیں صحابی رسول بھی ہیں" (ص ۳۰) پھر لکھتے ہیں کہ تعجیل المنفعۃ میں بھائی لکھا ہے، اصابہ اور تقریب میں ابو موسیٰ کا فرزند لکھا ہے، بہر حال بیٹے ہوں یا بھائی الخ (ص ۳۱) یعنی مرزا صاحب ابو بردہ صرف ایک شخص کی کنیت سمجھ رہے ہیں۔ اور اپنی جہالت کی وجہ سے یہ خیال کر رہے ہیں کہ جس ابو بردہ کا حال تعجیل میں ہے۔ اسی کا تقریب میں بھی ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، ابو بردہ دو ہیں ایک حضرت ابو موسیٰ کے بھائی، ان کا ذکر تعجیل میں ہے، اور وہ صحابی ہیں، دوسرے حضرت ابو موسیٰ کے بیٹے ان کا ذکر تقریب میں ہے اور وہ صحابی نہیں ہیں۔ یہ باتیں تعجیل و تقریب کی ان عبارتوں سے جو مرزا صاحب نے نقل کی ہیں صاف عیاں ہے۔ دوسری جہالت یہ ہے کہ ابو بردہ برادر ابو موسیٰ کا حال تعجیل سے نقل کیا اور یہ کہا ہے کہ ان سے بخاری و مسلم و نسائی نے روایت لی ہے حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ان ابو بردہ کا تعجیل میں ذکر ہی نہ ہوتا تعجیل میں تو صرف ان راویوں کا ذکر ہے جو ائمہ اربعہ کے رجال ہوں، اور ان سے صحاح ستہ میں روایت نہ ہو، مرزا صاحب کو اب تک یہ خبر ہی نہیں کہ تعجیل المنفعۃ کا موضوع کیا ہے، بہر حال ان کمالات کی نمائش کے بعد آپ نے ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کے حوالہ سے حضرت ابو موسیٰ کے بیٹے ابو بردہ کے متعلق جو صحابی نہیں ہیں یہ لکھا ہے۔ (۱) کہ یہ حضرت علی کے دشمن تھے۔ (۲) اور انہوں نے قاتل عمار سے کہا کہ تیرے ہاتھوں کو آگ نہیں جلا سکتی...... ناظرین بار بار سن چکے کہ ابن ابی الحدید کی سند ہمارے مقابلہ میں لانا حماقت ہے، وہ خود شیعی ہے ایک رافضی کی رضا جوئی کے لئے اس نے یہ کتاب لکھی ہے اس لئے وہ جتنا بھی زہر اگلے کم ہے اس مقام پر مرزا صاحب نے ایک حاشیہ بھی لکھا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر و ابن العاص قاتل عمار کو جہنمی سمجھتے تھے، میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس بات کی بہت

بڑی دلیل ہے کہ صحابہ اختلاف رائے و مخالفت کے باوجود بھی خلاف حق نہیں کہتے تھے۔ عمرو بن العاص اس گروہ میں تھے جو عمار کا مد مقابل تھا پھر بھی حق بات انہوں نے نہیں چھپائی

ابو مسعود انصاریؓ

ان پر بھی ابن ابی الحدید ہی کے حوالہ سے یہ الزام قائم کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ سے منحرف تھے اور ان کے کلام کو رد کیا کرتے تھے۔(ص ۳۴) اس الزام کی حقیقت آپ سن چکے ہیں۔ باقی رہا حضرت علی کے کلام کا رد کرنا تو اہل علم واجتہاد میں یہ مستنکر بات نہیں ہے یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ ایک عالم دوسرے عالم کی دیانت داری سے مخالفت کرتا ہے اور اس پر رد کرتا ہے خود شیعوں کی کتابوں میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ ایک امام معصوم نے دوسرے کی مخالفت کی ہے۔

انس بن مالکؓ

ان پر مرزا صاحب کا یہ الزام ہے کہ وہ اظہار واقعہ میں ذاتی مصلحتوں کا لحاظ کرتے تھے اس لئے معتبر ہونا مشکل ہے (ص ۳۵) اور ثبوت میں ابن صباغ مالکی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے مگر از راہ فریب و خیانت اس کے اس حصہ کا ترجمہ نہیں کیا ہے جس سے اس تراشے ہوئے الزام کی بیخ کنی ہوتی ہے اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چڑیا ہدیہ کی گئی آپ نے دعا کی کہ خدایا اپنے محبوب ترین بندہ کو بھیج کہ وہ اس کو میرے ساتھ کھائے۔ دعا کے وقت حضرت انس موجود تھے۔ اس کے بعد اتفاق سے حضرت علی آئے اور حضرت انس سے کہا کہ میرے لئے اذن طلب کرو، حضرت انس نے کہا کہ

حضور کام میں ہیں اسی طرح تین دفعہ حضرت انس نے حضرت علی کو روکا، بالآخر حضرت علی خدمت نبوی میں آئے اور واقعہ عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انس سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ حضور میں ان کو اس لئے روک رہا تھا کہ انصار میں سے کوئی آجائے اور وہ کھانے میں آپ کے ساتھ شریک ہو کر آپ کی دعا کا مصداق بنے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا لا یلام الرجل علی حبہ قومہ یہی وہ فقرہ ہے جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے نہیں کیا اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی قوم سے محبت کرنے میں کسی پر کوئی ملامت نہیں ہو سکتی یعنی چوں کہ تم نے اپنی قوم کی محبت میں یہ فعل کیا ہے اس لئے تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

ناظرین! شیعہ مصنف کا ایمان ملاحظہ فرمائیں کہ سرکار رسالت تو حضرت انسؓ کے فعل کو اپنی قوم کی محبت پر محمول فرماتے ہیں اور شیعہ اس کو ذاتی مصلحت کا لحاظ کہتا ہے۔

سرکار رسالت انس کے فعل کو نا قابل ملامت قرار دے رہے ہیں اور ان کو الزام سے بری فرماتے ہیں اور شیعہ مصنف ان کو مستحق ملامت کہتا ہے اور ان پر الزام قائم کرتا ہے حضرت انس نے اپنے فعل کی جو وجہ بیان کی سرکار رسالت نے اس کو بے چون وچرا سچ مان کر الزام سے بری کر دیا مگر یہ شیعہ ان کو جھوٹا اور نا معتبر بنا رہا ہے کیا رسول برحق سے یہ صریح اعلان جنگ نہیں ہے اور کیا یہ کھلی ہوئی دلیل نہیں ہے کہ قول رسول پر شیعہ مصنف کا ایمان نہیں ہے۔

سرکار رسالت کے اس قول سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ محبت قوم کے سوا حضرت انس کے اس فعل کی وجہ کوئی نہ تھی لہذا شیعہ مصنف کا ص ۷۳ میں یہ لکھنا کہ حضرت انس کو حضرت علی سے اختلاف تھا اس وجہ سے انہوں نے یہ کہا، کھلے طور پر سرکار رسالت کی تکذیب اور بے ایمانی کا اعلان ہے۔

یہ ساری گفتگو اس روایت کو صحیح فرض کر کے ہے لیکن اصلیت یہ ہے کہ اس واقعہ کی صحت ہی نہایت مشکوک ہے چنانچہ مرزا صاحب نے حیاۃ الحیوان سے جو عبارت نقل کی ہے اس کے بعد حیاۃ الحیوان میں مذکور ہے کہ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ میرا ایک زمانہ تک گمان تھا کہ حاکم نے حدیث طیر کو مستدرک میں لانے کی جرأت نہ کی ہو گی لیکن جب میں نے تلخیص مستدرک لکھی تو اس کی موضوع حدیثوں کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے مطالب السئول سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پہلا شخص جو دروازہ سے داخل ہو گا وہ مسلمانوں کا سردار وغیرہ وغیرہ ہو گا۔

حضرت انس نے یہ سن کر اپنے دل میں یہ دعا کی کہ اے اللہ وہ شخص کوئی انصاری ہو لیکن آئے حضرت علی الخ (ص ۷۳) مرزا صاحب صاف کھلے نہیں کہ اس کے نقل کرنے سے ان کا منشا کیا ہے۔ ہاں حضرت انس کی دعا کا جو مطلب انہوں نے لکھا ہے اس سے ان کا منشا ظاہر ہوتا ہے، لکھتے ہیں کہ یعنی علی کو یہ شرف حاصل نہ ہو لیکن کوئی پوچھے کہ یہاں علی کا کیا ذکر تھا کہ حضرت انس ان کے لئے عدم حصول شرف کی تمنا کرتے، آنحضرت نے کسی کا نام لئے بغیر فرمایا تھا کہ جو پہلے داخل ہو گا وہ ایسا ہو گا۔

اور اگر بالفرض ہوتا بھی تو اپنے یا اپنی قوم کے حق میں دعا کرنے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ دوسروں کو یہ چیز حاصل نہ ہو ...... یہ گفتگو بفرض صحت حدیث ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ موضوع اور جعلی ہے دیکھو اللآلی المصنوعہ ص ۱۸۶ ج ۱ و میزان الاعتدال ص ۳۰ ج ۱۔ اس کے راویوں میں ابراہیم بن

محمد بن میمون نہایت سخت شیعہ ہے۔

حضرت انسؓ اور کتمان حدیث من کنت الخ

مرزا صاحب نے اس سلسلہ میں یہ فرسودہ مضمون بھی درج کر دیا ہے کہ حضرت انس حدیث من کنت الخ کے چھپانے اور حضرت علی کے بد دعا کرنے سے مبروص ہو گئے تھے حالانکہ اگر ذرا سی بھی حیاداری ہوتی تو وہ اس مضمون کو لکھ کر اپنی رسوائی کا سامان نہ کرتے ابن ابی الحدید شیعی اور عبید اللہ امر تسری (جس کی تحریر شاہد ہے کہ وہ شیعہ ہے) کے بیانات سے اہلسنت کو الزام دینا کتنی دفعہ بتایا جائے کہ جہالت ہے بالخصوص جبکہ ہماری مستند کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ یہ مضمون بالکل جھوٹا اور سراسر جعلی ہے مجمع الزوائد ص ۱۰۸ ج ۹۔ طبرانی میں صراحتہً مذکور ہے کہ مسجد کوفہ میں جن صحابہ نے اس حدیث کی شہادت دی تھی ان میں حضرت انس بھی تھے **فقام اثنا عشر رجلا منهم ابو هريرة و ابو سعيد وانس بن مالك فشهدوا انهم سمعوا رسول االله صلى الله عليه وسلم** (طبرانی ص)

لطف یہ ہے کہ مولوی حامد حسین مجتہد شیعہ نے اپنی کتاب طبقات الانوار ص ۱۲۸ و ص ۱۳۳ میں متعدد کتب اہلسنت سے حضرت انس کا گواہی دینا نقل کیا ہے ،معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مصنف اپنی کتابوں سے بھی نابلد ہیں۔

حضرت انس کی رائے

شیعہ مصنف میزان کبری سے امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ میں تمام صحابہ کے اقوال کی پیروی کروں گا مگر ابو ہریرہ اور انس اور سمرہ کی پیروی کبھی نہ کروں گا" (ص ۴۱) اس کے بعد لکھتا ہے کہ حنفی لوگوں کو چاہئے کہ مرویات ابو ہریرہ وانس وسمرہ کو صحیح بخاری سے خارج کر دیں، دیکھ لی آپ نے شیعہ مصنف کی جہالت

امام صاحب تو حضرت انس کی رائے اور ان کے اجتہادی خیال کی نسبت اظہار رائے فرماتے ہیں اور شیعہ مصنف حضرت انس کی روایت کی ہوئی حدیثوں پر اس کو چسپاں کرتا ہے۔ اس جہالت و حماقت کی بھی کچھ حد ہے۔!

میزان کبریٰ میں لرای ابی ھریرۃ و انس الخ صاف صاف موجود ہے اس قول کی نسبت حضرت ابوہریرہ کے حال میں بھی لکھا جاچکا ہے۔

حضرت انس پر بے ادبی کا الزام

شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ انس خود راوی ہیں کہ مجھ کو پیغمبر اسلام نے کسی ضرورت سے کہیں جانے کا حکم فرمایا دل میں یہ تھا کہ ضرور جاؤں گا مگر میں نے اس وقت جواب دیا کہ واللہ میں نہ جاؤں گا اسی کا نام گستاخی و بے ادبی ہے ؛ (ص ۴۱) جی نہیں اس کا نام گستاخی و بے ادبی نہیں ہے، اگر یہ گستاخی ہو تو پھر بطریق اولی گستاخی و بے ادبی اس کا نام ہو گا کہ کوئی بیٹا اپنے باپ پر حکم چلانا چاہے اور باپ اس کی بات نہ مانے تو باپ کو نافرمان بتائے اور یہ کہے کہ تم نافرمانی ہی میں قتل کئے جاؤ گے۔ دیکھو کامل ص ۸۷ ج ۴ اور اس کتاب کا عنوان "حضرت ابوہریرہ اور جاریہ بن قدامہ" اور گستاخی و بے ادبی اس کا نام ہے کہ امام معصوم کی نسبت کوئی یہ کہے کہ ضرطت فی لحیتہ وقلت لا یفلح ابدا یعنی میں نے امام معصوم کی ڈاڑھی میں گوز کیا اور کہا کہ یہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے (رجال کشی ص ۱۰۶ مناقب زرارہ) ہاں آپ نے جو حرکت یہاں کی ہے اس کا نام البتہ جہالت و خیانت ہے فریب کاری و تلبیس کے لئے آپ نے پوری بات نہیں کہی نہ یہ ظاہر کیا کہ یہ حضرت انس کے بالکل بچپن کا قصہ ہے۔ اور وہ زمانہ وہ تھا کہ حضرت انس چھوٹے لڑکوں کی طرح حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کیا کرتے تھے یہ ساری باتیں صحیح مسلم کے اسی صفحہ میں موجود ہیں اور

حضرت انس کا یہ کہنا کہ "میں نہ جاؤں گا" بالکل ایسا ہی تھا، جیسے چھوٹی عمر کے بچے بعض اوقات اپنے سرپرست و بزرگ کی محبت اور پیار کے اعتماد پر کہہ دیا کرتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ حضرت انس یہ کہنے کے بعد فوراً اس کام کے لئے روانہ بھی ہو گئے ، راستہ میں لڑکوں کا کوئی مجمع تھا وہاں کھڑے ہو گئے اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں پہنچ گئے اور پیچھے سے ان کی گردن پکڑ لی، حضرت انس نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت ہنس کر فرما رہے ہیں کہ اے چھوٹے اور پیارے انس جہاں میں نے کہا تھا تم وہاں گئے نہیں؟ انس نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ جا رہا ہوں یہ تمام باتیں اسی روایت میں مذکور ہیں مگر شیعہ مصنف نقل نہیں کرتا۔ بہر حال مجھے یہ کہنا ہے کہ یہ واقعہ حضرت انس کے بچپن کا ہے ،اور لڑکوں کی ایسی باتیں گرفت میں نہیں آتیں، لڑکوں کی ایسی باتیں لے کر اعتراض کرنا احکام شرع سے بھی جہالت ہے اور عرف سے بھی اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی حضرت انس کو کچھ نہیں کہا، کیا شیعہ مصنف اپنے کو آنحضرت ﷺ سے بھی زیادہ ادب و سلیقہ سکھانے والا تصور کرتا ہے، حیرت ہے کہ آنحضرت تو انس کے اس جواب کے بعد ہنس کر ملاطفت سے بات کریں اور شیعہ اس پر ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔

حضرت انسؓ اور حضرت حسینؓ شہید

شیعہ مصنف ایک روایت نقل کر کے لکھتا ہے کہ اس ناحق شناسی کی بھی کوئی حد ہے کہ جس کے نانا کی دس برس جوتیاں سیدھی کیں جس کی بدولت یہ وقار حاصل ہوا اس محسن اسلام کے نواسے کے سر سے ابن زیاد بے ادبی کرتا جاتا تھا، مگر انس تماشا دیکھ رہے ہیں اور ابن زیاد کو منع بھی نہیں کرتے (ص ۴۲)

اس جہالت کی بھی کوئی حد ہے کہ خود اپنا لکھا ہوا بھی آدمی کی سمجھ میں نہ

آ ئے حیرت ہے کہ شیعہ مصنف خود لکھتا ہے کہ ابن زیاد حضرت حسین کے سر سے بے ادبی کرتا تھا تو حضرت انس نے کہا کہ وہ (حسین) اپنے نانا سے بہت مشابہ ہیں، آخر حضرت انس کے اس ارشاد کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے کہ بے ادبی نہ کر۔ یہ مبارک چہرہ سرور کونین کے چہرہ اقدس کے مشابہ ہے۔

اگر شیعہ مصنف کو اپنی کند ذہنی کی وجہ سے حضرت انس کا منع کرنا روایت بخاری سے سمجھ میں نہ آتا ہو تو میں اس کو مسند بزار و معجم طبرانی کی ایک روایت سناؤں اس میں صرف منع کرنا نہیں بلکہ نہایت سختی سے منع کرنا مذکور ہے، مجمع الزوائد ص ۱۹۵ ج۹ میں مذکور ہے کہ جب ابن زیاد نے دندان حسین کے ساتھ گستاخی کی تو حضرت انس نے فرمایا واللہ لاسوئنك اني رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يلثم حيث يقع قضيبك قال فانقبض یعنی خدا کی قسم تجھ کو رنج میں مبتلا کروں گا۔ میں نے رسول خدا کو اس مقام پر بوسہ دیتے دیکھا ہے جہاں تیری چھڑی ہے، یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ہاتھ کھینچ لیا۔

حیرت ہے کہ ابو بردہ اسلمی کے تو صرف اتنا فرمانے کو کہ کیا تو حسین کے دانتوں کو چھڑی لگاتا ہے۔ ٹوکنا اور منع کرنا کہا جاتا ہے اور حضرت انس کے اس ارشاد کے بعد بھی ان کے منع کرنے کا انکار کیا جاتا ہے...... اگر شیعوں میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا تو اب اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ حضرت انس کے دل میں رسول خدا کی بڑی عظمت اور حضرت حسین کے ساتھ بڑی محبت تھی۔

احمد بن ابی الطیب

شیعہ مؤلف کہتا ہے کہ "یہ نا قابل اعتبار راوی ہیں لیکن بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے"۔ اور اس دعویٰ کے ثبوت میں تقریب کی یہ عبارت نقل کی ہے

له اغلاط ضعفه بسببها ابو حاتم، لیکن ترجمہ میں خیانت کی ہے اور لکھا ہے کہ "غلطی بہت کرتے تھے" حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "ان سے کچھ غلطیاں روایت میں ہوگئی ہیں جن کے سبب سے ابو حاتم نے ان کو کمزور کہا ہے، شیعہ مصنف نے "کچھ" کو "بہت" بناڈالا۔

واقعہ صرف اتنا ہے کہ ان سے روایت میں چند غلطیاں ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے محدثین میں سے صرف ابو حاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن دوسرے محدثین مثلاً ابن ابی حاتم، ابوزرعہ اور ابن حجر ان کو صدوق و حافظ کہتے ہیں اور ان کی چند غلطیوں کو موجب قدح نہیں قرار دیتے، باایں ہمہ بخاری نے ان کی صرف ایک روایت درج کی ہے اور اس روایت میں بھی تنہا ان پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ بلکہ ابن معین کی تائید کی وجہ سے اس کو روایت کیا ہے، یہ ساری باتیں تہذیب التہذیب کے اسی صفحہ میں مذکور ہیں جہاں سے شیعہ مصنف نے ابو حاتم کا قول نقل کیا ہے، لیکن انکی فریب کاری ان امور پر ان کو متوجہ نہیں ہونے دیتی۔

مصنف کی قابلیت کا اندازہ لگانے کے لئے ناظرین کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ ان کی تحقیق میں ابو حاتم ابن حجر کے اساتذہ میں ہیں، حالانکہ دونوں کے درمیان میں کئی صدیاں حائل ہیں، ابو حاتم کی وفات ۲۷۷ھ میں ہوئی ہے اور ابن حجر ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔

احمد بن عبدہ ضبی

اس راوی کا یہ جرم ہے کہ "اس کو ناصبی (یعنی دشمن اہل بیت) ہونے کی نسبت دی گئی ہے۔" (رجال بخاری ص ۴۴) مگر افسوس ہے کہ جن الفاظ کی بناء پر شیعہ مؤلف نے یہ جرم قائم کیا ہے اس کے ترجمہ میں بددیانتی کی ہے رمی بالنصب

کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان پر ناصبی ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا ناصبی ہونا ثابت نہیں ہے، کسی شخص نے بے ثبوت یہ بات کہہ دی ہے چنانچہ تقریب کے حاشیہ میں ہے رمی مجھولاً ای لم یثبت ذالك منه (یعنی رمی بصیغہ مجہول کا مطلب یہ ہے کہ ناصبیت ان سے ثابت نہیں ہے) (ص ۱۰)

اس کے بعد رجال صحیحین کے حوالہ سے جو بات لکھی ہے وہ کچھ قابل توجہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ یہ حاصل ہے کہ احمد بن عبدہ نے ایک روایت میں غلطی کی ہے، لیکن ایک دو غلطی سے کوئی راوی بالکلیہ بے اعتبار نہیں ہو سکتا۔

احمد بن مقدام عجلی

ان پر یہ الزام ہے کہ امام ابوداؤد صاحب سنن نے ان کی روایتوں میں طعن کیا ہے، رجال بخاری کے مولف نے وجہ طعن ذکر نہیں کی، لیکن جن لوگوں نے اس وجہ کا ذکر کیا ہے انہوں نے تصریح کی ہے اس وجہ کی بنیاد پر ان کو نامعتبر قرار نہیں دیا جا سکتا، نہ ان کی روایت میں قدح لازم آسکتی (دیکھو حاشیہ تقریب ص ۱۲ تہذیب التہذیب ص ۸۲ ج ۱)

اسود بن یزید

ان پر حضرت علیؓ سے انحراف کا الزام قائم کیا گیا ہے، لیکن ثبوت میں صرف ابن ابی الحدید کی عبارت پیش کی گئی ہے، جس کی نسبت بار بار لکھا جا چکا ہے کہ وہ شیعی معتزلی ہے ان امور میں اس کا حوالہ بالکل بے سود ہے۔

ابان بن ابی عیاش

ان کی نسبت تقریب سے نقل کیا ہے کہ یہ متروک ہیں، میں کہتا ہوں کہ تقریب میں بیشک ان کو متروک لکھا ہے اور مصنفین صحاح نے اسی وجہ سے ان کی کوئی روایت نہیں لی ہے، صرف ابوداؤد کے ایک نسخہ میں ان کی صرف ایک روایت لی گئی ہے، لیکن اس کو بھی تنہا انہیں کے اعتماد پر نہیں لیا ہے بلکہ قتادہ کی تائید و موافقت کی وجہ سے لے لیا ہے لطف یہ ہے کہ یہ ساری باتیں تہذیب میں مذکور ہیں مگر شیعہ مولف کو نظر نہیں آتیں۔

احمد بن بشیر

ان کی نسبت نقل کیا ہے کہ ان سے روایت لینا ترک کردی گئی ہے (تہذیب) شیعہ مولف نے جہاں سے یہ جرح نقل کی ہے اسی جگہ یہ لکھا ہے کہ جس احمد بن بشیر کو متروک کہا گیا ہے وہ دوسرا ہے اور جس سے بخاری وغیرہ میں روایت ہے وہ متروک نہیں ہے نہ اس کے حالات اس کو متروک قرار دینے کے متقاضی ہیں۔

ابراھیم بن اسماعیل

شیعہ مولف کہتا ہے کہ یہ ضعیف ہیں اور بخاری نے تعلیقاً ان سے روایت لی ہے، میں کہتا ہوں کہ بخاری نے صرف ایک روایت تعلیقاً ان سے لی ہے اور وہ بھی استدلال کے لئے نہیں بلکہ صرف تائید کے لئے، اصل استدلال دوسروں کی روایت سے ہے۔

اسماعیل بن سمیع

یہ راوی بے شک خارجیت کے ساتھ متہم تھا، اسی لئے بخاری نے اس سے

کوئی روایت نہیں لی اور مسلم وابوداؤد اور نسائی نے جو اس کی بعض روایتیں لے لیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ناقدین فن جیسے بخاری، قطان اور ازدی نے تصریح کی ہے کہ وہ باوجود بدعقیدہ ہونے کے بہت راست گو تھا اور نقل روایت میں محتاط تھا (دیکھو تہذیب التہذیب ص ۳۰ ج او ص ۱۳۱ ج ۱)

اس مقام پر شیعہ مولف نے مذمت خوارج کی دو حدیثیں نقل کر کے لکھا ہے کہ "پیغمبر اسلام ان لوگوں (خارجیوں) کو دین اسلام سے خارج کرتے ہیں اور کافر اس قابل نہیں کہ اس سے روایت لی جائے" (ص ۱۵۱) اس میں شک نہیں کہ بعض حدیثوں سے خوارج کے کفر کا شبہ ہوتا ہے لیکن چوں کہ دوسری بکثرت حدیثوں سے ثابت ہے کہ جب تک کوئی آدمی ضروریات دین کا انکار نہ کرے اس کو کافر نہیں کہا جا سکتا اس لئے حضرت علیؓ نے خوارج کو کافر قرار نہیں دیا بلکہ صرف باغی مانا اور فرمایا اخواننا بغوا علینا یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے اور اسی وجہ سے عامہ فقہاء و جمہور محدثین نے بھی خارجیوں کی تکفیر نہیں کی (فتح القدیر)

مجھے شیعہ مصنف پر تعجب ہے کہ وہ اس پر تو معترض ہے کہ بعض خوارج سے اہلسنت نے کیوں روایت لی، لیکن جب شیعہ مصنفین، زیدی، واقفی، فطحی وغیرہ راویوں سے روایت کرتے ہیں تو اسکو اس میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور وہ اس کو اعتراض کی کوئی بات نہیں سمجھتا، حالانکہ بقول امام محمد بن علی رضا کے زیدیوں اور واقفیوں کو خدا جہنمی و کافر قرار دیتا ہے انکا ارشاد ہے کہ وجوہ یومئذ خاشعة عاملة ناصبة انہیں کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ نیز ان کا ارشاد ہے کہ زیدی، واقفی اور ناصبی، ہر ایک کا حکم یکساں ہے اور امام جعفر کا فرمان ہے کہ زیدیوں کو ممکن ہو تو ایک چلو پانی بھی نہ پلاؤ۔ (رجال کشی ص ۱۴۹) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کثیر نواء، سالم بن

ابی حفصہ اور ابو الجارود کی نسبت امام جعفر نے فرمایا کہ کذابون مکذبون کفار علیهم لعنة الله، یعنی یہ سب سے بڑے جھوٹے، تکذیب کرنے والے اور کافرو بے ایمان ہیں ان پر اللہ کی لعنت (رجال کشی ص ۱۵۰) بایں ہمہ علماء شیعہ ان کی روایتوں کو بے کھٹکے قبول و تسلیم کرتے ہیں، کیوں مرزا صاحب! ان کافروں سے روایت کیسے جائز ہوئی؟ مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ اپنی کتاب اساس الاصول میں لکھتے ہیں عملت الطائفة باخبار الفطحية مثل عبد الله بن بكير و غيره و اخبار الواقفية مثل سماعة بن مهران وعلى بن ابى حمزة و عثمان بن عيسى و من بعد هؤلاء بما رووه بنو فضال و بنو سماعة والطاطريون و غيرهم (ص ۹۹ مطبوعہ لکھنؤ) یعنی طائفہ شیعہ نے فطحیہ مثلاً ابن بکیر وغیرہ کی حدیثوں پر عمل کیا ہے، یوں ہی واقفیہ وغیرہ کی حدیثوں پر بھی مثلاً سماعہ، و علی بن ابی حمزہ و عثمان بن عیسی اور اولاد فضال و اولاد سماعہ اور طاطری اشخاص۔ حالانکہ یہ تمام اشخاص امامت کے مسئلہ میں جو شیعوں کے نزدیک اصول دین وارکان ایمان میں سے ہے، بد عقیدہ تھے۔ اصل یہ ہے کہ شیعہ مولف اپنے مذہب سے بے خبر ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس کے اصول میں یہ مصرح ہے کہ وجب أيضا العمل اذا كان متحرياً فى روايته موثوقا فى امانته و ان كان مخطيا فى اصل الاعتقاد، یعنی فطحی و واقفی وغیرہ کی حدیث پر اس وقت عمل واجب ہے جب وہ روایت میں محتاط و قابل وثوق ہو چاہے عقیدہ کے اعتبار سے غلط کار ہو (اساس الاصول ص ۹۹) ایک جگہ اور لکھتے ہیں: واما الفرق الذين اشاروا اليهم من الواقفية والفطحية وغير ذلك فعن ذلك جوابان أحدهما ان ما يرويه هؤلاء يجوز العمل به اذا كانوا ثقات فى النقل وان كانوا مخطئين فى الاعتقاد و اذا علم من اعتقادهم تمسكهم بالدين و تحرجهم من الكذب ووضع الأحاديث و هذه كانت طريقة

جماعة عاصروا الائمة نحو عبد الله بن بكير و سماعة بن مهران و نحو بني فضال من المتأخرين عنهم وبني سماعة ومن شاكلهم فاذا علمنا ان هولاء الذين أشرنا اليهم و ان كانو مخطئين في الاعتقاد من القول بالوقف و غير ذلك كانو ثقات في النقل فما يكون طريقة هولاء جاز العمل به (ص ٨٩) اس عبارت کا بھی حاصل وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

اسماعیل بن أبی أویس

یہ راوی متکلم فیہ ہے لیکن امام بخاری نے ایسی صرف دو حدیثیں روایت کی ہیں جن میں وہ منفرد ہے اور اس سے امام بخاری کے روایت کی بھی صورت یہ ہے کہ اس راوی نے اپنی بیاض امام بخاری کے حوالہ کر دی تھی کہ اس میں سے جو روایتیں پختہ ہوں ان کو چھانٹ لیں اور ان پر نشان بنادیں (دیکھو مقدمہ فتح الباری ص ۴۵۳ مطبوعہ دہلی)

اسید بن زید

یہ راوی بھی ضعیف ہے لیکن ایک سے زیادہ حدیث اس کی بخاری نے روایت نہیں کی، اور وہ ایک حدیث تنہا اسید کی روایت سے نہیں ہے بلکہ اس کا موید بھی موجود ہے چنانچہ شیعہ مولف خود تقریب سے ناقل ہے کہ "صحیح بخاری میں (صرف) ایک حدیث ان سے لی گئی ہے جو دوسری روایت اور اسناد کے ساتھ موجود ہے"۔ (رجال بخاری ص ۵۲ ج ۱) لہٰذا اب اعتراض کی کیا بات رہ گئی۔؟

اسحاق بن سویدؓ

اس راوی پر ناصبیت کا التزام ہے، اسی لئے بخاری نے کوئی ایک حدیث

صرف اس کے اعتماد پر نقل نہیں کی پوری صحیح بخاری میں اس کی ایک روایت ہے جس میں اس کی موافقت و تائید خالد خداء نے کی ہے اور امام بخاری نے خالد کی تائید ہی کی وجہ سے اس کو لے لیا ہے۔

شیعہ مولف کا ابن حجر پر ایک اعتراض

یہاں شیعہ مولف نے ابن حجر پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ انہوں نے اسحاق مذکور کو حضرت علیؓ پر حملہ کرنے کے باوجود ثقہ کہا ہے حالانکہ وہ خود تہذیب ص۵۰۹ ج۱ میں لکھتے ہیں کہ جو کسی صحابی کو گالی دے اس سے حدیث نہیں لی جا سکتی الخ۔ مجھے افسوس ہے کہ شیعہ مولف جھوٹ بولنے سے نہیں چوکتا۔ اولاً تو ابن حجر نے اسحاق مذکور کو کہیں ثقہ نہیں کہا بلکہ صدوق کہا ہے اور اہل علم جانتے ہیں یہ دونوں لفظ باہم بہت فرق رکھتے ہیں، دوسرے تہذیب ص۵۰۹ ج۱ سے جو قول اس نے نقل کیا ہے وہ ابن حجر کا نہیں ہے بلکہ ابن معین کا ہے۔

اشعث رضؓ بن قیس

ان کا شمار صحابہ میں ہے، ان پر شیعہ مولف کے دو الزام ہیں ایک یہ کہ یہ گانا سنتے تھے، دوسرے حضرت علیؓ کے قتل کی سازش میں یہ بھی شریک تھے، پہلے الزام کے ثبوت میں مستطرف کی ایک حکایت نقل کی ہے...... لیکن اس حکایت سے اس مدعا پر استدلال تمام تر جہالت یا بددیانتی پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ یہ حکایت اشعث کی نہیں ہے بلکہ اشعب (ب سے) کی ہے جو مدینہ کا ایک مشہور گویا اور جریر شاعر کا معاصر تھا چنانچہ عقد فرید ص۲۴۶ ج۴ میں بھی یہ حکایت بعینہ انہیں الفاظ میں موجود ہے اور اس میں اشعب ہی کا نام مذکور ہے، اور اس مبحث میں اشعب کی اور کئی حکایتیں

بھی مذکور ہیں۔ میرے سامنے مستطرف نہیں ہے اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ خود مستطرف ہی میں غلط چھپ گیا ہے یا شیعہ مولف کی بددیانتی نے اشعب کو اشعث بنادیا ہے شیعہ مولف کی ایک بددیانتی تو ہر آدمی اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے کہ مستطرف کی عبارت میں جو خود شیعہ مولف نے نقل کی ہے صرف اشعث ہے اور شیعہ مولف نے اس پر ابن قیس کا اضافہ کر کے اشعث بن قیس بنادیا۔

دوسرے الزام کے ثبوت میں تذکرہ خواص الامہ اور مقاتل الطالبین کی دو عبارتیں نقل کی ہیں)...... لیکن ان کتابوں سے استدلال کرنا مرزا صاحب کی وہ حماقت ہے جس پر ہم ان کو بار بار ٹوک چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ ان کے مصنف شیعہ ہیں اور ظاہر ہے کہ شیعوں کی مشق دروغبافی سے قطع نظر بھی کیجئے تو ان کی عداوت صحابہ کی بنا پر کسی صحابی کے خلاف ان کی شہادت کون سن سکتا ہے۔ علاوہ بریں "تذکرہ خواص الامہ کی جو عبارت مرزا صاحب نے نقل کی ہے وہ **ذکر بعضھم** (ان میں کے بعض نے ذکر کیا ہے) سے شروع ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بعض بالکل مجہول ہے، اسی طرح "جن میں سے" وہ ہے وہ بھی مجہول ہے، اغلب یہ ہے کہ وہ شیعہ ہوں گے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اشعث بن قیس خود شیعوں کے قول کے بموجب حضرت علیؓ کے خاص جاں نثار اور صفین میں ان کی فوج کے ایک افسر تھے، لشکر شام نے پانی پر قبضہ کر لیا اور حضرت علیؓ کی فوج پیاس سے جاں بلب ہو گئی تو اشعث نے شامیوں سے لڑ کر ان کو اتنا پیچھے ہٹادیا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا اس پر قبضہ ہو گیا (دیکھو کامل بہائی ص ۲۹۵ مطبوعہ بمبئی)

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ

آپ بھی صحابی ہیں۔ آپ پر دشمنی جناب امیر (علی رضی اللہ عنہ) کا الزام

ہے، اور ثبوت یہ ہے کہ آپ نے احنف بن قیس اور حسن بصری کو جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی مدد کرنے سے ایک حدیث سنا کر روکا حالانکہ وہ حدیث بالکل غلط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حسن بصری کو شرکت جمل سے روکنے کا افسانہ تو بالکل غلط ہے۔ چنانچہ اس کا غلط اور راوی کی بھول ہونا خود اسی جگہ مذکور ہے جہاں سے شیعہ مولف نے اس کو نقل کیا ہے۔ انما روی هذا الحديث الحسن عن الأحنف عن أبي بكرة ۔ یعنی یہ حدیث (روکنے کے قصہ کے ساتھ) حسن بصری نے احنف سے روایت کی ہے (بخاری ص ۱۳۸ ج ۲ مصری) حاصل یہ ہے کہ کسی راوی نے بھول سے حسن بصری اور ابو بکرہ کے درمیان احنف کا واسطہ چھوڑ دیا ہے۔ نیز اس افسانہ کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خود شیعہ مولف نے اپنی اسی کتاب کے ص ۹۲ میں حسن بصری کو حضرت علیؓ سے بغض رکھنے والا مدد نہ کرنے والا اور رفاقت ترک کر دینے والا کہا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر وہ حضرت علیؓ کی مدد کو کیوں نکلیں گے کہ ابو بکرہ کو روکنے کی ضرورت پیش آئے۔ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔

ہاں احنف کو حضرت ابو بکرہ کا روکنا بیشک مذکور ہے لیکن ابھی اس میں بڑی بحث ہے اس لئے کہ فتح الباری ص ۲۷ ج ۱۳ میں بسند صحیح نیز کامل ابن الاثیر ص ۹۴ ج ۳ میں مذکور ہے کہ احنف نے بطور خود ہی اس لڑائی میں ہر دو فریق سے الگ تھلگ رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا، بلکہ کامل وغیرہ میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے اس فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ سے ملاقات کر کے یہ کہا کہ آپ دو میں ایک بات اختیار کیجئے، کہئے تو میں آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت کروں اور کہئے تو دس ہزار شمشیروں کو آپ کے مقابلہ میں یہاں سے نکلنے سے روک دوں، حضرت علیؓ نے دوسری صورت پسند کی، اس لئے احنف شریک جنگ نہیں ہوئے، چنانچہ جنگ جمل ختم ہونے پر احنف حاضر خدمت ہوئے اور حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ تم نے بڑا

انتظار کیا تو احنف نے چھوٹتے ہی جواب دیا کہ جو کچھ ہوا آپ کے حکم سے ہوا ہے لہذا مجھ سے نرمی کیجئے آپ کو کل گزشتہ سے زیادہ کل آئندہ میری ضرورت پڑے گی (کامل ص ۱۰۱ ج ۳) یہ واقعات بتاتے ہیں کہ جنگ جمل میں احنف کا شرکت نہ کرنا خود اپنی صوابدید کی بنا پر تھا، اور حضرت علیؓ نے بھی فائدہ کے لحاظ سے اسی کی تصویب فرمائی تھی، لہذا شیعہ مولف کا حضرت ابو بکرہ پر خفا ہونا بیجا ہے، اسی طرح احنف کی عدم شرکت کا سارا الزام حضرت ابو بکرہ پر رکھنا بھی صحیح نہیں ہے، بلکہ اس میں خود احنف اور حضرت علیؓ کو بھی شریک کرنا چاہئے۔ اگر شیعہ صاحبان یہ کہیں کہ احنف نے ایک دینی مصلحت کی بنا پر علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا تو میں عرض کروں گا کہ حضرت ابو بکرہ نے اپنے علم و دیانت کی بنا پر ایک دینی مصلحت ہی کی وجہ سے ان کو روکا تھا چنانچہ انہوں نے اس دینی مصلحت کی تصریح بھی کر دی ہے مگر آپ نے ان کے بیان پر اعتماد نہیں کیا پس اگر اسی بے اعتمادی سے دوسرا بھی کام لے اور کہے کہ احنف نے لڑائی سے الگ رہنے کے لئے ایک حیلہ تراشا تھا در اصل وہ بھی حضرت علیؓ کے درپردہ مخالف تھے تو اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہوگا۔ اور احنف ہی پر کیا موقوف ہے اصحاب رسولؐ کے بیانات پر بے اعتمادی کا دروازہ کھولنے کے بعد کون ہے جس کا بیان شک کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے گا، اصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرہ اور دوسرے کئی صحابی مسلمانوں کی باہمی جنگ میں شرکت کو ناپسند کرتے تھے اور اس سے علیحدہ رہنا ضروری سمجھتے تھے۔ اور جو حدیث بخاری سے شیعہ مولف نے نقل کی ہے اس پر اور اس قسم کی دوسری حدیثوں پر ان کے اس خیال کی بنیاد تھی، بہر حال ان حضرات کی دیانتداری سے یہی رائے تھی اور ان کے اجتہاد نے اسی نتیجہ پر ان کو پہنچایا تھا، وہ جس طرح حضرت علیؓ کی طرف سے لڑنے کو منع کرتے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ کی جماعت میں شریک ہونے سے بھی روکتے تھے۔ لہذا ایسے لوگوں پر حضرت

علیؓ (یا فرض کر لیجئے کہ حضرت عائشہؓ) کی دشمنی کا الزام لگانا جہالت اور بے ایمانی ہے۔
اسی طرح ان کے اس مسلک کی وجہ سے ان کی نیتوں پر حملہ کرنا سخت کمینہ پن ہے۔
یہ دوسری بحث ہے کہ ان کا اجتہاد صحیح تھا یا غلط۔ ہم مانتے ہیں کہ صحابہ کی اکثریت ان کی رائے سے اختلاف رکھتی تھی لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم ان حضرات پر طعن و تشنیع شروع کر دیں۔ مجھے سخت حیرت ہے کہ شیعہ مؤلف اس واقعہ سے حضرت امیر کی دشمنی پر کس طرح استدلال کرتا ہے جبکہ وہ خود ہی رجال بخاری کے ص۸۷ پر لکھتا ہے کہ بسر بن ارطاۃ نے بصرہ میں بر سر منبر حضرت علیؓ کو گالیاں دیں۔ اور قسم دے کر کہا کہ جس کو میرا جھوٹا ہونا معلوم ہو وہ میری تکذیب کرے تو انہیں حضرت ابو بکرہؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ تجھ کو جھوٹا جانتے ہیں جس پر بسر نے حکم دیا کہ ابو بکرہ کا گلا دبا دیا جائے، ناظرین انصاف سے بتائیں کہ حضرت ابو بکرہؓ کو حضرت علیؓ سے دشمنی ہوتی تو وہ بسر کی برملا تکذیب کرتے؟ علیؓ کو گالی دینے پر اس کو جھوٹا کہتے؟ دشمن کا یہی برتاؤ ہوتا ہے؟ اب رہی وہ حدیث جس کو ابو بکرہؓ نے احنف سے بیان کیا تھا اور مولف نے اس کو اس بنا پر غلط قرار دیا ہے کہ مولف کے خیال میں پیغمبر اسلام نے جنگ جمل اور صفین میں اپنے اصحاب کو حضرت علیؓ کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا ہے لہذا پیغمبر اسلام یہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ "جب دو مسلمان آپس میں تلوار سے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔"

تو یہ گزارش ہے کہ اولاً یہ جھوٹ ہے کہ آنحضرت صلعم نے جمل و صفین میں اپنے اصحاب کو حضرت علیؓ کی طرف سے لڑنے کا حکم دیا۔ آنحضرتؐ کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں جمل و صفین و حضرت علیؓ کے نام کی تصریح کے ساتھ لڑنے کا حکم ہو، شیعہ مولف نے جو حدیث نقل کی ہے وہ شیعہ مولف کے اضافوں کو حذف کرنے کے بعد صرف اتنی ہے "مجھ کو حکم دیا گیا کہ میں ناکثین اور

قاسطین اور مارقین سے حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کے جنگ کروں"۔ اس میں جمل و صفین کا نام کہیں بھی نہیں ہے نہ یہ اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ ناکثین سے کون لوگ مراد ہیں اور قاسطین سے کون؟ بس اپنی طرف سے خواہ مخواہ طلحہ و زبیر کو ناکثین کا مصداق قرار دینا اور اس پر جزم کر کے حدیث ابو بکرہؓ کو غلط کہہ دینا بڑی جرأت ہے ۔کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ناکثین سے حضرت طلحہ و زبیر مراد ہی نہ ہوں؟ میں جانتا ہوں کہ دوسرے علماء نے بھی ناکثین کی یہ مراد ذکر کی ہے لیکن کسی نے اپنے اس فہم پر یقین کر کے کسی صحیح حدیث کو غلط نہیں کہہ دیا ہے۔

اور اگر ناکثین سے طلحہ و زبیر ہی کا مراد لینا ضروری ہو تو پھر یہ کیوں ضروری ہے کہ تعارض کی وجہ سے حدیث ابو بکرہ ہی کو غلط کہا جائے۔ ناکثین ہی والی حدیث کو کیوں نہ غلط کہا جائے بالخصوص جبکہ تعارض کے علاوہ اس کی کوئی اسناد بھی بیداغ نہیں ہے۔ میں نے اس کی جو جو سندیں دیکھی ہیں ان میں سے کوئی بھی رافضی یا شیعہ راویوں سے خالی نہیں ہے۔

یہ ساری بحث بر سبیل تنزل ہے ورنہ حدیث ابو بکرہ در حقیقت اس صورت پر محمول ہے کہ دو مسلمان ملک کی حرص میں تلوار کھینچ لیں، یا اس صورت پر محمول ہے کہ بلا تحقیق حق لڑائی کی آگ میں کود پڑیں۔ مگر حضرت ابو بکرہ نے الفاظ کے عموم و اطلاق کا لحاظ کر کے شرکت جمل کو بھی اس میں داخل سمجھ لیا جو زیادہ سے زیادہ ان کے فہم کی خطا ہے، جس پر کسی طرح طعن و بدگوئی جائز نہیں ہو سکتی۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو صحابہ جمل یا صفین میں جس طرح سے بھی شریک ہوئے۔ وہ ہرگز اس حدیث کے مصداق نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ ان میں ہر ایک تحقیق حق کر کے شریک ہوا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی اپنی تحقیق میں مصیب تھا کوئی مخطی، لیکن خطائے اجتہادی قابل مواخذہ نہیں ہے۔

ابراهیم نخعی

ان پر یہ اعتراض ہے کہ یہ ارسال بہت کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مولف اپنے اصول سے بھی بالکل جاہل ہے ورنہ وہ ارسال کو اعتراضات کی فہرست میں شامل نہ کرتا اور اس کو دروغ گوئی و غلط بیانی کہنے کی جرأت نہ کرتا۔ اس لئے کہ شیعہ راویوں بلکہ شیعہ اماموں میں بھی کثرت ارسال کرنے والے پائے جاتے ہیں۔ شیعہ راویوں میں محمد بن ابی عمیر اور صفوان بن یحییٰ اور احمد بن محمد بن ابی نصر وغیرہ عموماً ارسال کرتے ہیں، لیکن شیعوں نے اس کو کوئی عیب نہیں سمجھا بلکہ ان کی مرسل روایتوں کو دوسروں کے مسندات کے برابر قابل عمل قرار دیا۔ مولوی دلدار علی مجتہد شیعہ لکھتے ہیں فان الطائفة کما عملت بالمسانید عملت بالمراسیل۔ یعنی طائفہ شیعہ نے جیسے مسند روایتوں پر عمل کیا ہے اسی طرح مرسل روایات پر بھی عمل کیا ہے (اساس الاصول ص ۱۰۲) اسی جگہ صراحۃً مذکورہ بالا راویوں کے مراسیل کا دوسروں کے مسانید کے برابر ہونا بھی مذکور ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ امام جعفر صادق بکثرت سرکار رسالت سے روایت کرتے ہیں حالانکہ وہ عہد نبوی میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، پس اگر ارسال دروغ گوئی ہے تو شیعہ خود اپنے منھ سے اپنے امام کو دروغ گو کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر صافی مع کافی ص ۴۷ جز ۳ عن ابی عبد اللہ ان النبیؐ قال الخ نیز ص ۶۸ جز ۳ عن ابی عبد اللہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب الخ ملاحظہ کرنا چاہئے اور امام جعفر ہی پر موقوف نہیں امام موسیٰ کاظم بھی ارسال کرتے تھے صافی مع کافی جز اول ص ۸۲ میں ہے عن أبی الحسن موسی علیہ السلام قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم المسجد الخ۔

حقیقت یہ ہے کہ ارسال دروغ گوئی میں داخل ہی نہیں ہے۔ ارسال کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک راوی مثلاً استاذ کا نام چھوڑ کر اس کے اوپر سے روایت کرے جیسے کوئی تبع تابعی کہے عن ابن مسعود قال قال رسول الله الخ ظاہر ہے کہ تبع تابعی صحابی سے حدیث نہیں سن سکتا اس لئے اس کے اور ابن مسعود کے درمیان کوئی واسطہ ہوگا جس کو اس نے ذکر نہیں کیا بس یہی ارسال ہے۔ اور یہ جھوٹ نہیں ہے، جھوٹ جب ہوتا کہ وہ یوں کہتا کہ مجھ سے خود ابن مسعودؓ نے بیان کیا ہے یا "میں نے ان کو کہتے سنا ہے"۔ اصول حدیث کا ایک اصطلاحی لفظ تدلیس ہے اس میں بھی یہی ہوتا ہے۔ لہذا وہ بھی غلط بیانی میں داخل نہیں ہے۔ شیعہ مؤلف نے ابراہیم نخعی کے بعد اسحاق بن راشد کا ذکر کیا ہے اور ان پر تدلیس کی وجہ سے اعتراض ہے۔ اس کا جواب بھی یہیں سے سمجھ لینا چاہیئے۔ باقی ارسال و تدلیس کا فرق سمجھنے کے لئے اصول حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

ایوب بن عائذ

ان پر یہ اعتراض ہے کہ یہ فرقہ مرجیہ میں سے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اولاً تو رمی بالارجاء کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ مرجیہ فرقہ میں سے ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ان پر ارجاء کا الزام لگایا گیا ہے۔ دوسرے اگر ان کا مرجیہ میں سے ہونا ثابت بھی ہو تو اسمعیل بن سمیع کے حال میں بتایا جا چکا ہے کہ شیعہ و سنی دونوں کا ہے اتفاق کہ ہر بد عقیدہ راوی کی روایت مطلقاً رد نہیں کی جاتی، شیعہ مصنفین نے تصریح کی ہے کہ عامی، شیعی، غیر امامی، واقفی، فطحی، زیدی وغیرہ راویوں کی روایتیں بھی چند شرائط کے ساتھ مقبول ہیں، حتی کہ شرابی کبابی کی روایت بھی مقبول ہے، بشرطیکہ روایت میں وہ محتاط ہو، اساس الاصول میں ہے ۔و کذا بخبر الفاسق بافعال الجوارح مع

کونه ثقة في الرواية(ص ۱۰۳)اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی عبارت نقل کرنے میں شیعہ مولف نے سخت خیانت کی ہے،ان کی پوری عبارت یہ ہے۔ایں حدیث و امثال آں صریح اند در تکفیر قدریہ و مرجیہ ولیکن صواب آنست کہ مسارعت نمی باید کرد بتکفیر اہل اہواء کہ براہ تاویل روند زیرا کہ ایشاں اختیار کفر نمی کنند وراضی نیستند بداں بلکہ بتاویل می گریزند از کفر و تمسک می کنند بہ کتاب وسنت وبذل مجہودے نمایند دراصابت حق ولیکن خطا کردند و نیافتند آنرا و فرق است میان لزوم کفر والتزام آں و قول مختار از علمائے امت ہمیں است واحتیاط ہم درین است و ماہی کردہ شدہ ایم از تکفیر اہل قبلہ و ہرچہ در شان ایشان واقع شدہ است از انچہ دلادت دارد بر کفر از باب زجر و تشدید و مبالغہ در تضلیل است و در صحت ایں احادیث نیز نزد بعضے از علماء محدثین سخن است۔

أزہر سمان محدث

ان پر یہ نکتہ چینی کی گئی ہے کہ ''ان کو امراء و سلاطین کے دربار داری کا بہت شوق تھا،ان کی خوشامد سے سیکڑوں روپیہ حاصل کرتے تھے اور جیبیں بھرتے تھے''(ص ۶۶)اور دلیل میں خلیفہ منصور کے پاس جانے اور وہاں سے روپے پانے کا ایک قصہ عقد فرید و ثمرات الاوراق سے نقل کیا ہے۔ہم مولف کی خاطر سے اس قصہ کو صحیح مان لیتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے دربار داری کا شوق وخوشامد کس طرح ثابت ہوتی ہے۔آپ تو خود ہی نقل کرتے ہیں کہ ان کا گھر گر گیا تھا اور چار ہزار کے مقروض ہو گئے تھے،اس لئے منصور کے پاس گئے تھے۔پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور ان کا شاگرد تھا،لہذا اس پریشانی اور مصیبت زدگی میں انہوں نے اپنے شاگرد سے مدد حاصل کرلی تو یہ کون سا عیب ہو گیا،اور اس سے شوق دربار داری

ثابت ہوا یا مجبوری کی حالت میں ایک بادشاہ کے پاس حاضری؟

اچھا میں اس کو بھی آپ کی خاطر سے تسلیم کر لیتا ہوں لیکن ذرا کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کہ اسی عقد الفرید میں حضرت حسنؓ کی دربار معاویہؓ میں۔ اور عبداللہ بن جعفرؓ کی دربار یزید اور دربار عبد الملک میں حاضری بلکہ صرف تحصیل زر کے لئے عبداللہ بن جعفر کا حجاج کو داماد بنانا مذکور ہے، اس کی نسبت کیا ارشاد ہوگا۔ دیکھئے ص ۱۹۳ ج ا اور ۱۹۵ ج ا۔

عقد فرید میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب یزید نے عبداللہ بن جعفر کو بیس لاکھ درہم دیا تو انہوں نے کہا فداك أبي وأمي میری ماں اور میرا باپ تم پر قربان۔ اور یہ کلمہ میں نے کسی دوسرے کے حق میں تم سے پہلے استعمال نہیں کیا، نیز یہ بھی مذکور ہے کہ حجاج نے عبداللہ بن جعفر کی صاحبزادی ام کلثوم کو طلاق دینے کے بعد بھی ان کا وظیفہ وانعام بند نہیں کیا۔ اور مدة العمر عبداللہ بن جعفر کو بھی صلے دیتا رہا ص ۱۹۶ ج ا۔ ان حوالوں کے ساتھ ذرا رجال کشی پر بھی ایک نظر ڈال دیجئے۔

رجال کشی ص ۱۱۳ میں مذکور ہے کہ ابن ابی یعفور اور ابو بصیر (یہ دونوں نہایت مستند راوی کافی کلینی وغیرہ کے ہیں) عراق کے دیہات میں حج کرنے کے لئے روپیہ وصول کرنے کے لئے نکلے ابن ابی یعفور نے ابو بصیر سے کہا کہ میاں تمہارے پاس تو بہت زیادہ دولت ہے خدا سے ڈرو اور اپنے مال سے حج کرو، تو اس نے چھوٹتے ہی کہا کہ چپ بھی رہو اگر تمہارے امام (جعفر) کے سامنے پوری دنیا کی دولت انڈیل دی جائے تو وہ اس کو اپنی چادر تلے سمیٹ لیں گے۔ اور ص ۱۲۱ میں ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام جعفر کو چار سو دینار کی تھیلی پیش کی، جس کو امام صاحب نے قبول فرما لیا۔

ازہر کے بعد شیعہ مولف نے ابن حبان پر نکتہ چینی کی ہے، اس کا جواب

مولف کی دروغ گوئی کی چھٹی مثال میں ہو چکا ہے۔

باب الباء

بسر بن اَرطاۃ

ان پر بہت سے الزامات ہیں، اور بعض الزامات بے شبہ صحیح ہیں، لیکن ان کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی روایتیں بھی مقبول نہ ہوں، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ ان الزامات کی وجہ سے ان کا فسق ثابت ہوگا، اور میں اساس الاصول سے نقل کر چکا ہوں کہ علماء شیعہ اس فاسق کی روایت کو مقبول کہتے ہیں جو نقل روایت میں راست گو اور معتبر ہو۔ اور شیعہ مولف نے انتہائی کوشش کے بعد بھی کوئی ایسی بات نقل نہیں کی جس سے روایت میں ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہو۔

اصل اعتراض کا جواب تو ہو چکا لیکن اس کے ساتھ چند اور باتیں بھی ذکر کر دینی مناسب ہیں، (۱) بسر بن اُرطاۃ کا صحابی ہونا مشکوک ہے، بلکہ بڑے بڑے ائمہ نے ان کے صحابی ہونے کی صاف صاف نفی کی ہے، مرزا صاحب خود ہی لکھتے ہیں کہ ''امام احمد اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ بسر بن اُرطاۃ کا صحابی ہونا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پیغمبر خدا نے جب وفات پائی ہے تو بسر صغیر السن تھا'' (ص ۷۷) (۲) بسر پر ایک الزام یہ ہے کہ ''بہت سے شیعیان علیؓ کو یمن میں قتل کیا'' لیکن اس الزام کو لکھنے کے وقت یہ بھی تو پیش نظر رکھئے کہ جاریہ بن قدامہ نے جو حضرت علیؓ کے عامل تھے، بہت سے شیعیان عثمانؓ کو قتل کر ڈالا۔ (رجال بخاری ص ۱۵)۔

بکار بن عبد العزیز

ان کی نسبت لکھا ہے کہ ابن معین کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں بالکل غیر

معتبر شخص ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صریح جھوٹ ہے ابن معین نے لیس بشئی کہا ہے، اور ابن معین جب یہ لفظ کسی راوی کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی روایتیں نہایت کم ہیں (دیکھو الرفع والتکمیل مصنفہ مولانا عبدالحی ص) یہی وجہ ہے کہ دوسری روایت میں خود ابن معین کا قول یہ ہے کہ وہ روایت لینے کے قابل ہیں (تہذیب) اور یہی وجہ ہے کہ تقریب میں لکھا ہے صدوق یھم یعنی سچے ہیں کچھ بھول بھی ان سے ہوتی ہے۔ حیرت ہے کہ آپ تقریب سے ان کا راوی بخاری ہونا نقل کرتے ہیں اور ان کے سچے ہونے کی شہادت کو ہضم کر جاتے ہیں۔ دوسری دیانتداری شیعہ مولف کی یہ ہے کہ اس نے دوسرے محدثین کے اقوال بکار کے باب میں بالکل نظر انداز کر دیئے۔ بزار نے کہا کہ ان میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ابن عدی نے بھی یہی کہا اور کہا کہ ان کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔ اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب ص ۷۹ م ج ۱)۔

بشیر بن مہاجر

ان پر تدلیس کا الزام ہے لیکن میں بتا چکا ہوں کہ تدلیس غلط بیانی نہیں ہے اور اب بتاتا ہوں کہ تدلیس کی وجہ سے کسی راوی کی تمام روایتیں نامقبول نہیں ہو جاتیں۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ جب مدلس سمعت یا حدثنا کہہ کر روایت کرے تو وہ روایت مقبول ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ اصول میں لکھا ہے وحکم من ثبت عنه التدليس انه لا يقبل منه الا اذا صرح بالتحديث یعنی جس کا تدلیس کرنا ثابت ہو جائے اس کی صرف وہی روایتیں مقبول ہونگی جن میں حدثنا کی تصریح کرے۔ یہاں مرزا صاحب کی خیانت دیکھنے کے قابل ہے کہ انہوں نے شیخ کی یہ عبارت نقل کی ہے مگر الا اذا صرح بالتحدیث کو

غائب کر دیا ہے۔اسی طرح یہ بھی خیانت ہے کہ مرزا صاحب نے ہر جگہ تدلیس کا ترجمہ غلط بیانی کیا ہے۔حالانکہ تدلیس کی تعریف میں یہ داخل ہے کہ عنوان بیان ایسا نہ ہو جو جھوٹ میں داخل ہو جائے۔اس کے بعد مرزا صاحب کو اپنے مجتہد اعظم کا یہ قول غور سے پڑھنا چاہئے۔و إذا كان أحد الراويين مصرحا و الآخر مدلسا فليس ذالك مما يرجح به خبره (اساس الاصول ص ۱۰۲) جب ایک راوی مصرح ہو اور دوسرا مدلس (غلط بیانی کرنے والا؟) تو مصرح کی روایت کو مدلس کی روایت پر ترجیح نہیں ہے، مرزا صاحب نے بشیر بن مہاجر کے دوسرے عیوب بھی دکھائے ہیں مثلاً یہ کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ ان کی حدیثیں جھوٹی ہوتی ہیں، مگر مرزا صاحب کی یہ جہالت ہے۔ منکر الحدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی اکثر روایتیں دوسرے ثقہ راویوں کے مخالف ہوتی ہیں، جو عیب ضرور ہے مگر اس پر جھوٹ کا اطلاق نہیں ہوتا، اور صحیح مسلم وغیرہ میں ایسے راویوں کی روایتیں تنہا ان کے اعتماد پر نہیں لائی گئی ہیں بلکہ دوسرے راویوں کی موافقت و تائید کی وجہ سے قبول کی گئی ہیں۔ ہمارے یہاں تو بڑی صراحت سے یہ لکھا ہوا ہے کہ مدلس یا ضعیف یا ایسا راوی جس کو اختلاط ہو گیا ہو اس کی روایت دوسرے راوی کی تائید کے بعد مقبول ہو جاتی ہیں۔اور شیعوں نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کے لکھا ہے۔أما الرواة الغلاة ومن هو مطعون عليه في روايته ومتهم في وضع الأحاديث فلا يجوز العمل بروايته اذا تفرد و اذا انضاف روايته الى رواية بعض جاز ذالك ويكون ذالك لأجل رواية الثقة دون روايته (اساس الاصول ص ۹۰) یعنی غالی راوی اور جس پر طعن کیا گیا ہے اور جو جعلی حدیثیں بنانے میں متہم ہے اس کی روایت پر عمل جائز نہیں جب اکیلا ہو۔ لیکن جب اس کی روایت سے دوسرے کی روایت مل جائے تو عمل جائز ہے اور یہ جواز دوسرے راوی کی تائید کی بنا

پر ہے۔اور ص ۱۰۰ میں ہے و کذالك القول فيما يرويه المتهمون والمضعفون ان كان هناك ما يعضد روايتهم ويدل على صحتها وجب العمل به یعنی جن پر جھوٹے ہونے کاالزام ہے اور جو کمزور ہیں اگر ان کی روایت کا کوئی موید ہو جواس کی صحت پر دلالت کرتا ہو تواس پر عمل واجب ہے۔

بشر بن رافع

شیعہ مولف لکھتا ہے کہ ان سے بھی بخاری وغیرہ میں روایت لی گئی ہے ۔میں کہتا ہوں کہ بخاری کا نام لینا صریح جھوٹ ہے اس کی کوئی روایت بخاری میں نہیں ہے نہ کسی نے اس کو صحیح بخاری کا راوی لکھا ہے، میں اس کتاب کے ابتدا میں بتا چکا ہوں کہ "بخ" "ادب مفرد" کی علامت ہے، صحیح بخاری کی علامت نہیں ہے۔

رہی مولف کی یہ بدزبانی کہ "اہلسنت نے حسن ظن سے اس کتاب کا نام صحیح بخاری رکھا ہے۔در حقیقت یہ غلط بخاری ہے اور یہ کتاب مجموعہ ہے ان رواۃ کا جن کی روایتیں محدثین کے نزدیک جھوٹی ہوتی ہیں" (ص ۸۲) تواس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمہاری بدفہمی وجہالت ہے۔جس راوی کی وجہ سے تم کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی وہ صحیح بخاری کا راوی ہی نہیں ہے، ہاں اگر انصاف سے کام لو تو تم کو کہنا چاہیئے کہ تمہارے امام غائب نے محض ناواقفیت سے کلینی کی کتاب کو "کافی" کہہ دیا در حقیقت وہ "ناکافی" ہے اور وہ کتاب مجموعہ ہے ان رواۃ کی روایتوں کا جو امام جعفر کی زبانی ملعون اور جھوٹے ہیں۔

حارث بن عمیر

ان کی تضعیف کے باب میں تہذیب سے دو تین قول نقل کئے گئے ہیں

لیکن ان اقوال سے پہلے تہذیب میں بہت زیادہ اقوال توثیق کے مذکور ہیں از راہ بددیانتی مولف نے ان کو نقل نہیں کیا، محدثین میں ا۔ حماد بن زید ۲۔ ابن معین ۳۔ ابو حاتم ۴۔ امام نسائی ۵۔ ابوزرعہ ۶۔ دار قطنی اور ۷۔ عجلی نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور یہ ایسے حضرات ہیں کہ ان کے مقابل میں دوسروں کے اقوال نا قابل التفات ہیں اس لئے ابن حجر نے مقدمہ میں لکھا وثقه الجمهور وشذ الأزدى فضعفه و تبعه الحاكم الخ۔ پھر ان کی صرف ایک روایت بخاری میں ہے اور اس کی دوسرے راوی نے تائید بھی کی ہے۔

باقی رہا محدثین کا کسی راوی کی جرح و تعدیل میں اختلاف تو اس کی نسبت اپنے مجتہد اعظم کا یہ قول ملاحظہ کیجئے۔ ان القدماء ما كانوا متفقين فى تعديل الرجال وجرحهم فكثيرا يتفق ان الرجل كان ثقة عند بعض القدماء ولم يكن عند بعض اخر كذالك بل كان هذا البعض الاخر يضعفه ويرميه بالكذب والفسق واذا كان الحال كذالك فلا ريب فى أن حديث الرجل الكذائى يكون موثوقا به معتمدا عليه عند الموثق ولا يكون كذالك عند الجارح (اساس الاصول ص ۱۱۹) حاصل اس کا یہ ہے کہ قدیم محدثین شیعہ راویوں کے باب میں متفق نہ تھے کوئی ایک راوی کی توثیق کرتا تو دوسرا اس کو ضعیف کہتا بلکہ دروغ گوئی و بدکاری کی تہمت لگاتا اور جب ایسا ہے تو اس کی حدیث موثق کے نزدیک قابل اعتبار ہوگی اور جارح کے نزدیک ایسی نہ ہوگی۔

حسن بن مدرک

اس راوی کا بھی وہی حال ہے کہ صرف ایک شخص نے اس پر جرح کی ہے اور نسائی و احمد صوفی و ابن عدی و ابوزرعہ و مسلمہ نے تعدیل کی ہے، پھر جس ایک

شخص نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ اس نے جھوٹے ہونے کی وجہ ناکافی بیان کی ہے، اگر ایک طالب علم دو ہم عصر استاذوں میں سے ایک کی بیان کی ہوئی حدیث دوسرے کے سامنے بیان کر کے معلوم کرے کہ آپ نے بھی اس کو سنا ہے یا نہیں اور اس کو میں آپ کے نام سے بھی روایت کر سکتا ہوں یا نہیں تو اس میں کیا عیب ہے؟ حسن بن مدرک فہد بن عوف کی حدیثوں کو یحییٰ پر اسی واسطے القا کرتے تھے، فہد و یحییٰ دونوں ہم عصر ہیں، شیعہ مولف نے تہذیب کی عبارت ہی نہیں سمجھی ہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا اس کے لئے مقدمہ فتح الباری ص ۴۶۱ ملاحظہ ہو۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

اس عنوان کے ماتحت شیعہ مولف نے اپنی بد طینتی و خباثت کا اچھی طرح مظاہرہ کیا ہے ام المومنین پر تہمت لگانے کا واقعہ جس انداز سے بیان کیا ہے اس کے توہین آمیز و دل آزار ہونے کا صحیح احساس مولف کو جب ہوگا کہ عائشہؓ صدیقہ کے بجائے تمثیلاً مولف کی والدہ محترمہ کا نام لکھ دیا جائے اور کہا جائے کہ مرزا صاحب کی والدہ محترمہ چونکہ فطرتاً حسن و جمال رکھتی تھیں اور عمر بھی شباب کی تھی اور فلاں بھی شباب کی منزل کو پہنچ چکا تھا الخ۔

اسی طرح "حسان اور ان کی پارٹی" کا لفظ بھی سخت اشتعال انگیز ہے، صدیقہؓ پر یہ تہمت منافقوں نے رکھی تھی، حضرت حسانؓ غلط فہمی سے اس میں شریک ہو گئے لہذا حسانؓ کے بعد ان کی پارٹی کا اضافہ رافضیانہ خباثت کا اظہار ہے۔ بہر حال یہ واقعہ ہے کہ حضرت حسان افک میں شریک ہو گئے تھے اور بے شبہ یہ بہت بڑا الزام اور نہایت سنگین جرم تھا۔ لیکن ایک کافر بھی جانتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں توبہ اور سزائے جرم ایسی چیز قرار دی گئی ہے جس سے بڑے سے بڑے گناہ کی سیاہی دھل جاتی

ہے۔اور توبہ وسزا کے بعد مجرم ایسا ہی پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا ایک بے گناہ۔اور اب اس گناہ کا تذکرہ کر کے اس کو شرم دلانا، یا اس کی وجہ سے اس کو بدنام وذلیل کرنا حرام ہے۔ معلوم نہیں شیعہ مولف کیسا مدعی اسلام ہے کہ اسلام کے ان مسائل سے بھی نابلد ہے۔مذہب شیعہ کی معتبر کتاب ارشاد القلوب للدیلمی میں ہے ص ۴۲ میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب له جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا۔اور کافی ص ۲۰۱ ج ۳ میں گناہ کی سزا کو پاکی کا سبب وذریعہ بتایا گیا ہے۔اور شرح نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ کی یہ "حدیث" منقول ہے انتهك حرمة من حرم الله فأقمنا عليه حداً كان كفارته (یعنی حرام کا ارتکاب کیا پس ہم نے حد لگائی تو یہ حد اس کے لئے کفارہ بن گئی)(ص ۲۶۷ ج ۱)

پس جب شیعہ خود لکھتا ہے کہ حضرت حسانؓ کو ان کے جرم کی سزا میں کوڑے لگائے گئے تھے۔تو وہ گناہ سے پاک وصاف ہو گئے۔

نیز انہوں نے توبہ کر لی تھی اور اس ناپاک تہمت کے بجائے حضرت صدیقہؓ کی پاکدامنی وعفت کا اعلان اپنے اشعار میں کیا کرتے تھے۔ازانجملہ یہ شعر ہے جو صحیح بخاری میں منقول ہے۔

حصـان رزان مـا تـزن بريبـة　　وتصبح غرثى من لحوم الغوافل

اس قصیدے کے چند اور شعر فتح الباری میں ہیں

مهذبة قد طيب الله خيمهـا　　وطهرهـا من كل سوء و باطل

رأيتك وليغفر لك الله حـرة　　من المحصنات غير ذات القوافل

وأن الذى قـد قيل ليس بلائـق　　بك الدهر بل قيل امرئ متمائل

لہذا سزا پانے اور توبہ کرنے کے بعد ان کے اس جرم کا تذکرہ کر کے نکتہ چینی کرنا، مسلمان کا کام نہیں ہے، اور یہ کہنا کہ "جب قرآن حسانؓ کے افتراء کی

تصدیق کر رہا ہے تو ان کا نام راویان بخاری سے خارج کرنا چاہئے " اسلام اور اسلامی مسائل سے بیگانگی کی دلیل ہے بلکہ اپنے مذہب سے بھی بے خبری پر مبنی ہے، شیعوں کی مستند کتاب استفسار میں ہے کہ تہمت لگانے والا توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہے۔ سألت أبا عبدالله علیه السلام عن القاذف بعد ما یقام علیه الحد ما توبته قال یکذب نفسه قلت أرأیت أن اکذب نفسه و تاب اتقبل شهادته قال نعم (ص ۱۲ ج ۳ مطبوعہ لکھنؤ) اس کا حاصل یہ ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ کوئی آدمی کسی پاکدامن عورت کو بدکاری کی تہمت لگانے کے بعد سزایاب ہو اور توبہ کرے تو اس کی گواہی بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد شیعہ مولف نے چند اشعار نقل کئے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ اشعار حسانؓ نے غدیر خم کے دن کہے تھے، لیکن جس کو عربیت میں کچھ دخل ہو گا اور وہ اس دور کے شعراء کا انداز کلام سمجھتا ہو گا وہ بے ساختہ بول اٹھے گا کہ ایسا پھسپھسا کلام حسانؓ کا نہیں ہو سکتا۔

اخیر میں مولف سے رہا نہ گیا اور اس نے اس کو اگل ہی دیا کہ حضرت حسانؓ سے وہ نعل در آتش اسلئے ہے کہ حضرت حسانؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کے وقت بیعت نہیں کی تھی، لیکن شیعہ مولف سے میں پوچھتا ہوں کہ یہ اگر ایسا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے ان کی روایتیں قبول نہ کرنی چاہئیں تو اس اصول پر حضرت علیؓ کی روایتیں بھی رد کرنی چاہئیں، اسلئے کہ آپ لوگوں کے خیال میں انھوں نے بھی یہی جرم کیا تھا، اور حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، اگر آپ فرمائیں کہ حضرت علیؓ خلیفہ اول کو برحق نہیں سمجھتے تھے، اس لئے ان کا انکار جرم نہیں ہے، تو میں یہی کہوں گا کہ یہی عذر حضرت حسانؓ کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سوال وجواب آپ کے اصول پر ہے، لہذا اپنے اصول سے جواب دیجئے۔

حسن بصریؒ

ان پر کئی الزام ہیں، ازانجملہ ارسال و تدلیس کا الزام ہے، اس کا جواب کئی راویوں کے تذکرہ میں ہوچکا ہے، اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ایک بات بتانا ضروری ہے کہ یہاں جو عبارت شیعہ مولف نے نقل کی ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ جن لوگوں سے حدیث نہیں سنی ہے ان سے روایت کرتے ہیں اور مجاز کے طور پر حدثنا کہتے ہیں یعنی "ہم سے بیان کیا" کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ "ہماری قوم سے بیان کیا" حیرت ہے کہ اس تصریح کے بعد بھی شیعہ مولف اس کو جھوٹ اور غلط بیانی کہتا ہے، حالانکہ مجاز کو کوئی ادنیٰ جاہل بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا، حضرت علیؓ و دیگر ائمہ کے کلام میں مجاز کی بھرمار ہے، کیا وہ سب جھوٹ میں داخل ہے۔ افسوس ہے کہ شیعہ مولف کچھ بھی نہیں سوچتا سمجھتا۔

۲۔ دوسرا الزام بغض علیؓ کا ہے۔ ثبوت میں ایک تو شرح نہج البلاغہ کا حوالہ ہے، جو بالکل غیر معتبر ہے دوسرے عقد فرید کا کہ ایک شخص نے کہا کہ یا ابا سعیدیز عمون انك تبغض علیاً لوگ تمہاری نسبت عام طور سے یہی خیال کرتے ہیں کہ تم حضرت علیؓ سے بغض رکھتے ہو (رجال بخاری ص ۹۲) شیعہ مولف نے یہاں ایک بددیانتی تو یہ کی ہے کہ یزعمون کا ترجمہ خواہ مخواہ یہ کیا کہ "لوگ عام طور سے خیال کرتے ہیں" حالانکہ تین آدمیوں کے خیال کرنے پر بھی یزعمون بول سکتے ہیں۔ دوسری حرکت یہ کی کہ ترجمہ غلط کیا، یزعمون کا صحیح ترجمہ شیعوں کے زندہ مجتہد سید العلماء مولوی علی نقی کی تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ "لوگ تمہاری نسبت جھوٹ غلط اور باطل خیال یہ رکھتے ہیں"۔ (دیکھو اتحاد الفریقین حصہ دوم)

تیسری حرکت یہ کی کہ حضرت حسن بصریؒ نے اس سوال کے جواب میں

بغض علیؓ سے صاف انکار کیا ہے اور اس سے اپنی براءت ظاہر کی ہے مگر شیعہ مولف نے یہ کہہ کر اس کو تسلیم نہیں کیا کہ "مجرم کبھی جرم کا اقبال نہیں کرتا انکار کرتا ہے، لہذا ان کا انکار کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت علیؓ کی خون عثمانؓ سے براءت ثابت نہیں ہو سکتی۔ شیعہ مولف ص ۱۴۸ میں لکھتا ہے کہ "بیعت کے بعد لوگوں نے قتل عثمانؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کو متہم کیا" اب حضرت علیؓ اس سے ہزار برائت ظاہر کریں اس کی کوئی وقعت نہ ہو گی اس لئے کہ مجرم کبھی جرم کا اقبال نہیں کرتا۔ دیکھنا ہے کہ شیعہ مولف اپنے اصول پر کب تک قائم رہتا ہے۔

تیسرا الزام یہ ہے کہ حسن بصریؒ نے ابن زیاد (قاتل حسین) سے روایت کی ہے، میں کہتا ہوں کہ حسن بصریؒ نے ابن زیاد سے اس وقت روایت لی ہے جب وہ قاتل حسین نہیں تھا، لہذا یہ قابل اعتراض بات نہیں ہو سکتی، دیکھو شیعوں نے ابو الخطاب کی نسبت لکھا ہے کہ، اس نے نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا تھا اور امام جعفر کو خد کہتا تھا اور امام نے اس پر لعنت کی ہے (فرق الشیعہ للنوبختی ص ۴۲) بایں ہمہ شیعہ مجتہدین نے اس کے ادعاء نبوت سے پہلے کی روایتوں کو قابل عمل بتایا اور روایت کو جائز قرار دیا ہے۔ دیکھو اساس الاصول ص ۱۰۰ **عملت الطائفة بما رواه ابو الخطاب محمد بن ابی زینب فی حال استقامته.**

حماد بن ابی سلیمان

ان کو بخاری کا راوی لکھنا جھوٹ ہے۔ بخ ادب مفرد کی علامت ہے، لہ اوھام کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ان سے کچھ وہم ہوئے ہیں یعنی بھول ہوئی ہے۔ رمی بالارجاء کا معنی یہ ہے کہ ان پر ارجاء کی تہمت رکھی گئی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ

تہمت واقعہ بھی ہو، مثلاً حضرت علیؓ پر قتل عثمانؓ کی تہمت رکھی گئی ہے لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ اعمش کی جرح حمّاد کے حق میں معاصرانہ چشمک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ معاصرین میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور اصول حدیث کے رد سے راوی کے حق میں معاصر کی جرح قادح نہیں ہے۔

باقی رہا یہ واقعہ کہ انہوں نے عن ابراھیم (ابراہیم سے مروی ہے) کہہ کر ایک حدیث بیان کی، پوچھا گیا کہ آپ نے اس کو ابراہیم سے سنا ہے تو انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے اس کو مغیرہ سے سنا ہے (اور مغیرہ نے ابراہیم سے سنا ہے) تو اس واقعہ سے کیا قباحت لازم آتی ہے، پہلے بھی تو انہوں نے نہیں کہا تھا کہ "میں نے ابراہیم سے سنا ہے" اتنی ہی بات تو ہے کہ پہلے واسطہ نہیں ذکر کیا تھا، پوچھنے پر واسطہ بتادیا۔

حصین بن نمیر سکونی

اس کو بھی بخاری کا راوی کہنا بالکل جھوٹ ہے، سکونی کی کوئی روایت بخاری یا صحاح ستہ کی کتاب میں نہیں ہے بخاری وغیرہ نے جس حصین کی روایت لی ہے وہ واسطی کوفی ہے (دیکھو تقریب وتہذیب) اور مرزا صاحب نے جس کا ذکر کیا ہے وہ سکونی ہے، نیز یہ بھی غلط ہے کہ جس حصین سے بخاری وغیرہ میں روایت ہے اس سے ابوخیثمہ نے ملاقات کی ہے، جیسا کہ رجال بخاری ص۹۹ میں ہے اور ابوخیثمہ کی پیدائش سنہ ۱۶۰ھ کی ہے اور سکونی تقریباً سو برس پہلے مرچکا ہے اس لئے کہ شیعہ مولف خود ناقل ہے کہ اس کو اور ابن زیاد کو ابراہیم بن اشتر نے جلادیا، اور ابن زیاد کو جلائے جانے کا واقعہ سنہ ۶۶ھ میں پیش آیا ہے، یہاں سے آپ اندازہ لگائیے کہ شیعہ مولف کتنا جاہل ہے اور اس پر یہ ڈھٹائی اور بے حیائی کہ اکابر صحابہ کے ساتھ بھی

گستاخی کرتا ہے۔

حجاج

ابتدائے کتاب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ بھی بخاری کا راوی نہیں ہے نہ کسی اور کتاب کا، شیعہ مولف نے اپنی جہالت و خباثت سے اس سلسلہ میں اس کا نام لے لیا ہے۔ حجاج کی جو برائیاں شیعہ مولف نے بیان کی ہے، ان سب کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن مولف ذرا سینہ پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ جب حجاج کافر تھا، پیغمبر اسلام سے بے ادبی کرتا تھا، ص ۱۰۱۔ وہ خارجی بھی تھا ص ۱۰۲ وہ حضرت علیؓ کو کافر سمجھتا تھا ص ۱۰۳ وہ اسلام کی رسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا، اور خدا کے ساتھ کفر کرتا تھا ص ۱۰۴ تو جناب عبداللہ بن جعفر (جناب امیر کے برادرزادہ اور حضرات حسنین کے عمزاد بھائی) نے اپنی دختر نیک اختر اس کے نکاح میں کیسے دے دی، ان کی غیرت نے اس کو کیسے گوارہ کیا؟ دیکھو عقد فرید ص ۱۹۰ ج ا۔

حریز بن عثمان

ان پر بیشک بعض حضرات نے بغض علیؓ کا الزام قائم کیا ہے، لیکن امام بخاری نے ابوالیمان سے نقل کیا ہے کہ حریز پہلے ایسے تھے پھر توبہ کرلی تھی۔ (تہذیب ص ۲۳۸ ج ۲) ابن حجر نے کہا کہ بخاری نے اس کی روایت اسی لئے قبول کرلی کہ اس نے ناصبیت سے رجوع کرلیا تھا۔ (تہذیب ص ۲۴۰ ج ۲) اور ابوحاتم نے یہ کہا کہ ان پر ناصبیت کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ میرے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا (ص ۲۳۹) یہ بات بھی قرین قیاس ہے، چنانچہ شیعہ مؤلف نے جو قصہ انت منی بمنزلۃ ھارون کے متعلق نقل کیا ہے وہ ایک متروک و متہم راوی کے واسطہ سے

منقول ہے، (دیکھو تہذیب ص ۲۳۹) مگر مولف اس کو ظاہر نہیں کرتا۔

حکیم بن جبیر

ان سے کوئی روایت بخاری میں نہیں ہے، ان کو تمام صحاح کا راوی کہنا جھوٹ ہے شیعہ مولف نے تاریخ صغیر وغیرہ سے شعبہ کا جو قول نقل کیا ہے، اس کی مراد اس نے نہیں سمجھی بات یہ ہے کہ حکیم ایک حدیث سوال کے باب میں بیان کیا کرتے تھے شعبہ اس کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، اسی حدیث کو کسی نے شعبہ سے بیان کرنے کو کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں آگ سے ڈرتا ہوں، ظاہر ہے کہ جو شخص کسی حدیث کو بناوٹی سمجھتا ہو یا اس کے مصنوعی ہونے کا اس کو شبہ ہو تو اس کو بیان نہ کرنا چاہیئے، لیکن دوسرا شخص جو اس کو صحیح سمجھتا ہے اس کو بیان کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے، شیعوں کی بہتیری حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کو بطور استناد کے بیان کرنے میں ہمارے علم کے مطابق جہنم کا اندیشہ ہے لیکن شیعوں کو جہنم کا ڈر نہیں ہے وہ بے دھڑک بیان کرتے ہیں۔

حبیب بن مسلمہ

ان پر دشمنی اہلبیت کا الزام ہے، لیکن بالکل بے دلیل، ہم کو یہ تسلیم ہے کہ حبیب حضرت معاویہ کی طرف سے آرمینیہ کے گورنر تھے، نیز وہ صفین میں حضرت معاویہ کے طرفدار بھی تھے، تاہم اس سے مؤلف کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ ان لڑائیوں میں حضرت معاویہ کا طرفدار ہونا دوسری شئی ہے اور دشمنی اہلبیت شئی

دیگر، لیکن افسوس ہے کہ مؤلف ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، جو بے ایمانی ، بد نیتی اور بے دینی کے سوا کوئی چیز جانتی ہی نہیں، وہ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتی کہ دو جماعتوں میں نیک نیتی و دیانتداری سے بھی اختلاف ہو سکتا ہے، اور ایک تیسرے شخص کو ان دونوں جماعتوں کی نسبت یہ کہنے کا تو حق ہے کہ فلاں جماعت حق پر تھی اور فلاں غلطی پر، مگر نیت پر کسی کی بھی حملہ کرنا جائز نہیں ہے۔ حبیب کو بے شبہ حضرت علی سے اختلاف تھا، لیکن اختلاف کی بنیاد دشمنی اہلبیت پر نہ تھی، بلکہ اس پر کہ جو دلائل حضرت علی کے حق بجانب ہونے پر پیش کئے جاتے تھے وہ ان کے علم میں تشفی بخش اور صحیح نہ تھے۔

اسی طرح یہ قصہ بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرتؓ علی نے حبیب بن مسلمہ وغیرہ پر لعنت کی ہے، چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں صاف صاف لکھا ہے ان هذا لم یصح، اور لطف یہ ہے کہ ابن کثیر کا یہ قول ترجمہ ابن خلدون میں وہی منقول ہے، جہاں سے مرزا صاحب نے نقل کیا ہے، مگر انہوں نے لعنت تو لے لی اور اس کی تردید چھوڑ دی۔ ابن خلدون کا مترجم لکھتا ہے کہ یہ امر خلاف شان جناب امیر معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی طرح بیٹھے ہوئے کو سنادیا کریں (ص ۳۳۰ ج ۴)

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ "حبیب نے حضرت علی پر قتل عثمان کا الزام رکھا" حبیب نے جو کچھ کہا ہے اس کا منشا اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ آپ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیجئے اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ آپ ہی نے ان کو قتل کرایا ہے۔ مرزا صاحب کی بے عقلی کو کیا کہئے، وہ دشمنی صحابہ میں اندھے ہو گئے ہیں، محاورات سمجھنے کی بھی ان میں صلاحیت باقی نہ رہی۔

السیرۃ العلویہ کا مصنف خود آدھا شیعہ ہے، اس کا حوالہ بیکار ہے۔ علاوہ

بریں اگر حضرت معاویہؓ کا گروہ باغی ہو تو اس گروہ سے روایت کیوں ناجائز ہو جائے گی حضرت علیؓ ان کو اخواننا بغوا علینا کہتے ہیں، کیا آپ حضرت علیؓ کے بھائیوں سے بھی روایت کرنے کو ناجائز کہیں گے۔ یہ عجیب اندھیر ہے کہ "باغیوں" کے سردار کو "امام معصوم" (حضرت حسنؓ) نے خلافت حوالہ کر دی اور اطاعت قبول کر لی تو ان کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آیا، لیکن اگر کسی نے ان کی جماعت سے روایت کر لی تو غضب ہو گیا۔

حابس بن سعد

ان پر بھی حضرت معاویہؓ کی طرف داری کا الزام ہے جس کا جواب ہو چکا ہے باقی رہا یہ الزام کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے یہ کہا کہ آپ ہی نے قتل عثمانؓ پر لوگوں کو آمادہ کیا تو یہ بھی اسی طرح کی بات ہے جیسی حبیب بن مسلمہ کی بات تھی۔ اور منشا اس کا قاتلین عثمانؓ کا مطالبہ تھا نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو قرائن یا لوگوں کے بیانات سے یہی معلوم ہوا ہو جو ان کے علم کی غلطی ہے مگر اس کی وجہ سے ان کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ مرزا صاحب ذرا ذرا سی بات میں بڑے بڑے لوگوں کو جھوٹا کہہ دیتے ہیں۔ نہ بات کا منشا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ مجاز و حقیقت میں کوئی تمیز کرتے ہیں۔ نہ یہ سوچتے کہ یہ طریقہ صحیح ہے تو ان کے ائمہ اس الزام سے کیسے بری ہو سکیں گے، کافی جلد سوم ص ۲۳۳ میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کی لونڈی کی بکارت اپنی انگلی سے زائل کر کے لونڈی پر زنا کی تہمت رکھ دی، معاملہ حضرت علیؓ کے پاس پہنچا، عورت نے کئی عورتوں کو گواہی میں پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے سب کو الگ الگ کر کے پہلے عورت کا بیان لیا وہ برابر اپنے بیان پر قائم رہی اور کہتی رہی کہ لونڈی نے زنا کرایا ہے۔ اس کے بعد اس کو روانہ کیا اور ایک گواہ کو بلا کر کہا

کہ دیکھ۔" عورت نے سچی بات کی طرف رجوع کر لیا ہے اور میں نے اس کی جان بخشی کر دی ہے۔" اگر تو نے سچ نہ کہا تو اس تلوار سے تیرا خاتمہ کر دوں گا۔ الخ، خط کشیدہ فقرے پڑھئے اور بتائیے کہ اس میں سچ کا کون سا شائبہ ہے۔

حارث بن یزید

ان پر یہ الزام ہے کہ "قاتلین حسینؓ میں سے ہے، کربلا میں موجود تھا" حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے، اخبار طوال میں جس حارث کی نسبت یہ لکھا ہے اس کے دادا کا نام رویم ہے اور جو حارث بخاری وغیرہ کا راوی ہے اس کے دادا کا نام کسی نے بھی رویم نہیں بتایا ہے۔

دوسرے جو حارث بخاری کا راوی ہے عقلاً بھی ممکن نہیں کہ وہ کربلا میں موجود ہو سکے اس لئے کہ وہ ابراہیم نخعی کا شاگرد ہے اور ابراہیم واقعہ کربلا کے سال بہت سے بہت چودہ برس کے ہوں گے تو ان کا شاگرد ان سے بھی کم عمر ہو گا۔ لہذا وہ اس میں شریک کیسے ہو سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو "شئی لطیف" سے کچھ حصہ نہیں ملا ہے۔

خالدؓ بن ولید

یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مالک بن نویرہ صحابی کو قتل کیا اور اس کی زوجہ پر قبل عدت گزرنے کے تصرف کیا (رجال بخاری ص ۱۱۶) مرزا صاحب نے مالک بن نویرہ کو صحابی لکھ کر ناظرین کو اس دھوکے میں ڈالنا چاہا ہے کہ وہ قتل کے وقت مسلمان تھا، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، مالک کو بے شبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی وصولی پر مامور فرمایا تھا مگر جب اس نے آنحضرت کی خبر وفات سنی تو جتنا

کچھ وصول کر چکا تھا وہ سب اپنی قوم کو واپس کر دیا اور کہا کہ لو اب تم کو اس شخص سے نجات مل گئی (تحفۂ اثنا عشریہ ص ۵۳۳ ترجمہ ابن خلدون ص ۲۶۳ ج ۳) پھر جب خالدؓ نے اپنے آدمی بھیجے تو ان میں سے اکثر نے آکر گواہی دی کہ ہم نے مالک اور اس کی قوم کو اذان دیتے نہیں سنا۔ نیز مالک نے اثنائے گفتگو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خالد سے کہا کہ تمہارے صاحب نے فلاں بات کہی، خالد نے کہا کیا تم آنجناب کو "اپنا صاحب" نہیں سمجھتے حاصل یہ کہ مالک وفات نبوی کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ اس پر بھی خالد نے اس کے قتل میں جلدی نہیں کی بلکہ اسیر کر کے ضرار بن الازور کی نگرانی میں دے دیا تھا رات کو ٹھنڈک بہت زیادہ تھی کسی نے بلند آواز سے پکار دیا ادفئوا اسراکم (اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ) لیکن یہ لفظ بنو کنانہ کے محاورہ میں قتل کرنے کے معنی میں بولا جاتا تھا، ضرار کنانی تھے۔ انہوں نے سب قیدیوں کو قتل کر ڈالا (شرح نہج البلاغہ ص ۱۸۵ ج ۴ ترجمہ ابن خلدون ص ۲۶۲، ج ۳) دوسری روایت یہ ہے کہ یہ لوگ دوبارہ خالد کے سامنے پیش کئے گئے۔ خالد نے جانچ کی مالک کا اسلام ثابت نہ ہوا، اس لئے اس کو قتل کرا دیا (ابن خلدون ص ۲۶۲ ج ۳) تاریخ خمیس میں ہے فتیقن ردته فقتله۔ یعنی خالد کو اس کے مرتد ہونے کا یقین ہو گیا اس لئے اس کو قتل کر دیا (ص ۲۳۳ ج ۲) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب مالک کا بھائی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے مالک کے مرثیہ کے شعار حضرت عمر کو سنائے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں شاعر ہوتا تو میں بھی اپنے بھائی زید کا مرثیہ لکھتا اور اس پر روتا، مالک کے بھائی نے کہا کہ امیر المومنین اگر آپ کا بھائی اس حالت میں مرتا جس حالت میں میرا بھائی مرا ہے تو کبھی آپ اس پر نہ روتے (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ص ۱۸۳ ج ۴ فتوح البلدان ص ۱۰۶) کیا اس میں کھلا ہوا اشارہ مالک کے ارتداد کی طرف نہیں ہے۔

استیعاب میں حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں وقتل علی یدیہ اکثر اھل الردۃ منھم مسیلمۃ ومالک بن نویرہ یعنی خالد کے ہاتھوں سے اکثر مرتدین قتل ہوئے انہیں میں سے مسیلمہ اور مالک بن نویرہ بھی ہیں، تفسیر نیشاپوری میں جہاں مرتد قبائل کو شمار کیا ہے وہاں لکھا ہے بنویر بوع قوم مالک بن نویرہ اور مالک بن نویرہ کی قوم یربوع بھی مرتد ہو گئی تھی۔

اور لطف یہ ہے کہ شیعہ مصنفین نے بھی مالک اور اس کی قوم کو مرتدین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ فتح اللہ کاشانی نے منہج الصادقین میں اور نعمت خان عالی نے بھی اس کو لکھا ہے ان دونوں کی عبارتیں منتہی الکلام ص ۱۱۴ میں ملاحظہ کی جائیں، اسی طرح باقر مجلسی نے بحار الانوار میں سید ابن طاؤس سے اور اس نے عباس مروی کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت کی وفات کے بعد اہل مدینہ و اہل مکہ اور اہل طائف کے سوا سب مرتد ہو گئے اس کے بعد لکھا ہے کہ بنو تمیم در باب بھی مرتد ہو گئے، اور مالک بن نویرہ کی سرکردگی میں اکٹھا ہوئے۔ (منتہی الکلام ص ۱۰۰)

مالک بن نویرہ کی بی بی کو عدت سے پہلے تصرف میں لانا بھی ایک جھوٹا افسانہ ہے شیعوں کا معتمد علیہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغۃ میں لکھتا ہے۔ ان خالداً لما تزوج ام تمیم بنت المنھال امرأۃ مالک لم یدخل بھا وترکھا حتی تقضی طھرھا (ص ۱۸۷ ج ۴) یعنی خالدؓ نے جب مالک کی بی بی سے نکاح کیا تو اس کے پاس نہ گئے بلکہ اس سے علیحدہ رہے تا آنکہ اس کی عدت پوری ہو گئی، تاریخ طبری وغیرہ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے اور جن اشخاص نے یہ لکھا ہے کہ بلا انتظار عدت اس کے پاس گئے تو وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ مالک کی بی بی اس کی مطلقہ تھی مگر مالک نے اس کو جاہلیت کے رواج کے مطابق بلا نکاح اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا، لہذا اس کی عدت کے انتظار کی ضرورت بھی نہ تھی، دیکھو ترجمہ ابن خلدون ص ۲۶۳ ج ۳ و

تاریخ خمیس ص ۲۳۳ ج ۲)

ہم نے جو کچھ لکھا ہے یہی تحقیقی بات ہے۔ اس کے خلاف جو بعض اقوال مرزا صاحب نے نقل کئے ہیں۔ ان کا منشٰ وہی غلط فہمی ہے جو بعض لوگوں کو مالک کے باب میں ہوئی ہے اور اس کو مسلمان سمجھ لیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابو قتادہ کو غلط فہمی ہوئی اور وہاں سے بعض اور لوگوں میں بھی سرایت کر گئی حالانکہ حضرت ابو قتادہ کے سوا اور سب لوگ مالک کے ارتداد پر متفق تھے جیسا کہ خود حضرت ابو قتادہ کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

شراب کا نورہ لگانے کا قصہ بھی جعلی ہے اور مرزا صاحب کی انتہائی بے حیائی اور اعلیٰ درجہ کی خیانت ہے کہ انہوں نے اس قصہ کو فتوح البلدان سے نقل کیا اور وہیں اس کی تردید بھی ہے مگر اس کو ہضم کر گئے۔ بلاذری نے صاف تصریح کر دی ہے ولیس ذالک بثبت یعنی یہ قصہ غلط ہے۔ ص ۱۸۵۔

حضرت خالدؓ کی معزولی کے قصہ میں بھی بڑی رنگ آمیزی کی گئی ہے اور اس رنگ آمیزی کی خاطر ترجمہ ابن خلدون سے دو چار سطریں نقل کیں باقی باتیں اپنی طرف سے لکھیں اور سب کے لئے ترجمہ ابن خلدون کا حوالہ دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو بے شبہ معزول کیا لیکن اس سے ان کی رسوائی مقصود نہ تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کے بعد فرمایا کہ "خالدؓ واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں، یہ کہہ کر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا" (لفاروق ص ۸۰)

حضرت عمر اور ہر امیر، حاکم کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی نگرانی اور ان کے اعمال کی باز پرس کرتا رہے اور اس میں کسی قسم کی مداہنت و نرمی کو دخل نہ دے اس لئے حضرت عمر نے خالد سے باز پرس کی اور اسی طرح کی جیسے ایک معمولی آدمی

سے کی جاتی ہے، اس سے جس طرح حضرت عمر کی بڑی تعریف نکلتی ہے اسی طرح حضرت خالدؓ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت بھی ملتی ہے مگر ع

گل است سعدیؔ و در چشم دشمنان خار است

حضرت خالدؓ کی معزولی کے وقت حضرت عمرؓ نے نہ مالکؓ کے قتل کا کوئی تذکرہ کیا تھا نہ خالد کو جھوٹا کہا تھا، مستند تاریخوں میں ان باتوں کا کہیں ذکر نہیں ہے، ترجمہ تاریخ ابن خلدون اور الفاروقؔ میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، عباسی صاحب کی تاریخ اسلام کوئی مستند تاریخ نہیں ہے۔ نہ ان باتوں کے لئے انہوں نے کوئی مستند حوالہ دیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ عباسی صاحب نے بہت سے واقعات انگریزی تاریخوں سے بھی بے تحقیق نقل کر دیئے ہیں اور اس پر غور نہیں کیا ہے کہ غیر مسلم متعصب مؤرخوں نے ان واقعات میں کتنی رنگ آمیزی کی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عباسی صاحب نے مالک بن نویرہ کو مسلمان بھی لکھ دیا۔ حالانکہ شیعہ و سنی محققین کی تحقیقات آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔

مرزا صاحب کی ایک خیانت

شیعہ مصنف نے جہاں تاریخ اسلام سے یہ نقل کیا ہے کہ ابو قتادہؓ نے آکر حضرت ابو بکرؓ سے یہ شکایت کی کہ مالک ناحق قتل کیا گیا وہاں پر بڑی زبردست خیانت یہ کی ہے کہ درمیان سے ایک فقرہ غائب کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اس کو نقل کر دینے کے بعد خالدؓ پر کوئی الزام نہیں عائد ہو سکتا اور وہ یہ ہے کہ خالدؔ نے ان اعراب کے قول کو مرجح سمجھا جو مال غنیمت کی طمع میں مسلمانوں کے خون کی پرواہ نہ کرتے تھے " دیکھئے اس سے صاف ہو گیا کہ ابو قتادہ کا کوئی مؤید نہ تھا، سب اعراب مالک کو مرتد کہتے تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ اعراب نے مال کی طمع میں ایسا کہا تو یہ ایک باطنی بات

ہے۔ابو قتادہؓ نے کسی قرینہ کی بنا پر ایسا کہا ہوگا۔ لیکن حضرت خالدؓ کو کوئی قرینہ ایسا نظر نہ آیا جس کی بنا پر اعراب کو جھوٹا سمجھ لیں۔ چنانچہ عباسی صاحب خود آگے لکھتے ہیں کہ "حضرت ابو بکرؓ نے (خالدؓ کے) اس معاملہ کو غلطی اجتہاد پر محمول کیا اور یہی خالد کی جواب دہی تھی" مرزا صاحب اس کو بھی نقل نہیں کرتے کیا یہ بددیانتی نہیں ہے۔

ایک دوسری بددیانتی

مرزا صاحب نے اس مقام پر ایک اور واقعہ بھی بالکل نا تمام ذکر کیا ہے اور اس سے قتل مسلم کا الزام حضرت خالدؓ پر قائم کیا ہے، اور اس میں صریح بددیانتی کی ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ بنو جذیمہ کے پاس جب حضرت خالدؓ پہنچے، تو انہوں نے صبأنا صبأنا کہنا شروع کیا جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم بے دین ہیں، ہم بے دین ہیں خالدؓ نے اقرار بے دینی پر ان کو قتل کرادیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بنو جزیمہ کی مراد اقرار بے دینی نہ تھی۔ بلکہ مشرکین عرب مسلمانوں کو صابی کہتے تھے انہیں مشرکین کے محاورہ میں انہوں نے صبأنا کہہ کر اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا چاہا، جس کو حضرت خالدؓ نے بالکل نہیں سمجھا اور ان کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا جب آنحضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ یا اللہ میں خالدؓ کے اس فعل سے بری الذمہ ہوتا ہوں اور اس سے یہ تنبیہ مقصود تھی کہ خالدؓ کو ان کے معاملہ میں غور و فکر کرنے کی ضرورت تھی جلد بازی نہ کرنا چاہئے تھی۔

جس واقعہ کی طرف مرزا صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جن کو انہوں نے قتل کیا وہ قطعی و یقینی طور پر مسلمان تھے اور خالدؓ نے ان کو مسلمان جانتے ہوئے قتل کیا۔ لہذا اس سے قتل مسلم کا الزام خالدؓ پر

لگانا بددیانتی ہے نیز یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر بھی ناپاک حملہ ہے۔ اس لئے کہ خالدؓ نے اگر جان بوجھ کر قتل کیا تھا تو ان سے آنحضرتؐ کو قصاص لینا چاہئے تھا۔ حالانکہ حضرتؐ نے قصاص نہیں لیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے خالدؓ کو معذور قرار دیا۔ مگر شیعہ مؤلف ان کو معذور نہیں مانتا، یہ ہے اس کے اسلام وایمان کی حقیقت!

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر بالفرض مالک بن نویرہ مسلمان تھا تو اس کو خالدؓ نے یقیناً غلط فہمی کی بنا پر قتل کیا لہذا جس طرح حضرت رسول خدا ﷺ نے خالدؓ کی غلط فہمی کی بنا پر ان پر قصاص کی حد جاری نہیں کی، اسی طرح حضرت ابو بکرؓ وغیرہ نے بھی قصاص نہیں لیا۔ اور آنحضرتؐ کی پوری پوری پیروی ومتابعت کی، شیعوں کو ان امور پر اعتراض کرنے سے پہلے ذرا سوچنا چاہئے کہ اگر خالدؓ وغیرہ کے افعال کو کسی صحیح محمل پر حمل کرنے اور ان کی واقعی توجیہ کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں تو جمل وصفین کی لڑائیوں میں حضرت امیر اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں سے مسلمانوں کا جو خون بہا ہے۔ وہ بھی ضرور قابل اعتراض ہوگا۔ ہم تو ہر دو فریق کا احترام کرتے ہیں، اس لئے ہر جگہ توجیہ کریں گے۔ لیکن ایک خارجی یا ناصبی کو آپ کیا جواب دیں گے جب کہ توجیہ کا دروازہ آپ نے بند کر دیا ہے۔ حضرت خالدؓ پر ایک یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ "انہوں نے حضرت علیؓ کو برا کہلوایا" لیکن جس روایت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے وہ مستدرک ص ۱۱۰ میں بھی ہے اور اسی میں حضرت بریدہؓ کا یہ بیان ہے کہ اس سفر میں حضرت علیؓ نے مجھ سے اچھا سلوک نہیں کیا اس لئے میں نے از خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور ایسی بات کہی جس سے حضرت علیؓ کی شان گھٹتی تھی، دیکھئے یہاں نہ خالد کے حکم دینے کا ذکر ہے نہ برا کہلوانے کا، اصل میں مؤلف نے ترجمہ غلط کیا ہے، روایت میں برا کہلوانے کا

ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ایسی بات کہنے کا جس سے شان کم ہو اور اگر بالفرض یہی صحیح ہو کہ حضرت خالدؓ نے شکایت کرائی تو یہ قابل الزام بات نہ ہونی چاہئے، حضرت خالدؓ کو حضرت علیؓ کے لونڈی لے لینے پر دیانۃً اعتراض تھا اور وہ شرعاً اس کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی شکایت بھیجی اور قاصد سے اعتراض کرایا۔ تو یہ کیا بری بات ہے اگر ایسا نہ کرتے تو یہ کیوں کر معلوم ہوتا کہ حضرت علیؓ نے برا نہیں کیا اور معاملہ کیوں کر صاف ہوتا۔ اس سلسلہ میں بعض اور باتیں بھی مؤلف نے لکھی ہیں مگر جن حوالوں سے لکھی ہیں ان کی نسبت بار بار لکھا جا چکا ہے کہ یہ حوالے ناقابل استناد ہیں۔

خالد بن عبد اللہ القسری

اس کو بخاری کا راوی کہنا جھوٹ ہے، خ خلق افعال العباد کی علامت ہے، صحیح بخاری کی نہیں، پھر خلق افعال العباد میں بھی اس کی کوئی حدیث نہیں لی گئی ہے بلکہ صرف اس کے جعد بن درہم کو قتل کرنے کا واقعہ روایت کیا گیا ہے، اسی طرح ابو داؤد میں اس سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ مذکور ہے کہ خالد جب والی ہوا تو اس نے صاع کو دوگنا کر دیا یوں اس کا نام آگیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہ ساری باتیں تہذیب میں مذکور ہیں مگر مؤلف کو نظر نہیں آتیں بد دیانتی سے اس کو حدیث کا راوی بتاتے ہیں۔ اسی طرح...... خالد بن مسلمہ فافاؔ کو بھی کسی نے بخاری کا راوی نہیں لکھا ہے، مؤلف نے یہاں بھی جھوٹ سے کام لیا ہے

خلف بن خلیفہ:۔ بھی بخاری کا راوی نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ وہ جھوٹا ہے بالکل غلط بات ہے قدیم محاورہ میں کذب کے عموماً یہ معنی ہوتے تھے کہ اس نے غلط کہا یا وہ بھول سے غلط بولا۔ اور یہاں قرینہ بھی موجود ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ خلف

کہتے تھے کہ میں نے عمرو بن حریث کو دیکھا ہے۔ ابن عینیہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کذب (خلف غلط کہتا ہے) شاید اس نے عمرو بن حریث کے لڑکے جعفر کو دیکھا ہو گا۔ یعنی خلف کو شبہہ ہو گیا۔

خلاد بن یحیٰ

ان پر ارجاء اور قدریت کا الزام ہے۔ اور میں بد عقیدہ راویوں کے قبول روایت کے متعلق خود شیعہ مصنفین کے اقوال پہلے نقل کر چکا ہوں۔

داود بن الحصین

ان پر خارجیت کا الزام ضرور ہے مگر یہ اپنے مذہب کی طرف کسی کو دعوت نہیں دیتے تھے اور ایسے لوگوں کی روایتیں لے لی جاتی ہیں بایں ہمہ بخاری نے ان کی ایک سے زیادہ روایت نہیں لی ہے۔

راشد بن سعد

ان کا یہ عیب ہے کہ یہ صفین میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے لیکن میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اتنی بات کی وجہ سے روایت نہیں رد کی جا سکتی۔

رافع بن خدیج

کا یہ گناہ ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی، اس کی نسبت بھی پہلے لکھا جا چکا ہے۔

زرعہ بن عبدالرحمٰن

ان پر یہ جھوٹی تہمت لگائی ہے کہ یہ قاتلان حسین میں سے ہیں، اور دلیل یہ ہے کہ "زرعہ نام کے ایک شخص نے حضرت حسینؓ پر تیر چلایا تھا۔" میں کہتا ہوں

کہ یہ صحیح ہے لیکن اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ زرعہ یہی ہیں، یہ کیا بے ایمانی ہے کہ جس کا نام زرعہ دیکھ لیا اس کو وہی زرعہ فرض کر لیا جس نے تیر چلایا تھا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ کوئی کسی کتاب میں جعفر کذاب کے حالات پڑھ کر کہتا پھرے کہ جعفر صادق کے یہ کارنامے ہیں۔

زیاد بن علاقہ

ان پر ازدی نے دشمنی اہلبیت کا الزام لگایا ہے مگر ازدی کی جرحیں قابل اعتماد ولائق التفات نہیں ہیں (دیکھو مقدمہ فتح وتذکرۃ الحفاظ)

زید أبو عیاش

ان کی صرف ایک روایت سنن میں ہے اور وہ بھی ہمارے یہاں کمزور ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہے، لہذا اس کی وجہ سے اعتراض بیکار ہے۔

زبیر بن العوامؓ

رجال بخاری کے بدزبان مؤلف نے حضرت زبیرؓ کے حق میں دل کھول کر بدگوئی کی ہے اور اپنا اعمالنامہ خوب سیاہ کیا ہے۔ سب سے پہلے "امام حسن" کا یہ ارشاد نقل کرتا ہے کہ خدا زبیر پر رحم نہ کرے۔ حیرت ہے کہ اس کو حضرت حسن کا یہ قول ملتا ہے اور حضرت علیؓ (والد بزرگوار امام حسنؓ) کا قول نہیں ملتا حالانکہ وہ بھی اسی عقد فرید میں ہے، مذکور ہے رحم الله الزبیر لطا لما فرج الله به الکرب عن وجه رسول الله صلی الله علیه وسلم (ص ۱۰۴ ج ۳) اللہ زبیر پر رحمت نازل کرے بہت سی دفعہ اللہ نے زبیر ہی کے ذریعہ رسول اللہ کی تکلیف دور کی۔

اب مرزا صاحب بتائیں کہ وہ امام علی کے قول کو ترجیح دیں گے یا "امام حسنؓ " کے قول کو؟ جس کو امام معصوم حضرت علیؓ مستحق رحمت قرار دیں اس کے حق میں بد دعا کرنا، معصوم کی عصمت پر حملہ، اور اپنی عصمت کو برباد کرنا ہے یا نہیں۔

اس کے بعد لکھتا ہے کہ "طلحہ وزبیر نے اپنا حکمراں عورت کو بنایا تھا اور کمان فوج کی حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں تھی اس لئے طلحہؓ وزبیرؓ کا ناجی ہونا مشکل ہے "(ص ۱۱۵) اور اس کی بنیاد اس پر رکھتا ہے کہ جب کسریٰ کی بیٹی کو عجم کے لوگوں نے اپنا حکمراں بنایا تو اس وقت پیغمبر خدا نے فرمایا وہ لوگ نجات نہیں پا سکتے جو اپنا حکمراں ایک عورت کو بنائیں۔

شیعہ مؤلف نے یہاں دو فریب کاریاں کی ہیں، ایک یہ کہ لن یفلح کا ترجمہ نجات نہیں پا سکتے" کیا حالانکہ اس کا ترجمہ کامیاب نہ ہوں گے، کرنا چاہئے، نجات کے لفظ سے اخروی نجات کی طرف ذہن جاتا ہے اور مؤلف یہی سمجھانا چاہتا ہے حالانکہ لن یفلح سے یہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں ناکامی مراد ہے اور دلیل یہ ہے کہ کسریٰ کی قوم مجوسی تھی وہ عورت کو اپنا حکمراں نہ بناتی تب بھی نجات نہیں پا سکتی تھی لہٰذا اس کے نجات نہ پانے کو عورت کے حکمراں بنانے کا نتیجہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ ہاں دنیا میں ناکامی مراد لی جائے تو بالکل صحیح ہے لیکن اس سے طلحہؓ وزبیرؓ کی مذمت کیوں کر ثابت ہوتی ہے، طلحہؓ وزبیرؓ یا ان کی مذمت کا یہاں کیا ذکر ہے۔ حدیث تو کسریٰ کی قوم کے باب میں ہے لہٰذا اس پر طلحہؓ وزبیرؓ کی مذمت کا عنوان قائم کرنا دوسری فریب کاری ہے۔ ہاں اگر یہ کہیئے کہ اس حدیث کی رو سے طلحہؓ وزبیرؓ کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت عائشہؓ کو حکمراں نہ بناتے تا کہ وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں کامیاب ہوتے تو میں کہوں گا کہ اولاً تو اس کی کیا دلیل کہ طلحہؓ وزبیرؓ نے بھی یہ حدیث سنی تھی اور ثانیاً اگر سنی بھی ہو تو یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ اس وقت بھول گئے ہوں، ثالثاً

ابھی اسی میں کلام ہے کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے حکمراں بنایا تھا ،حضرت صدیقہؓ کو ان حضرات نے یا ان حضرات کو حضرت صدیقہؓ نے اپنے ساتھ ضرور لیا تھا، لیکن حضرت صدیقہ کو حکمراں نہیں بنایا تھا۔ جنگ جمل میں یہ تینوں حضرات سالار لشکر کی حیثیت بدرجہ مساوی رکھتے تھے بلکہ بہت سے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ طلحہؓ وزبیرؓ ہی درحقیقت صاحب امر تھے اور فوج کی کمان انہیں کے ہاتھ میں تھی، المختصر حدیث میں حضرت طلحہ وزبیر کی کوئی مذمت یا ان کے ناجی نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ آنحضرت نے صراحۃً حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے جنتی ہونے کی خبر دی ہے۔

اور حضرت علیؓ نے فرمایا واللہ انی لا رجو ان اکون انا و عثمان و طلحه والزبیر من اللذین قال الله فیهم و نزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین (ص ۱۰۲ ج ۳) خدا کی قسم میں امیدوار ہوں کہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے سینوں سے کینے دور کر کے ان کو بھائی بھائی بنا دیا وہ جنت میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

قتل عثمانؓ اور طلحہؓ وزبیرؓ

شیعہ مؤلف نے حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ خون عثمانؓ میں شریک تھے لیکن اس کا ثبوت دینے میں سراسر فریب کاری کی ہے۔ تاریخ کی ابجد سے جو واقف ہے، وہ بھی اتنا جانتا ہے کہ حضرت عثمانؓ پر ہاتھ اٹھانا تو بڑی بات ہے ان کی شہادت کے وقت ان کے گھر میں یا گھر کے باہر بھی طلحہؓ وزبیرؓ نہ تھے ۔بلکہ دونوں حضرات اپنے اپنے گھر میں تھے اور اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں

نے کسی سے یہ کہا ہو کہ عثمانؓ کو قتل کر دو، پس ایسی حالت میں یہ کہنا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے کہ انہوں نے خون عثمان میں شرکت کی۔ اگر کہئے کہ ان کا مدد کے لئے کھڑا نہ ہونا اور بلوائیوں سے مقابلہ نہ کرنا یہی خون عثمانؓ میں شرکت ہے تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے مخالفوں پر تلوار اٹھانے سے منع کر دیا تھا جیسا کہ خود حضرت علیؓ نے اس کا اظہار فرمایا ہے علاوہ بریں اس میں زبیرؓ و طلحہؓ کی کیا خصوصیت ہے، اس جرم میں تو حضرت علیؓ وغیرہ بھی شریک تھے لہذا تنہا زبیرؓ و طلحہؓ کو مطعون کرنا سخت بے انصافی و بے ایمانی ہے۔ اگر کہئے کہ زبیرؓ و طلحہؓ نے بلوائیوں کو خط لکھ کر بلوایا تھا تو یہ بھی بالکل غلط ہے اس کا بھی کوئی ثبوت تاریخوں میں نہیں ہے۔ اب اس کے سوا اور کوئی بات نہیں رہ جاتی کہ بعض لوگوں نے ان حضرات پر خون عثمانؓ میں شرکت کا الزام رکھا ہے۔ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ بے شبہ بلوائیوں نے بہت سے صحابہ کی نسبت لوگوں کو باور کرایا کہ ان حضرات نے ہم کو بلوایا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ وغیرہ کے بھیجے ہوئے بعض خط بھی پیش کئے، جس میں حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی ترغیب تھی، مگر حضرت علیؓ وغیرہ نے ان خطوط سے براءت ظاہر کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ یہ ساری بلوائیوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ اسی طرح بلوائیوں نے بہت سے لوگوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ زبیرؓ وغیرہ ہمارے ہم خیال ہیں اور بہت سے لوگوں پر ان کا جادو چل بھی گیا اور انہوں نے یقین کر لیا کہ واقعہ یوں ہی ہے لیکن در حقیقت یہ بات نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ کی حفاظت اور ان کے دروازہ پر پہرہ دینے کے لئے جو لوگ آمادہ ہوئے تھے ان میں خود طلحہؓ و زبیرؓ کے صاحبزادے محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ بھی تھے، اگر ان حضرات کو عثمانؓ کا قتل منظور ہوتا تو اپنے بیٹوں کو ان کی حفاظت کے لئے مسلح کر کے کیوں بھیجتے حضرت زبیرؓ وغیرہ کا خود

اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی مدد کے واسطے بھیجا عقد فرید [۱] ص ۸۳ ج ۳ میں مذکور ہے اور اسی صفحہ میں بلوائیوں کے تیروں کی بارش سے طلحہ کے لڑکے محمد کا خون سے رنگ جانا بھی مذکور ہے پھر ص ۸۴ ج ۳ میں یہ بھی مذکور ہے جب "طلحہؓ وزبیرؓ اور علیؓ و سعدؓ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ فوراً اپنے گھروں سے نکلے اور حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچے تو ان کو مقتول پایا سب نے انا للہ پڑھا" اگر حضرت زبیرؓ و طلحہؓ کی خون عثمانؓ میں شرکت تھی تو اس وقت حضرت سعدؓ و علیؓ نے کیوں نہیں کہا کہ تم لوگ قتل کرا کے اب انا للہ پڑھتے ہو؟ مجمع الزوائد ص ۲۳۳ ج ۷ میں ہے کہ حضرت عثمانؓ وصیت کر گئے تھے کہ میرا جنازہ زبیرؓ پڑھائیں چنانچہ انہیں نے نماز جنازہ پڑھائی اور دفن میں شریک ہوئے۔ کیا لوگ اپنے قاتل ہی کو اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کر جاتے ہیں؟ عقد فرید ص ۸۱ ج ۳ میں ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو دفن کیا ان میں عبداللہ بن زبیرؓ بھی تھے۔

اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ شیعہ مولف نے حضرت سعدؓ کا جو قول نقل کیا ہے اولاً اس کی صحت میں کلام ہے اس لئے کہ وہ کسی پختہ سند سے منقول نہیں ہے اور ایسی باتیں بلا سند نہیں مانی جا سکتیں، دوسرے یہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت علیؓ کو بھی خون عثمانؓ میں شریک بتایا ہے اور شیعہ مولف نے حضرت علیؓ کی حمایت میں لکھا ہے کہ سعدؓ و قاص جھوٹ بولتے ہیں کہ امیر المومنین قاتل عثمانؓ ہیں "(ص ۱۴۸) پس اگر سعدؓ جھوٹ بولتے ہیں (معاذ اللہ) تو اس سے بڑھ کر اور کیا بے ایمانی ہو گی کہ جھوٹے کا قول سند میں پیش کیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اگر حضرت علیؓ اپنی زبانی براءت سے بری ہو سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان دلائل کی وجہ سے جو ہم

---

[۱] صواعق محرقہ ص ۷۰ میں اور تاریخ الخلفاء ص ۱۰۹ میں بھی یہ تینوں باتیں مذکور ہیں۔ ۱۲ منہ

نے اوپر ذکر کئے ہیں حضرت زبیرؓ وغیرہ کی براءت بھی تسلیم نہ کی جائے۔ چوتھے یہ کہ حضرت سعدؓ کے قول کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو شیعہ مؤلف سمجھانا چاہتا ہے۔ بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ جب لوگوں کو حضرت عثمانؓ سے شکایت پیدا ہوئی تو حضرت علیؓ و طلحہؓ وغیرہما نے حضرت عثمانؓ سے تیز تیز باتیں کیں۔ اس سے لوگوں کی جراءت بڑھ گئی۔ جس کا نتیجہ بغاوت اور بغاوت کے بعد قتل عثمانؓ کی صورت میں ظاہر ہوا اگر حضرت سعدؓ کی یہ مراد نہ ہوتی اور وہ واقعی ان لوگوں کو خون عثمانؓ میں شریک سمجھتے ہوتے تو جس وقت وہ اور حضرت علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ شہادت عثمان کی خبر پا کر ان کے گھر گئے ہیں اور سب نے انا للہ پڑھا ہے۔ تو وہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے ضرور کہتے کہ۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے بہت سے لوگ حضرت علیؓ کو بھی قتل عثمانؓ میں شریک کہتے تھے۔ اور ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت علی نے حضرت عثمانؓ کی مدد نہ کی اور بلوائیوں کو اپنے اثر سے مدینہ سے نکالنے کی کوشش نہیں کی۔

پانچویں بات یہ ہے کہ شیعہ مؤلف نے حضرت علیؓ کی براءت اس سے ثابت کی ہے کہ وہ قاتلین عثمانؓ پر لعنت کرتے تھے۔ پس اگر اس سے حضرت علیؓ کی براءت ثابت ہوتی ہے تو حضرت عائشہؓ کی براءت بھی ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ قاتلین عثمانؓ پر عائشہؓ کے لعنت کرنے کو بھی خود شیعہ مؤلف نے اسی جگہ نقل کیا ہے اور اس سے زبیرؓ و طلحہؓ کی براءت بھی ثابت ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ واقعہ جمل کے دن کا ہے اور طلحہؓ و زبیر جمل میں حضرت عائشہؓ کے ہمراہی تھے، پس یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے ہمراہیوں پہ لعنت کریں۔

(ایک لطیفہ) شیعہ مولف کو یہاں اپنے اصول سے جیسا کہ اس نے حسن بصری کے حال میں لکھا ہے یہ لکھنا چاہئے کہ مجرم کبھی اپنے جرم کا اقبال نہیں کرتا انکار کرتا ہے لہذا حضرت علیؓ کا انکار کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ فیصلہ کثرت آراء پر ہوتا ہے۔ کثرت آراء (حضرت سعد، نائلہ اور زبیر کا قول خود مؤلف نے نقل کیا ہے) اسی طرف تھی کہ حضرت علی شریک تھے (رجال بخاری ص ۹۲ بادنیٰ تغیر) مؤلف نے امام مالک کا جو مقولہ نقل کیا ہے۔ وہ عقد فرید میں مبرد کی کامل سے منقول ہے اور مبرد کی نقل ان مباحث میں ناقابل اعتناء ہے اسلئے کہ مبرد کا میلان خارجیت کی طرف تھا۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ص ۴۴۸ جلد اول میں لکھتا ہے و نسب ابو العباس محمد بن یزید المبرد الی رای الخوارج لا طنابه فی کتابه المعروف بالکامل فی ذکرهم وظهور المیل منه الیهم الخ بالخصوص جب کہ امام مالک کا قول حضرت علی و عثمان کے باب میں معروف و مشہور ہے۔ اس کے علاوہ جو باتیں الامامۃ والسیاسۃ، مطالب السؤل، فصول مہمہ، تذکرہ خواص الامۃ اور الروضۃ السندیہ سے نقل کی ہیں۔ وہ بھی ناقابل توجہ ہیں ان کتابوں کا حال کتنی دفعہ لکھا جائے۔

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی حضرت علیؓ سے مخالفت

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو حضرت علیؓ سے کوئی مخالفت نہیں تھی، جو یہ کہتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے عہدہ مانگا انہوں نے نہیں دیا اس لئے مخالف بن گئے وہ جھوٹ بولتا ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں متأمل تھے اور ابھی غور و فکر ہی کر رہے تھے کہ زبردستی پکڑ لائے گئے اور مالک اشتر نے تلوار کھینچ لی تو مجبوراً اس شرط پر بیعت کی کہ حضرت علیؓ حدود الٰہی (قصاص وغیرہ کی حد) قائم کرنے میں سستی نہ کریں گے اس کے بعد جب حضرت

زبیرؓ و طلحہؓ نے حضرت علیؓ کو یاد دلایا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینا چاہیئے تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ جب تک کل امور منظم نہ ہو جائیں میں تمہاری رائے پر عمل نہیں کر سکتا۔ دو چار روز کے بعد زبیرؓ و طلحہؓ نے لوگوں کے خیالات معلوم کرنے کے لئے کوفہ و بصرہ جانے کی اجازت مانگی حضرت علیؓ نے کسی مصلحت سے اجازت نہ دی۔ لیکن چونکہ فرقہ سبیۂ بہت شیر ہو گیا تھا اور بات بات پر فتنہ برپا کرنے کو آمادہ ہو جاتا تھا، اس لئے طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ سے اجازت لیکر مکہ چلے گئے حضرت عائشہؓ محاصرۂ حضرت عثمانؓ کے وقت بقصد حج مکہ چلی گئی تھیں واپسی میں بمقام سرف ان کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا گیا۔ یہ سنتے ہی مکہ لوٹ آئیں۔ اور کہا کہ میں خون عثمانؓ کا انتقام لوں گی، بہت سے لوگ ان کے ساتھ ہو گئے ،اسی اثناء میں طلحہؓ و زبیرؓ مکہ پہنچے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا تم لوگ کیسے آئے جواب دیا، بلوائیوں کے خوف سے۔ وہ لوگ اخیار و شرفائے مدینہ پر حاوی ہو گئے ہیں۔ حق کو باطل سے ممتاز نہیں کرتے" ام المومنین نے کہا ہمارے ساتھ ان کی طرف خروج کرو۔ طلحہؓ و زبیرؓ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہو گئے۔ یہ ساری باتیں تقریباً انہیں الفاظ میں تاریخ ابن خلدون میں پڑھیئے۔ اور بتایئے کہ کہیں سے حضرت علیؓ کے ساتھ زبیرؓ و طلحہؓ کی مخالفت کا پتہ چلتا ہے؟ اس کے بعد فرقہ سبیۂ نے بیشک حضرت علیؓ کو یہ باور کرایا کہ حضرت زبیر وغیرہ آپ سے باغی ہو گئے اور آپ کی خلافت سے ناراض ہو کر بصرہ گئے ہیں۔ لیکن یہ ایک جھوٹا پروپیگنڈہ تھا۔ اس کی دلیل قعقاع بن عمروؓ کی وہ گفتگو ہے جو حضرت عائشہؓ وغیرہ سے ہوئی ہے (دیکھو ترجمہ ابن خلدون ص ۲۷۷ ج ۴) اس کو پڑھیئے اور دیکھئے کہ دونوں جماعتوں کا صحیح عندیہ ایک دوسرے کو معلوم ہونے کے بعد دونوں کی غلط فہمی کتنی جلدی دفع ہو گئی اور حضرت علیؓ نے لشکر کو کوچ کرنے اور حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کرنے والوں کو اپنے گروہ سے نکل جانے کا حکم دیدیا

مگر مصریوں کو ناگوار ہوا اور اشتر وغیرہ نے خفیہ یہ طے کر لیا کہ بصرہ پہنچ کر رات کی تاریکی میں حضرت علیؓ کی رائے کے خلاف دفعۃً طلحہؓ کی فوج پر حملہ کر دینا چاہئے تاکہ دونوں فریقوں میں کسی طرح صفائی اور صلح و آشتی نہ ہونے پائے، (دیکھو ابن خلدون ص ۲۷۸ ج ۴) چنانچہ بصرہ پہنچ کر زبیرؓ اور علیؓ دونوں سے لڑائی چھیڑنے کو کہا گیا تو دونوں نے یکساں جواب دیا اور کہا کہ صلح کی بات چیت ہو رہی ہے ہم سے غداری نہ ہو گی (ابن خلدون ص ۲۸۰ ج ۴) چناچہ صلح کی بات مکمل ہو گئی، اور طے ہو گیا کہ کل صلح نامہ و معاہدہ لکھ دیا جائے گا، مگر بلوائیوں اور فتنہ پردازوں نے علی الصباح فریقین کی لا علمی میں لڑائی کا رنگ جما دیا (ابن خلدون ص ۲۸۳ ج ۴) یہی ساری باتیں کامل ابن اثیر جلد سوم ص ۹۱ سے ص ۹۵ تک میں مذکور ہیں۔ ان تاریخی بیانات سے واضح ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو حضرت علیؓ سے کوئی مخالفت نہیں تھی ان کو جو کچھ پرخاش تھی، وہ قاتلین عثمان اور بلوائیوں سے تھی، ان بیانات میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ انہوں نے حضرت علی سے کوئی عہدہ مانگا تھا ان بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فریقین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جنگ کو پسند نہ کرتا تھا، نہ اس کے لئے آمادہ تھا۔ مگر بلوائیوں نے اپنے مفاد کے لئے ان کی لا علمی میں جنگ چھیڑ دی۔

طلحہؓ و زبیرؓ پر جھوٹ بولنے کی تہمت

جس مذہب کی بنیاد جھوٹ پر ہے اس کے ماننے والوں نے جب حضرت علیؓ پر جھوٹ بولنے کی تہمت رکھنے سے دریغ نہیں کیا اور ان کو فخریہ تقیہ باز کہا وہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پر بھی جھوٹ کی تہمت رکھیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ہمارے عقیدہ میں جس طرح حضرت علیؓ کا دامن اس آلائش سے پاک ہے اسی طرح

حضرت طلحہؓ وزبیرؓ بھی اس عیب سے منزہ ومبرا ہیں۔اور شیعہ مؤلف نے جو قصہ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جواب پر پہنچ کر کہا کہ مجھ کو پھیر لے چلو مگر طلحہؓ و زبیرؓ نے کہا کہ یہ چشمہ ُجواب نہیں ہے۔یہ قصہ ابن الکلبی رافضی کا تراشیدہ ہے ۔شیعہ مؤلف خود اس کو ابن الکلبی کا بیان لکھتے ہیں۔(ص ۱۵۴)اور وہ سخت رافضی تھا دیکھو میزان الاعتدال وغیرہ۔

صحیح واقعہ یوں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جب واپسی کا قصد کیا تو حضرت زبیرؓ نے ان سے یہ کہا کہ چلئے ممکن ہے آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دونوں جماعتوں کو باہم متفق کردے (مجمع الزوائد ص ۲۳۴ ج ۷)اس پر بھی حضرت عائشہؓ ایک شبانہ روز اہل قافلہ کے ساتھ وہیں قیام پذیر رہیں اتنے میں یہ غل اٹھا کہ جلدی کرو بیشک علیؓ پہنچ گئے،پس قافلہ نے نہایت تیزی سے بصرہ کا رخ کیا(ابن خلدون ص ۲۶۳ ج ۴)

طلحہؓ وزبیرؓ پر بے گناہوں کے قتل کی تہمت

شیعہ مؤلف لکھتا ہے کہ بصرہ کے بیت المال پر ۴۰یا ۴۰۰ آدمی مقرر تھے طلحہؓ وزبیرؓ مل کر سحر کے وقت وہاں گئے اوران بے گناہوں کو قتل کرڈالا یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔فتوح البلدان کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں طلحہؓ وزبیرؓ کا جانا اور قتل کرنا مذکور نہیں ہے بلکہ فاتوھم فی السحر فقتلوھم ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طلحہؓ وزبیرؓ کی جماعت کے کچھ لوگ سحر کے وقت گئے اوران کو قتل کیا آگے کی عبارت اس کو اور صاف کررہی ہے۔و کان عبد اللہ بن الزبیر المتولی لا مرھم فی جماعۃ الخ یعنی یہ مہم ابن الزبیر نے ایک جماعت کے ساتھ انجام دی۔اس تصریح کے بعد طلحہؓ وزبیرؓ کا نام لینا سخت بے حیائی ہے۔

دوسری خیانت یہ ہے کہ شیعہ مؤلف نے پورا واقعہ نقل نہیں کیا ورنہ معلوم ہو جاتا کہ یہ چالیس آدمی بے گناہ قتل نہیں ہوئے تھے۔ کامل ابن الاثیر وغیرہ میں مذکور ہے کہ عثمان بن حنیف انصاری اور حضرت طلحہؓ میں ایک تحریری معاہدہ ہوا کہ ایک شخص مدینہ بھیجا جائے جو وہاں جا کر تحقیق کرے کہ طلحہؓ وزبیرؓ سے زبردستی بیعت لی گئی ہے یا نہیں۔ اگر زبردستی ان سے بیعت لی گئی ہو گی تو عثمان بن حنیف بصرہ خالی کر دیں گے اور اگر خوشی سے بیعت کی ہو گی۔ تو طلحہؓ وزبیرؓ بصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے، چنانچہ کعب بن سور مدینہ گئے اور آکر بیان کیا کہ بے شک طلحہؓ وزبیرؓ بصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے، چنانچہ کعب بن سور مدینہ گئے اور آکر بیان کیا کہ بے شک طلحہؓ وزبیرؓ سے زبردستی بیعت لی گئی ہے۔ اب عثمانؓ سے بصرہ خالی کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے حضرت علیؓ کے کسی خط کی وجہ سے انکار کر دیا۔ رات کو طلحہؓ وزبیرؓ اس مسجد میں نماز پڑھنے گئے جہاں عثمانؓ امام تھے مگر اس دن انہوں نے نماز عشاء میں دیر کی طلحہؓ وزبیرؓ نے عبدالرحمٰن بن عتاب کو امام بنا دیا۔ اس پر وہی چالیس آدمی بگڑ گئے **فشهر الزط والسيابجة السلاح ووضعوه فيهم** (کامل ص ۸۴ ج ۳) یعنی زط وسیابجہ نے تلواریں سونت لیں اور طلحہ وزبیرؓ کی جماعت پر چلانا شروع کر دیا۔ اس جماعت نے بھی جواب دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چالیسوں ختم ہو گئے۔ ص ۲۳۲ ج ۷ ابن کثیر میں اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ **ووقع من رعاع الناس من اهل البصرة كلام و ضرب فقتل منهم نحو من اربعين رجلا** (بصرہ کے چند اوباش آدمیوں کی طرف سے کچھ سخت کلامی اور مار پیٹ شروع ہو گئی، پس ان میں کے چالیس آدمیوں کے قریب قتل ہو گئے۔ دیکھئے پورا واقعہ سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ مسجد میں تلوار چلانا عثمان بن حنیف کے آدمیوں نے ہی شروع کیا اب یہ بے گناہ کیسے ہو گئے۔

کیا طلحہؓ و زبیرؓ نے عثمان بن حنیفؓ پر ظلم کیا

یہ بھی غلط واقعہ ہے صحیح یہ ہے کہ جب عثمان بن حنیف نے تحریری معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اور مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا تو اس کے بعد طلحہؓ و زبیرؓ نے چند آدمی کو عثمانؓ کو لانے کیلئے بھیجے، ان آدمیوں نے طلحہؓ و زبیرؓ کی ہدایت کے خلاف ان کے لاعلمی میں عثمان کے ساتھ بدسلوکی کی اور ان کے منہ کے بال نوچ لئے۔ چنانچہ جب عثمانؓ طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس اس حالت میں پہنچے تو طلحہ و زبیر کو یہ بات بیحد شاق گزری اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کو اس کی اطلاع کی، حضرت عائشہؓ نے کہلا بھیجا کہ عثمانؓ کو اب چھوڑ دو۔ کامل میں ہے فاستعظما ذالك (ص ۸۴ ج ۳) اور ایسا ہی ابن کثیر ص ۲۳۲ ج ۷ میں بھی ہے۔ شیعہ مؤلف سے خدا سمجھے کہ اس تصریح کے بعد بھی وہ طلحہ و زبیر پر الزام رکھتا ہے بعض تاریخوں میں دوسری طرح سے یہ واقعہ مذکور ہے ،وہ نا قابل اعتماد ہے اور اس کی سند مجروح ہے۔

طلحہؓ و زبیرؓ پر علیؓ سے دشمنی کی تہمت

شیعہ مؤلف نے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پر یہ تہمت بھی رکھی ہے کہ ان کو حضرت علیؓ سے عداوت تھی اور اس کے لئے ایک تو ترجمہ ابن خلدون کا حوالہ دیا، دوسرا تاریخ اعثم کوفی کا، مؤخر الذکر کی نسبت بتایا جاچکا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ اور ترجمہ ابن خلدون میں مترجم نے ترجمہ غلط کیا ہے اصل عربی عبارت یوں ہے فقال علی لعمری قد اعددتما سلاحا و خیلا ورجالا ان کنتما اعددتما عند الله عذرا (حضرت علی نے فرمایا بقسم تم لوگوں نے اسلحہ اور سوار اور پیادے تو مہیا کر لئے کاش خدا کے یہاں کے لئے کوئی عذر بھی مہیا کرتے) اس عبارت میں حضرت علی نے

طلحہؓ وزبیرؓ کی عداوت کا کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے۔

بہر حال حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کی عداوت حضرت علیؓ سے ثابت نہیں اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ اس حدیث پر کوئی گفتگو کی جائے جس کو مؤلف نے مسلم سے نقل کیا ہے تاہم اس کی صحیح مراد سے ناظرین کو باخبر کر دینا خالی از فائدہ نہیں ہے۔

حدیث بغض علیؓ

اس حدیث کی صحیح مراد یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے ان کی قوت ایمانی، ان کی قرابت رسول اور ان کی خدمات کی بنا پر ایک مومن ہی محبت رکھے گا اور ان باتوں کی بنا پر ان سے دشمنی رکھنا کسی منافق ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ صاحب مفہم لکھتے ہیں واما الحروب الواقعة بينهم فان وقع من بعضهم بغض لبعض فذاك من غير هذه الجهة بالامر الطارئ الذى اقتضى المخالفة و لذالك لم يحكم بعضهم على بعض بالنفاق وانما كان حالهم فى ذالك حال المجتهد ين فى الاحكام یعنی صحابہ کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں پس اگر ان میں بعض کی بعض سے دشمنی ثابت بھی ہو جائے تو وہ مذکورہ بالا جہت سے نہیں ہے۔ بلکہ ایک عارضی بات کی وجہ سے جو موجب مخالفت ہو گی۔ اسی لئے کسی فریق نے دوسرے پر نفاق کا حکم نہیں لگایا۔ ان لڑائیوں میں ان کے اختلاف کی نوعیت بالکل وہی ہے جو مجتہدین کے احکام میں مختلف ہونے کی ہے۔ (فتح الباری ص ۴۸ ج ۱)

شیعہ مؤلف نے اس جگہ ثمرات الاوراق سے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کا ایک مکالمہ بھی نقل کیا ہے لیکن اس نے یہ نہیں سوچا کہ اگر یہ مکالمہ صحیح ہو تو حضرت علیؓ اور خود ابن عباسؓ اپنی زبانی گمراہ ٹھہرتے ہیں اس لئے کہ حضرت علیؓ و ابن عباسؓ بلا شبہ طلحہؓ وزبیرؓ و حضرت عائشہؓ بلکہ ان کی پوری جماعت کو

مومن سمجھتے تھے لہذا وہ مومنین سے لڑنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے (معاذ اللہ) شیعہ مؤلف حضرت علیؓ کی نسبت ایسا کہنے کی جرأت کریں تو کریں اہلسنت ایسا تو ہم بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے نزدیک یہ قصہ ہی صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت زبیرؓ محاذ جنگ سے بھاگے تھے، اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو ایک حدیث یاد دلادی تھی، جس کی وجہ سے وہ حضرت علیؓ کی جماعت سے لڑنے کا ارادہ فسخ کر کے وادی السباع کی طرف چلے گئے، بھاگنا اس کا نام نہیں ہے۔ بھاگنا جب ہو تا کہ جان کے ڈر سے بھاگتے۔

مودۃ القربیٰ سے جو حدیث نقل کی ہے وہ بالکل جعلی ہے اسی طرح جمیع بن عمیر اور حضرت عائشہؓ کی گفتگو بھی ایک فرضی افسانہ ہے اور خود مودۃ القربیٰ کوئی مستند کتاب نہیں ہے۔

تاریخوں میں یہ ضرور مذکور ہے اما انك تقاتله وانت له ظالم (اے زبیر تم علی سے لڑوگے دراں حالیکہ تم اس لڑائی میں حق پر نہ ہوگے) لیکن حضرت زبیرؓ نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ حضرت علیؓ کے یاد دلانے سے جب ان کو یہ حدیث یاد آئی تو وہ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور وہ حدیث جو حضرت عائشہؓ کی نسبت عقد فرید سے نقل کی ہے وہ موضوع ہے۔ زبیرؓ و ابن الزبیرؓ کی گفتگو میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ علیؓ سے لڑنے میں دین کا نقصان ہے۔ مؤلف نے زبیر کے جواب کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے۔ ما لی فی هذا الامر من بصیرة کے یہ معنی ہیں کہ مجھ کو اس معاملہ میں بصیرت نہیں ہے (یعنی صاف سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑا جائے یا نہیں) یہ ترجمہ کرنا کہ "اس لڑائی میں دین کی خوبی نہیں دیکھتا" سخت جہالت یا بددیانتی ہے۔

زبیر و اسماء

زبیر کا حضرت اسماء کے ساتھ نہایت بہتر سلوک تھا ان کو مارنے پیٹنے کا قصہ جعلی ہے۔ رہی عارضی رنجش تو اس سے "معصومین" بھی نہیں بچے ہیں۔ فاطمہ "معصومہ" کی موجودگی میں ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کی بات چیت اور جگر گوشۂ رسول اور شاہ کونین کی پیاری صاحبزادی سے لڑ جھگڑ کر مسجد میں لیٹنے کا اگر کوئی جواب ہو سکتا ہے تو وہی زبیر و اسماء کے معاملہ میں بھی جاری کر لیا جائے۔

زیدؓ بن ثابت

شیعہ مؤلف لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو جابر و ظالم کہا۔ یہ حضرت عمرؓ پر صحیح افتراء ہے اس لئے کہ اولاً تو یہ بات شیعہ مؤلف مولوی حامد حسین (شیعہ مجتہد) کی کتاب سے نقل کرتا ہے، اور شیعوں نے جو جو افتراء صحابہ پر کئے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں دوسرے جو عبارت نقل کی ہے اس کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ جائر کے معنی ٹیڑھی راہ چلنے والے کے ہیں۔ جابر و ظالم ترجمہ کرنا جہالت ہے۔

دوسرا عیب یہ بتایا ہے کہ "زید کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے" اس میں خیانت کی ہے نووی کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ زیدؓ وغیرہ نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے یعنی کسی وقت کسی معذوری وغیرہ کی بناء پر ان کو ایسا کرنا پڑا ہے جس کو شیعہ مؤلف نے بددیانتی سے عادت مستمرہ بنا دیا۔ شیعہ مؤلف کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت علیؓ نے بھی کھڑے کھڑے پیشاب کیا ہے۔ دیکھو لسان المیزان ص ۱۳۷ ج ۲۔

زھـــری

شیعہ مولف کا پہلا افتراء ان پر یہ ہے کہ ان کو اہل بیت سے عداوت تھی اور ابن ابی الحدید کی شہادت اس پر پیش کی ہے۔ لیکن آپ پڑھ چکے ہیں کہ ابن ابی الحدید کی شہادت اس باب میں قطعاً معتبر نہیں ہے۔

پھر صواعق محرقہ سے یہ نقل کیا ہے کہ "زہری نے عبد الملک کے کہنے سے حضرت علیؓ کا "یہ معجزہ" کہ ان کے شہادت کے دن جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون ابلتا تھا۔ جب تک عبد الملک زندہ رہا بیان نہیں کیا" مگر معلوم نہیں شیعہ مؤلف اس سے زہری کی عداوت اہل بیت کس طرح ثابت کرتا ہے، صواعق میں تو تصریح ہے کہ زہری نے عبدِ الملک کی وفات کے بعد یہ واقعہ بیان کیا۔ اگر دشمنی ہوتی تو جس طرح عبد الملک کی زندگی میں نہیں بیان کیا اس کے مرنے پر بھی کسی سے نہ کہتے۔

اگر مؤلف کہے کہ عبد الملک سے ڈر جانا اور اس کی زندگی میں نہ بیان کرنا ہی بڑا عیب ہے تو میں عرض کروں گا کہ تب تو امام زین العابدین کا یزید سے ڈر کر اس کی غلامی کا اقرار کر لینا اور یہ کہنا کہ میں تیرا مجبور غلام ہوں تیرا دل چاہے اپنی غلامی میں روک رکھ یا مجھے بیچ ڈال" (دیکھو روضۂ کافی ص ۱۱۰) اس سے کہیں بڑا عیب ہو گا۔

مولف نے دوسرا الزام زہری کو یہ لگایا ہے کہ وہ تدلیس کرتے تھے اس کی نسبت میں ابراہیم نخعی اور بشیر بن مہاجر کے حالات میں لکھ چکا ہوں۔

تیسری بات یہ لکھی ہے کہ ولید بادشاہ نے زہری کو فاسق کہا ہے۔ معلوم نہیں شیعہ مولف ولید کو اپنے مذہب کا امام جانتے ہیں یا مجتہد؟ جو اس کا قول سند میں پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے مورخین تو اس کا ذکر "ولید فاسق" کے عنوان سے کرتے

ہیں۔اور لکھتے ہیں وکان فاسقا مشتھرا منھمکا متھتکا،لم یکن فی بنی امیۃ اکثر ادما نا للشراب والسماع ولا اشد مجونا وتھتکا واستخفا فا بامر الامۃ من الولید بن یزید ...اجمع اھل دمشق علی خلعہ و قتلہ لا شتھا رہ بالمنکرات وتظاھرہ والزندقۃ (حیوۃ الحیوان ص ۱۲۸و ۱۲۹ج ۱)اور تاریخ الخلفاء میں ہے۔کان فاسقا شریبا للخمر منتھکا حرمات اللہ (ص ۱۷۰)اسی صفحہ میں ذہبی سے نقل کرتے ہیں۔اشتھر بالخمر والتلوط۔ان تمام عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ولید ایک مشہور بدکار،گناہوں میں منہمک،اور شریعت کا تہتک کرنے والا تھا۔بنو امیہ میں اس سے بڑھ کر شرابی،گانے بجانے والا،امت اسلامیہ کا مذاق اڑانے والا کوئی نہیں ہوا۔اس کو کفر و بے دینی کی شہرت کی بنا پر دمشق والوں نے اس کو تخت سے اتارنے اور قتل کرنے پر اتفاق کرلیا وغیرہ وغیرہ اس کی نسبت حدیث میں یہ پیشنگوئی بھی وارد ہوئی کہ میری امت میں ولید نام کا ایک شخص ہوگا وہ اس امت پر اتنا سخت ہوگا جتنا فرعون بھی اپنے قوم کے لئے نہ تھا(حیوۃ الحیوان ص ۱۲۹ج او تاریخ الخلفاء ص ۱۷۱) تاریخ الخلفاء میں یہ بھی ہے کہ زہری اس کی بدکاریوں کی وجہ سے ہشام سے کہا کرتے تھے کہ اپنے بعد ولید کو نامزد نہ کرنا،اسی وجہ سے ولید زہری سے خار کھائے ہوئے تھا۔اور وہ اپنے عہد میں زہری کو پاتا تو زندہ نہ چھوڑتا۔

اب شیعہ مولف کی دیانت ملاحظہ کیجئے کہ ایسے شخص کے قول سے سند لاتے ہیں اور جہاں سے اس کا قول نقل کرتے ہیں اسی جگہ اسی واقعہ میں ولید کے رات بھر میں ستر پیالے شراب کے چڑھا جانے کا ذکر بھی ہے اس کو ہضم کر جاتے ہیں ۔۔اسی طرح حیوۃ الحیوان سے ولید کی ادب دانی و فصاحت وغیرہ کا حال نقل کرتے ہیں مگر اس کے متصل ہی اس کی بدکاریوں کا تذکرہ ہے اس کو از راہ فریب کاری منظر عام پر لانا نہیں چاہتے۔

اس کے بعد شیعہ مولف نے زہری کو ہشام سے انعام پانے اور عبد الملک سے قصور معاف کرانے کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن شاید اس کو امام جعفر کے منصور سے انعام پانے اور حضرت حسنؓ و حسینؓ کے حضرت معاویہؓ سے انعام پانے کے واقعات بھول گئے اسی طرح وہ امام زین العابدین کے اقرار غلامی کو بھی فراموش کر گیا، ورنہ زہری کے یہ قصے نقل نہ کرتا۔

رجال کشی میں ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے چار سو دینار امام جعفر صادق کو انعام دیا ص ۱۳۱ حالانکہ خود امام موصوف نے منصور کو فاسق و مستحق جہنم فرمایا ہے (کشی ص ۱۵۹)

جلاء العیون میں ہے کہ ایک دفعہ امام حسنؓ شام گئے، اس وقت کہیں سے خراج کا بہت سامال و متاع آیا ہوا تھا۔ امیر معاویہؓ نے وہ تمام اٹھا کر امام حسنؓ کو دیدیا۔

ناسخ التواریخ (شیعہ) میں ہے کہ ایک دفعہ یمن کے خراج کی بڑی بھاری رقم حضرت معاویہؓ کے پاس جارہی تھی امام حسینؓ نے اس کو خواہ مخواہ لوٹ لیا اور صرف میں لانے کے بعد اس کی تحکمانہ اطلاع امیر معاویہؓ کو کی انہوں نے لکھا کہ میرے زمانہ میں آپ کو تکلیف نہ ہو گی۔ ناسخ التواریخ ہی میں یہ بھی ہے۔

شیعان علی سفر شام می کردند ومعاویہ را بہ شنعت و شتم می آزردند بایں ہمہ عطائے خود را از بیت المال می گرفتند و بہ سلامت فی رفتند۔ (ص ۳۷)	شیعان علی ملک شام کا سفر کرتے اور معاویہؓ کو برا بھلا کہہ کر ستاتے تھے، باوجود اس کے ان کے بیت المال سے وظیفہ انعام لیتے اور صحیح سلامت واپس آجاتے۔

شیعہ مؤلف نے عبد الملک سے قصور معاف کرانے کا قصہ نقل کرنے میں یہ بے ایمانی بھی کی ہے کہ اس کے وہ اجزاء جن سے زہری کی خداترسی، اور جرأت

ایمانی ثابت ہوتی تھی، حذف کر دیئے ہیں۔ اصل میں قصہ یوں ہے کہ زہری مصیصہ جارہے تھے، اسی سفر میں وہ عبدالملک سے بھی ملنے چلے گئے، یہ ابھی ایوان کے دروازے ہی پر تھے کہ عبدالملک نے حاضرین دربار سے پوچھا کہ جس دن حضرت حسینؓ کی شہادت ہوئی تھی اس دن بیت المقدس میں کیا عجیب بات ظاہر ہوئی تھی کسی نے جواب نہیں دیا، زہری بولے مجھ کو ایک بات معلوم ہے۔ یہ جواب عبدالملک تک پہونچایا گیا، اس نے ان کو اپنے پاس بلا کر وہی سوال کیا۔ زہری نے کہا جس رات کی صبح کو حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی اسی طرح جس رات کی صبح کو حضرت حسینؓ شہید ہوئے اس رات کو جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون ملتا تھا۔ عبدالملک نے کہا تم نے سچ بیان کیا۔ مجھ سے یہ بات اسی شخص نے بیان کی ہے جس نے تم سے بیان کی ہے۔۔۔ یہ ہے زہری کی ایمانی جرأت کہ انہوں نے اس واقعہ کے بیان کرنے میں کسی بات کی پروانہ کی۔ اس کے بعد عبدالملک نے زہری کو بہت سامال دیا۔ زہری مدینہ واپس ہوئے، اتفاق سے وہ گٹھری جس میں مال تھا گم ہو گئی، ان کو اپنے ایک غلام پر شبہ ہوا، اس کو ڈرایا دھمکایا اس نے اقرار نہیں کیا غصہ میں اس کو زمین پر گرادیا اور اس کے سینے پر چڑھ کر اس کو دبایا۔ زہری کی نیت مار ڈالنے کی نہ تھی لیکن وہ اتفاق سے مر گیا، زہری کو سخت ندامت ہوئی، مدینہ پہونچ کر دریافت کرتے پھرے کہ میرے توبہ کی بھی کوئی شکل ہے؟ کہیں سے خاطر خواہ جواب نہیں ملا کسی طرح اس کی اطلاع امام زین العابدین کو مل گئی، انہوں نے خود زہری کو بلا کر قصہ سنا، اور سن کر فرمایا کہ تمہارا توبہ یہ ہے کہ دو ماہ مسلسل روزے رکھو اور ایک غلام آزاد کرو اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا دو، یہ زہری کی خداترسی ہے کہ اتفاقیہ ان کے ہاتھ سے ان کا غلام ہلاک ہو گیا تو جب تک توبہ و معافی کی شکل معلوم نہ کر لی بے چین رہے اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو اہل بیت سے اور اہل بیت کو ان سے دشمنی نہ تھی۔

اس کے بعد زہری کا بیان ہے کہ عبدالملک کو میرے مال کے ضائع ہونے کی خبر کسی طرح ہو گئی، اس لئے جب میں دوبارہ گیا تو مجھ کو ملنے کی اجازت نہیں ملی تا آنکہ میں اس کے لڑکے کے معلم سے ملا اور لڑکے کے ذریعہ سے کہلایا کہ میری حاجت صرف یہ ہے کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ چنانچہ عبدالملک نے مجھ سے ملاقات کی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ زہری نے کوئی قصور نہیں کیا تھا۔ عبد الملک صرف مال ضائع ہونے کی وجہ سے ناراض ہو گیا تھا۔ سادہ واقعہ یوں ہے جس پر مولف نے بد دیانتی سے حاشیہ آرائی کی ہے۔

شیعہ مولف نے حدیث رسولؐ کی تکذیب کا الزام بھی زہری پر لگایا ہے اور اس پر تذکرہ خواص الامۃ کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے۔ مگر اولاً تو استدلال صاف نہیں ہے۔ دوسرے یہ کتاب معتبر نہیں ہے تیسرے پوری عبارت بھی نقل نہیں کی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ مولف نے یہاں بھی کوئی خیانت ضرور کی ہے۔

زہری کی حدیث کا غلط ہونا

شیعہ مولف نے ناظرین کو اس فریب میں بھی مبتلا کرنا چاہا ہے کہ امام مسلم نے زہری کی حدیث کو غلط ٹھہرایا ہے مگر صحیح واقعہ یہ ہے کہ امام مسلم کی رائے میں زہری سے ایک حدیث میں بھول ہو گئی ہے اس لئے اس کو انہوں نے غلط کہہ دیا ہے مسلم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ زہری نے غلط بیانی کی ہے۔ مسلم کے علاوہ اور جس نے زہری کی اس حدیث پر کلام کیا ہے اس کا بھی یہی منشا ہے، چنانچہ نووی شرح مسلم کی جو عبارت شیعہ مولف نے نقل کی ہے اس میں اس کا صاف صاف اظہار ہے مگر انہوں نے اس حصہ کو بد دیانتی سے نقل نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ قال ابو عمر

ولأعلم أحداًا من اهل العلم بالحديث المصنفين فيه عول على حديث الزهرى فى قصة ذى اليدين وكلهم تركوه لا ضطرا به انه لم يقم له اسناد ا ولا متنا وان كان اماما عظيما فى هذا الشان فالغلط لا يسلم منه بشر والكمال لله تعالىٰ (ص ۲۱۴ ج ۱) یعنی محدثین نے زہری کی حدیث پر قصہ ذو الیدین میں اعتماد نہیں کیا اور سب نے اس کو اضطراب کی وجہ سے ترک کر دیا، اگر چہ زہری بڑے امام تھے لیکن غلطی سے کوئی بشر خالی نہیں ہے کمال صرف اللہ کو ہے ۔۔اس عبارت کو سامنے رکھئے پھر شیعہ مولف کا یہ قول پڑھئے کہ "محدثین ...... کے نزدیک زہری کی بیان کی ہوئی حدیث ایسی موضوع اور بالکل جھوٹی تھی کہ جس پر کسی محدث نے عمل نہیں کیا"۔دیکھی آپ نے شیعہ مولف کی بد دیانتی محدثین تو زہری کی حدیث میں غلطی اور بھول مانتے ہیں۔اور شیعہ مولف کہتا ہے کہ محدثین اس کو موضوع اور جھوٹی مانتے ہیں۔۔یعنی اس بد دیانت مولف کے نزدیک قصداً جھوٹی حدیث بنانے اور بھول چوک ہو جانے میں کچھ فرق نہیں ہے۔تم الجزء الاول و الحمد لله اولا و آخرا.

تعدیل رجال بخاری

حصہ دوم

جواب رجال بخاری حصہ دوم

زید رضؓ بن ارقم

شیعہ مولف لکھتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکذیب فرمائی ہے اور غایت بیحیائی سے صحیح بخاری کی ایک ناتمام روایت نقل کی ہے جس میں خود زید بن ارقم کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی کو سناوہ کہہ رہا تھا کہ رسول پر اپنا مال صرف نہ کرو یہاں تک کہ جو ان کی خدمت میں رہتے ہیں وہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ہم جب مدینہ پہنچیں گے تو جو معزز ہیں وہ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے یا حضرت عمرؓ سے کیا رفتہ رفتہ آنحضرت تک بات پہنچی تحقیق کی گئی تو عبداللہ بن ابی نے قسم کھائی کہ میں نے نہیں کہا ہے پس رسول اللہؐ نے میری تکذیب اور عبداللہ بن ابی کی تصدیق فرمائی" شیعہ مولف اتنا ہی حصہ نقل کر کے لکھتا ہے کہ "جس کی تکذیب رسول کرے وہ بھی سچا ہو سکتا ہے" حالانکہ آگے روایت میں مذکور ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالی نے سورہ منافقون نازل فرمائی، اور حضرت نے مجھے بلا کر فرمایا ان الله قد صدقك يا زيد بیشک اللہ نے تیری تصدیق فرمائی اے زید شیعہ مولف از راہ خیانت و فریب یہ حصہ نقل نہیں کرتا اور خدا و رسولؐ کی تصدیق کو جھٹلاتے ہوئے زیدؓ کی تکذیب کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی کی قسم کا لحاظ کرتے ہوئے حضرتؐ نے اس کی بات سچی مان لی جس سے زید کی تکذیب لازم آگئی مگر جب اللہ نے زیدؓ کی بات کے موافق آیتیں نازل کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو بلا کر ان کی صداقت کا اعلان کر دیا۔

بخاری کی روایت کا مضمون خود شیعوں کی کتابوں میں بھی ہے تفسیر قمی میں ہے کہ ابن ابیؔ منافق نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا اور زیدؓ جھوٹ بولتے ہیں تو حضرتؐ نے اس کی بات مان لی فحلف انه لم يقل ذالك و انه ليشهد ان لا اله الا الله و انك لرسول الله وان زيد اقد كذب على فقبل رسول الله صلى الله عليه و آله اس کا ترجمہ ملائے مجلسی حیات القلوب میں کرتے ہیں۔ "عبداللہ بن ابی بخدمت حضرت آمد و سوگند یاد کرد کہ من ایں بار انگفتہ ام وزید دروغ می گوید و باز بزبان کلمتین گفت پس حضرت بظاہر عذر او را قبول فرمودہ" اس کے بعد قمی میں ہے۔ثم قال قم يا غلام صدق قولك ووعى قلبك و انزل الله فيما قلت قرآنا ملا صاحب ترجمہ کرتے ہیں "اے پسر قول تو راست بودہ و آنچہ شنیدہ بودی درست بخاطر داشتہ بودی و حق تعالیٰ آیات بتصدیق قول تو فرستاد (حیات القلوب ص ۴۷۵ ج ۲)

کہیے مرزا صاحب؟ آپ نے زیدؓ کی تکذیب کر کے خدا اور رسول کی تکذیب کی یا نہیں آپ نے یہ بھی غور نہیں کیا کہ اگر اس فقرے سے حضرت زیدؓ کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گا۔ تو اسی سے ابن ابی منافق کا سچا ہونا بھی ثابت ہو گا۔ کیا منافقوں کو سچا ثابت کرنا شیعوں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ نہ ثابت ہو گا؟

زیدؓ بن ارقم پر من کنت مولاہ الخ کے چھپانے کی تہمت

مرزا صاحب نے حضرت زیدؓ پر یہ الزام بھی رکھا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے پوچھنے پر حدیث من کنت مولاہ چھپائی اور اس کی پاداش میں وہ نابینا ہو گئے

حالانکہ یہ غلط ہے، شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی حامد حسین نے طبقات ص ۲۵ پر ابو بکر شافعی کی کتاب فوائد سے یہ روایت نقل کی ہے۔ زید بن ارقم کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے قسم دے کر پوچھا کہ حدیث من کنت کس نے سنی تو سولہ آدمیوں نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ ہم نے سنا ہے زید کہتے ہیں کہ ان گواہوں میں میں بھی تھا۔ اب بتائیے کہ ہم مولوی حامد حسین کو سچا مانیں یا مرزا صاحب کو۔

زید بن حارث کی نسبت ابتدائے کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔

سالم بن ابی الجعد

پر تدلیس وارسال کا الزام ہے۔ اس کی نسبت ابراہیم نخعی اور بشیر بن مہاجر کا تذکرہ پڑھئے، نیز جس کو نہ دیکھا ہو اس سے روایت کرنا اگر مطلقاً جھوٹ ہے تو پہلے اپنے ائمہ کی خبر لیجئے۔

امام جعفر فرماتے ہیں اطلع رجل علی النبی صلی اللہ علیه و اله من الجرید فقال له النبی صلی اللہ علیه و اله (کافی ص ۱۶۱ ج ۳) اور فرماتے ہیں عن ابی عبد اللہ علیه السلام قال کان علی صلوات اللہ علیه یقول (کافی ص ۱۶۱ ج ۳) اور ابو بصیر کہتے ہیں سألت ابا جعفر علیه السلام عن الرجل عن ماله فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیه واله قال الخ (کافی ص ۱۶۳ ج ۳) دیکھئے امام جعفر حضرت علیؓ اور رسول خدا سے روایت کرتے ہیں اسی طرح امام باقر بھی رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ان میں سے کسی نے رسول خدا کو نہیں پایا ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنه

ان پر خون عثمان میں شرکت کی تہمت لگائی ہے اور اس کی بنیاد یہ ذکر کی ہے

کہ معاویہؓ اور سعدؓ نے حضرت عثمانؓ کی مدد نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ قتل عثمانؓ کی سازش میں یہ دونوں شریک تھے (ص ۷ ج ۲) لیکن شیعہ مولف نے یہ نہیں سوچا کہ اس دلیل کی رو سے حضرت علیؓ کی براءت خون عثمان سے کیوں کر ثابت ہو گی؟ آخر حضرت علیؓ نے بھی تو حضرت عثمانؓ کی مدد نہیں کی تھی۔

اصل یہ ہے کہ شیعہ مؤلف کی آنکھ پر تعصب کی ایسی پٹی بندھی ہوئی ہے کہ اس کو کچھ بجھائی نہیں دیتا۔ حضرت سعد کو یہ الزام دینا کہ انہوں نے حضرت عثمان کی مدد نہیں کی سخت جہالت و تعصب ہے۔ عقد فرید (جس کے صدہا حوالے رجال بخاری میں ہیں) میں کئی جگہ مذکور ہے کہ محاصرہ کے بعد حضرت عثمان نے ہر شخص کو نہایت سختی سے روک دیا تھا کہ کوئی شخص بلوائیوں پر ہاتھ نہ اٹھائے میری وجہ سے کسی کا خون نہ ہو، چنانچہ خود حضرت علی کا بیان ہے۔ ان عثمان کان اماما و انه نهى عن القتال وقال من سل سيفه فليس منى فلو قاتلنا دونه عصينا (عقد فرید ص ۹۱) کہ حضرت عثمان امام و امیر تھے اور انہوں نے لڑنے سے منع کر دیا اور کہا کہ جو تلوار کھینچے گا وہ مجھ سے نہ ہو گا۔ پس اگر ہم ان کی طرف سے لڑتے تو امام و امیر کے نافرمان قرار پاتے۔ اسی مضمون کا ص ۸۶ میں حضرت زید بن ثابت، سلیط، اور عبد اللہ بن عامر کا بیان بھی ہے، اب مرزا صاحب بتائیں کہ اگر اہلسنت ہر خاذل سے بد ظن ہو جاتے تو حضرت علی کو خلیفہ چہارم کیسے مانتے؟

اس کے بعد شیعہ مؤلف نے حضرت سعد کا وہ قول نقل کیا ہے جس سے حضرت عثمان کے قتل میں حضرت علی کا کچھ اشارہ ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے حضرت سعد کو جھوٹا کہا ہے۔ میں اس قول کی نسبت حضرت زبیر کے تذکرے میں لکھ چکا ہوں کہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا ہے۔ لیکن اگر ثابت بھی ہو تو شیعوں کے خفا ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جب کہ ان کے نزدیک مدد نہ کرنے سے بھی خون

میں شرکت ہو جاتی ہے اور یقینی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمان کی مدد نہیں کی ،بلکہ کامل بہائی والا تو صاف تصریح کر گیا کہ حضرت عثمان کو سب مہاجرین و انصار نے مل کر قتل کیا، اور ظاہر ہے کہ شیعوں کے نزدیک سب سے بڑے مہاجر حضرت علی تھے۔لہذا شیعوں کے اصول سے ان کے قاتل عثمان ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔پس حضرت سعد کی تکذیب بلا وجہ ہے (دیکھو کامل بہائی مطبوعہ بمبئی ص ۳۴۱) باقی رہا حضرت سعد کا حضرت علی سے بیعت نہ کرنا تو یہ دشمنی کی دلیل نہیں ہے۔صرف اتنی بات ہے کہ ان کو شرح صدر نہیں ہوا تھا، ورنہ اگر حضرت سعد کو دشمنی ہوتی تو مختلف مواقع پر حضرت علی کی حمایت اور ان کے مناقب کا اظہار و اعلان نہ فرماتے (۱) کامل بہائی ص ۳۹۸ میں ہے۔معاویہ سالے حج گزارد و دست سعد ابی وقاص گرفتہ و باخود بر تخت نشاند و در عرض علی افتاد.............. سعد گفت عجب کہ مرا بخانہ خویش آوردی و باخود بہ تخت نشاندی و بعد ازیں ناسزائے علی می گوئی۔(ترجمہ:۔) معاویہ ایک سال حج کو گئے سعد کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا اور حضرت علی کو برا کہنا شروع کیا۔سعد نے کہا تعجب ہے کہ آپ مجھ کو اپنے گھر لائے ،تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا، اس کے بعد حضرت علی کو برا کہتے ہیں۔!

اس کے بعد حضرت علی کے مناقب حضرت سعد نے بیان کئے اور بیان کرنے کے بعد برخواست و دامن خود را بیفشاند و از پیش معاویہ بیروں رفت۔یعنی اٹھ گئے اور دامن جھاڑ کر معاویہ کے سامنے سے باہر چلے گئے (۲) کامل بہائی ص ۴۴۱ میں ہے معاویہ گفت با سعد وقاص کہ **وما یمنعك عن سب علی فقال ثلثة احادیث** یعنی سہ حدیث است کہ مرا از سب علی مانع شد (معاویہ نے سعد سے کہا کہ آپ علی کو برا کیوں نہیں کہتے۔انہوں نے کہا تین حدیثیں میں نے سنی ہیں کہ وہ مجھ کو برا کہنے سے مانع ہیں۔اس کے بعد وہ حدیثیں بیان کی ہیں۔کامل بہائی والا لکھتا ہے

سبب سے معاویہ نے زہر دیکر سعد کو مروا ڈالا (۴۴۲) اور حضرت سعد کا معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا قطعاً معیوب نہیں۔ جبکہ شیعوں کے امام معصوم حضرت حسین نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ یونہی یزید کے ہاتھ پر جبری [1] بیعت اگر ثابت ہو تو کون سی قباحت کی بات ہے۔ کافی میں تصریح ہے کہ امام زین العابدین نے یزید کی غلامی کا اقرار کر لیا تھا۔ (دیکھو روضہ کافی ص ۱۱۰)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعد نے یزید کے ہاتھ پر کسی طرح بھی بیعت نہیں کی تھی۔ یہ تذکرہ خواص الامہ کے مصنف اور ہمارے شیعہ مؤلف کا سفید جھوٹ ہے۔ یزید ۶۰ ھ میں بادشاہ ہوا اور حضرت سعد کم از کم اس سے دو سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ (دیکھو تہذیب ذکر سعد) خود کامل بہائی کے شیعہ مؤلف کے قول سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سعدؓ نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی ہے (دیکھو ص ۴۴۲)

سعید بن عاص

ان کو بخاری کا راوی بتانا جھوٹ ہے، وہ الادب المفرد کے راوی ہیں اسی طرح یہ بھی جھوٹ ہے کہ سعید نے عوام کے جذبات کو مشتعل کیا جس کی وجہ سے وہ قتل عثمان پر تل گئے، حضرت علیؓ کے قول میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے نہ کسی تاریخ میں اس کا وجود ہے، حضرت علیؓ کے قول کا یہ مطلب ہے کہ سعیدؓ حضرت عثمان کے بنائے ہوئے عامل ہیں ان سے کوفہ والوں کو شکایت تھی یہ شکایت بھی قتل عثمانؓ کا سبب بنی۔ یہ بھی جھوٹ ہے کہ سعیدؓ نے حضرت حسنؓ کو روضۂ رسول میں دفن

---

[1] تذکرہ خواص الامہ کی عبارت میں بخوشی بیعت کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ شیعہ مؤلف نے بے ایمانی سے یہ لفظ خود بڑھا دیا ہے۔

کرنے سے روکا، عقد فرید میں دو جگہ یہ واقعہ مذکور ہے، اور دونوں جگہ مروان کا روکنا مذکور ہے، دیکھو ص ۱۲۸ ج ۳ و ص ۲۷۶ ج ۳ ایسا ہی تاریخ الخلفاء ص ۱۳۱ اور صواعق حوالہ سے یہی مذکور ہے ابن ابی الحدید ص ۱۸ ج ۴ و عقد فرید ص ۱۲۸ ج ۳ میں یہ بھی ہے کہ سعیدؓ ہی نے حضرت حسنؓ کی نماز جنازہ پڑھائی ینا بیع المودہ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی دشمنی کا ثبوت دینا عقل سے دشمنی ہے یہ کتاب ہمارے یہاں معتبر نہیں ہے۔

سعید بن ابی عروبہ

ان کا ایک عیب یہ ہے کہ آخر عمر میں ان کو اختلاط ہو گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اسی لئے محدثین نے تصریح کی ہے کہ ان کی وہی روایتیں مقبول ہوں گی جو اختلاط سے پہلے کی ہیں۔ اور جن لوگوں نے اختلاط سے پہلے ان سے حدیثیں سنی ہیں وہ معروف و مشہور ہیں۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ وہ قدری تھے لیکن ناقدین فن نے تصریح کی ہے کہ وہ اپنے مسلک کی طرف کسی کو دعوت نہیں دیتے تھے، اور ایسے لوگوں کی روایتیں لے لی جاتی ہیں۔ شیعہ مذہب کا اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ باقی رہا یہ کہنا کہ وہ اپنا قدری ہونا چھپاتے تھے، یہی تقیہ ہے، تو یہ شیعہ مؤلف کی جہالت ہے تقیہ میں اگر اتنا ہی ہوتا کہ اپنا مذہب کسی پر ظاہر نہ کرے تو چنداں معیوب نہ ہوتا، لیکن تقیہ میں تو یہ بھی ہوتا ہے کہ خلاف واقعہ اپنے کو ایک شیعہ سنی کہہ دے، سنیوں کی طرح نماز پڑھے، وضو کرے، وغیرہ وغیرہ۔۔ یہ بلاشبہ جھوٹ اور فریب ہے، برخلاف چھپانے کے کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی سے اپنا مذہب بیان نہ کرے مثلاً سعید کسی سے یہ نہیں کہتے تھے کہ میں قدری ہوں، لیکن یہ بھی نہیں کہتے تھے کہ قدری نہیں ہوں اسی طرح قائلین قدر کی سی باتیں کر کے اپنے عمل

سے بھی قدریت کی نفی کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے کہ دھوکے میں آکر ان کو کوئی قائل قدر سمجھ لے۔

سعید بن مرزبان

اس راوی میں بیشک کلام ہے لیکن اس کو بخاری کا راوی کہنا جھوٹ ہے۔ اس سے کوئی روایت بخاری یا مسلم میں نہیں ہے۔ یہی حال سعید بن فیروز کا بھی ہے۔

سفیان بن سعید ثوری

ان پر ایک الزام تدلیس کا ہے۔ تدلیس کی نسبت ابراہیم نخعی و بشیر بن مہاجر کے تذکرہ میں کافی لکھا جا چکا ہے، دوسرا الزام شراب نوشی کا ہے جو سراسر بہتان اور فریب کاری پر مبنی ہے۔ شیعہ مولف نے اس کتاب میں ہر جگہ نبیذ کا ترجمہ از راہ فریب شراب کیا ہے، حالانکہ نبیذ و شراب میں کوئی نسبت نہیں ہے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی عقد فرید کے جس صفحہ سے سفیان کے نبیذ پینے کی حکایت شیعہ مؤلف نے نقل کیا ہے اسی صفحہ میں ایک جلی عنوان کے ماتحت شراب اور نبیذ میں فرق بیان کیا گیا ہے لیکن مولف کی بددیانتی اس کو نظر انداز کرنے پر مجبور کرتی ہے اسی طرح یہ لکھنا بھی سفید جھوٹ ہے کہ "نبیذ کے جائز ہوتے کا کوئی قائل نہیں ہے" اسی عقد فرید ص ۳۵۲ ج ۴ میں ہے کہ کوفہ کے تابعین عام طور پر اس کے جواز کے قائل تھے اور ص ۳۰۵ میں ہے **فانا نجد النبیذ قد اجازہ قوم صالحون** نبیذ کو بہت سے صالح لوگوں نے جائز قرار دیا ہے اور ص ۳۵۵ میں کہ اکثر فرقے نبیذ کو حلال کہتے ہیں **و اهل الكوفة اجمعوا على التحليل** (کوفہ کے لوگوں نے نبیذ کی حلت پر اجماع کیا ہے) اور رجال کشی میں ہے کہ اہل بیت میں سے حضرت زید شہید بھی نبیذ پیتے تھے (ص ۱۵۱) اور عقد فرید ص ۲۵۶ ج ۴ میں ہے کہ زید شہید کی ایک

شیعہ نے دعوت کی ان کا نام سن کر بہت سے شیعہ پہنچ گئے زید نے اس دعوت میں نبیذ پی اور سارے شیعوں نے بھی پی۔ اس کے بعد زید نے شیعوں کی درخواست پر حدیث سے اس کا جواز بھی بیان کیا،

یہ واضح رہے کہ یہ نبیذ نشہ آور نہیں ہوتی تھی، اور اگر نشہ کی حد کو پہنچ جائے تو اس کے پینے کا کوئی قائل نہیں تھا۔

مذہب شیعہ میں شراب خوری کا جواز

لیکن شیعہ مذہب میں نبیذ نشہ آور بھی ہو جائے تو جائز ہے۔ رجال کشی ص ۳۰۶ میں ہے کہ ابو نجران شیعہ تھا اور شراب نبیذ پیتا تھا ایک دن اس نے بات بنائی اور امام جعفر سے کہا کہ میرا ایک عزیز ہے جس کو اہلبیت سے محبت ہے۔ مگر وہ شراب نبیذ پیتا ہے (یہ جھوٹ دیکھئے پئے خود اور بیان کرے ایک عزیز کو) امام نے پوچھا کہ وہ نشہ بھی لاتی ہے؟ (دیکھئے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبیذ نشہ نہ لاوے تو امام جعفر کے نزدیک وہ حلال ہے) اس نے کہا خدا کی قسم نشہ لاتی ہے، پوچھا کہ تو نماز چھوڑ دیتا ہے بولا کہ صبح کو اپنی لونڈی سے پوچھتا ہے کہ میں نے رات نماز پڑھی یا نہیں تو کبھی وہ کہتی ہے کہ جی ہاں آپ نے تین دفعہ ایک نماز کو پڑھا تھا، اور کسی دن کہتی ہے کہ بخدا ہم نے ہر چند کوشش کی مگر آپ نے نماز نہیں پڑھی۔ امام صاحب بہت دیر تک سر پکڑے رہے اس کے بعد فرمایا کہ اس سے کہو چھوڑ دو (یعنی امام صاحب کو نشہ آور ہونے اور نماز چھڑوانے کے بعد بھی تامل ہے کہ اس کا پینا ناجائز ہے یا جائز؟) لیکن اگر لغزش ہو جائے (یعنی پی لے) تو کوئی حرج نہیں، وہ ہماری محبت میں بڑا ثابت قدم ہے۔۔ کہئے مرزا صاحب نشہ آور نبیذ تو حرام نہیں ہے اس کے پینے پلانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور بے نشہ کی نبیذ پر اتنا ہنگامہ؟ اچھا اور سنئے:۔

رجال کشی ص ۲۱۰ اور ص ۲۰۹ میں ہے کہ مفضل بن عمر امام جعفر کا ایسا مقرب اور فاضل شاگرد تھا کہ اس کو امام نے اپنا قائم مقام بنادیا تھا لیکن اس کے ماننے والے شیعہ سب بے نمازی تھے شراب پیتے تھے، کبوتر بازی کرتے تھے، اور ڈاکے ڈالتے تھے اور وہ ان کو کچھ نہیں کہتا تھا امام صاحب سے اس کی شکایت کی گئی اور کہا گیا کہ آپ مفضل کو لکھ دیں کہ وہ ان کے ساتھ نہ اٹھے بیٹھے، امام صاحب نے ایک تحریر ان کے حوالہ کی مگر مفضل کے پاس پہنچکر پڑھی گئی تو اس میں متعدد فرمائشیں تھیں کہ میرے لئے یہ چیزیں خرید کر بھیج دو۔ باقی شرابیوں کی نسبت ایک حرف بھی اس میں نہ تھا مفضل نے انہی شرابیوں کے ہاں آدمی بھیجکر ان کو بلوایا اور امام کا خط سنایا وہ سنکر اٹھے اور تھوڑی دیر میں دس ہزار دینار اور دس ہزار درہم امام کی فرمائش پوری کرنے کے لئے لاکر رکھدیا۔ مفضل نے کہا دیکھو تو تم چاہتے ہو کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دوں تم سمجھتے ہو کہ خدا تمہارے نماز روزہ کا محتاج ہے (جی نہیں خدا اور امام جعفر تو ان شرابیوں کے درہم و دینار کے محتاج ہیں، امام صاحب کی فرمائشیں پوری کرو، اور مزے سے روزہ کھاؤ، شراب پیو، راہ زنی کرو، کوئی حرج نہیں ہے) مرزا صاحب! یہ واقعہ ذرا غور سے پڑھئے، اس میں اور بھی کئی نکتے ہیں اگر گویم زباں سوزد۔

رجال کشی ص ۱۸۵ میں ہے ایک شخص نے امام جعفر سے کہا میں نے سید حمیری کو اپنی آنکھ سے شراب پیتے دیکھا ہے، امام نے فرمایا اللہ اس پر رحمت نازل کرے۔

رجال کشی ص ۱۳۲ میں ہے کہ ابو حمزہ ثمالی بھی شراب نبیذ پیتے تھے، اور موت کے وقت چھوڑی۔ یہ ابو حمزہ امام رضا کے قول کے بموجب اپنے زمانے کے لقمان تھے (رجال کشی ص ۱۳۳) اور اصول کافی ص ۲۳۲ میں اس سے روایت لی گئی ہے۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے فصول مہمہ کے ایک قصہ سے نتیجہ نکالا ہے کہ امام جعفر نے سفیان کو اپنے دربار سے نکال دیا تھا۔ لیکن فصول مہمہ نامعتبر کتاب ہے علاوہ بریں اس قصہ سے یہ نتیجہ بھی نہیں نکلتا کہ امام نے ان کو نکال دیا۔ "نکال دینا" اہانت و تحقیر کے موقع پر بولتے ہیں اور یہاں امام نے بایں مصلحت سفیان سے چلے جانے کو کہا کہ کہیں بادشاہ کا آدمی سفیان کی تلاش میں امام کے گھر نہ چلا جائے چنانچہ امام نے تصریح کی ہے انا اتقی السلطان کہ میں بادشاہ سے ڈرتا ہوں۔

اسی طرح دوسرے قصہ میں امام صاحب کے اس قول سے کہ "تم زیادہ میرے پاس نہ آؤ تم کو مجھ سے اور مجھ کو تم سے ضرر ہوگا" یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ سفیان امام صاحب کے مخالف تھے۔ امام صاحب کا فقط یہ منشا تھا کہ تم ہم کو کچھ کہہ دو گے، ہم تم کو کہہ دیں گے۔ اس سے کیا فائدہ، لہذا زیادہ نہ آؤ اگر مخالفت و دشمنی ہوتی تو زیادہ آنے کو نہیں بلکہ بالکل آنے کو روک دیتے۔

سعید بن داؤد زنبری

صحیح بخاری میں اس کی کوئی مسند روایت نہیں ہے، فقط ایک جگہ ایک معلق روایت اور وہ بھی تائید کے لئے لی گئی ہے، اصل استدلال دوسری روایت سے ہے یہ راوی کمزور ضرور ہے مگر جھوٹا نہیں ہے جن لوگوں نے جھوٹا کہا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ بھول سے غلط کہہ جاتا ہے۔

شیعہ مولف کی قابلیت

مرزا صاحب کی قابلیت کے قربان جایئے، آپ فی احادیثہ نکرہ کا ترجمہ کرتے ہیں اس کی روایتیں جھوٹی ہوتی ہیں، حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ان کی

روایتیں ذرا غیر معروف ہوتی ہیں اسی طرح سفیان کے حال میں قبحہ اللہ ان لم یذب عن نفسہ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اگر کبھی اپنے آپ کو گرنے سے نہ روکے تو اس کا خدا برا کرے۔ اسی طرح سعید قاضی بغداد کے حال میں افرط ابن حبان فی تضعیفہ کا ترجمہ کیا ہے کہ ابن حبان نے اس کی تضعیف بہت کی ہے حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ابن حبان نے ان کو ضعیف کہہ کر بڑی زیادتی کی ہے۔

سعید بن عبد الرحمٰن قاضی بغداد

اس کو بخاری کا راوی کہنا فریب ہے، صحیح بخاری میں اس کی کوئی روایت نہیں ہے، (عخ) خلق افعال العباد کی علامت ہے، یہ راوی جھوٹا ہرگز نہیں ہے لیکن کہیں بھولتا ضرور ہے۔ چنانچہ ابن عدی نے تصریح کی ہے کہ ان کو بھول ہو جاتی ہے اس لئے مرسل کو موصول اور موقوف کو مرفوع روایت کر جاتے ہیں لیکن قصداً ایسا نہیں کرتے (تہذیب ص۹۶ ج ۴)

سلیمان بن زید محاربی

صحیح بخاری یا صحاح کی کسی کتاب میں اس کی کوئی روایت نہیں ہے بخ ادب المفرد کی علامت ہے مؤلف کا یہ سفید جھوٹ ہے کہ "یہ بھی راویان صحیح بخاری سے ہے"۔

اعمش

ان پر تدلیس کا الزام ہے، جس کا جواب گزر چکا۔ دوسرا الزام وہی نبیذ پینے کا ہے اس پر بھی سفیان کے حال میں کافی بحث ہو چکی ہے، تیسرا الزام یہ ہے کہ شیث قاتل حسین کے جنازے میں یہ موجود تھے اور یہ قاتل حسینؓ سے ہمدردی ہے۔ میں

کہتا ہوں کہ "ہمدردی" کا یہ سبق اعمش کو خود حضرت حسینؓ سے ملا تھا، اس لئے قابل اعتراض بات نہیں ہے کافی جلد اول ص ۹۹ میں مذکور ہے۔

ان رجلا من المنافقین مات	ایک منافق مر گیا تو حضرت
فخرج علی بن الحسین	حسین اس کے جنازے کے
صلوٰۃ اللہ علیہا یمشی معہ	ساتھ چلے۔

آگے مذکور ہے کہ اپنے ایک غلام کو ساتھ لے گئے اور اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو گئے اور غلام سے بھی پڑھوائی۔

سلیمان تیمی

ان پر بھی تدلیس کا الزام ہے، جس کا جواب ہو چکا ہے۔

سوید حدثانی

اس کو راوی بخاری کہنا صریح جھوٹ ہے اور اس کے لئے تقریب کا حوالہ بھی جھوٹا ہے اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ ابن معین تدلیس کرنے والے کا خون حلال سمجھتے تھے، ابن معین کا جو قول نقل کیا ہے، اس میں اس کا اشارہ تک نہیں ہے کہ ابن معین نے تدلیس کی وجہ سے سوید کو حلال الدم کہا ہے۔ بلکہ تہذیب میں صاف صاف مصرح ہے کہ سوید کی ایک حدیث کسی نے نقل کی اس کو ابن معین نے بناوٹی سمجھا اور سمجھا کہ اس کو سوید ہی نے بنالیا ہے اس لئے اس کو حلال الدم کہا۔ اور یہ بھی خود اسی بناوٹی حدیث کے مضمون کے مطابق الزام کے طور پر کہا تھا۔ اسی طرح سوید کی ایک دوسری حدیث بھی بیان کی گئی تو ابن معین نے اس سے غزوہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، اس لئے کہ انہوں نے سوید ہی کو اس حدیث کا بنانے والا سمجھا لیکن واقعہ یہ

ہے کہ سوید نابینا آدمی تھا، اور یادداشت بھی ٹھیک نہ تھی اس لئے کوئی آدمی کوئی حدیث تلقین کر دیتا تو یہ قبول کر لیتا تھا اسی لئے محدثین کے سامنے جب اس کی روایت آتی ہے تو جب تک دوسرے لوگوں کی زبانی وہ منقول نہ ہو، قبول نہیں کرتے

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

ان پر دروغ گوئی کی تہمت لگائی ہے، اور ثبوت میں رجال بخاری کا حوالہ دیا ہے جس کا جواب ہو چکا ہے، دوسرا حوالہ نصائح کافیہ کا ہے جس کا مصنف شیعہ اور صحابہ کا سخت دشمن ہے، لہذا اس کی شہادت پیش کرنا، بڑی سخت اصولی غلطی اور ابلہ فریبی ہے۔

دوسری تہمت بے گناہوں کے قتل کی ان پر رکھی ہے، اور اس میں بھی خیانت کی ہے، طبری سے جن لوگوں کے قتل کا واقعہ نقل کیا ہے وہ لوگ بے گناہ نہیں تھے چنانچہ کامل ابن اثیر ص ۱۸۳ ج ۳ میں مصرح ہے کہ زیاد جب لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا کہ آپ کو یہ ڈر تو نہیں ہے کہ غلطی سے کسی بے گناہ کو قتل کرا دیا ہو، حضرت سمرہؓ نے جواب دیا کہ یہاں گردن زدنی مجرموں کی اتنی کثرت ہے کہ جتنے قتل ہوئے اتنے اور قتل ہو جائیں تو بھی یہ ڈر نہیں پیدا ہوگا کہ کہیں کوئی بے گناہ تو نہیں مارا گیا، کامل کے الفاظ یہ ہیں **فقال له زیاد اتخاف ان تکون قتلت بریئاً فقال لو قتلت معهم مثلهم ما خشیت۔**

دراصل حضرت سمرہؓ نے خارجیوں کو نہایت کثرت سے قتل کرایا ہے اور وہ ان کے باب میں نہایت سخت تھے، طبری کی دوسری روایت میں جن سینتالیس اشخاص کے قتل کا واقعہ مذکور ہے۔ وہ بھی خارجی تھے، ان کے اسی تشدد کی وجہ سے خارجی اور جو خارجیوں کے ہمدرد اور ان کے ہم رنگ ہیں وہ ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں،

تہذیب ص ۲۳۶ ج ۴ میں ہے وکان شدیدا علی الحروریه فهم ومن قاربهم یطعنون علیه خارجیوں نے سمرہ کے فرضی مظالم کی جو داستان تیار کی ہے وہی صاحب نصائح کافیہ وغیرہ کے بھی ہاتھ لگی ہے۔

تیسری تہمت حضرت سمرہؓ پر کربلا میں موجود ہونے اور قتل حسین کے لئے لوگوں کو ابھارنے کی ہے یہ بھی سراسر افتراء و بہتان ہے اور ابن ابی الحدید کی رافضیت کے ساتھ اس کی جہالت کی بھی بین دلیل، حضرت حسینؓ کی شہادت محرم ۶۱ھ میں ہوئی اور اس وقت سمرہ کو انتقال کئے ہوئے دو برس یا کم از کم ایک برس ہو چکا تھا۔ حضرت سمرہؓ نے ۵۸ھ میں یا ۵۹ھ میں انتقال کیا۔ تو کیا حضرت سمرہؓ اپنی موت کے ایک یا دو سال بعد کربلا میں تشریف لے گئے، کیا اب بھی ابن ابی الحدید کے جھوٹ میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔

بدطینتی کا لعنتی مظاہرہ حضرت سمرہؓ کے حق میں دریدہ دہنی

ایک حدیث میں سرکار رسالت نے تین صحابیوں کی طرف اشارہ کر کے پیشین گوئی کی تھی کہ تم میں جو پیچھے مرے گا وہ آگ کے صدمہ سے مرے گا ان تین اصحاب میں حضرت سمرہؓ بھی تھے اور یہ پیشین گوئی انہیں کے حق میں صادق آئی ان کو اخیر عمر میں نہایت سخت کزاز (تشنج کی طرح ایک بیماری) کی شکایت ہو گئی تھی اطباء نے گرم پانی میں بیٹھنا اس کا علاج تجویز کیا تھا۔ چنانچہ وہ یہی علاج کیا کرتے تھے ایک دن اتفاق سے کھولتے ہوئے پانی کے دیگ میں گر پڑے اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اسی واقعہ کو تاریخ صغیر کے حوالہ سے خبیث مولف نقل کرتا ہے اور وقع فی النار فمات کا ترجمہ کرتا ہے:۔ "سمرہ آگ میں جل کے فی النار ہو گیا" اس خباثت و بدطینتی کی بھی کوئی حد ہے۔ مگر ع

"رفض ازیں بسیار کرداست وکند"

شبث بن ربعی

اس کا جرم یہ ہے کہ "قتل حسین کے موقع پر کربلا میں موجود تھا" یہ بات مرزا صاحب صحیح کہتے ہیں۔ لیکن اہلسنت سے یہ شکوہ فضول ہے، شبث شیعہ تھا اور حضرت علیؓ کا مصاحب خاص، جمل وصفین میں ان کے ساتھ شریک رہا اس کے بعد خارجی ہو گیا لیکن پھر توبہ کر کے شیعہ ہو گیا۔ یہ ساری باتیں تقریب و تہذیب کی ان عبارتوں سے ثابت ہیں جو مؤلف نے نقل کی ہیں۔ رہا خارجیت سے توبہ کرنے کے بعد پھر شیعہ ہونا تو مؤلف کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ان شیعوں میں ہے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ بلا کر دغا دیا۔ اور ان کو شہید کرایا۔ شیعوں کے علامہ مجلسی جلاء العیون میں لکھتے ہیں:۔

"پس شبث بن ربعی و حجاز بن ابجر و یزید بن حارث و عروہ بن قیس و عمرو بن حجاج و محمد بن عمیر عریضۂ دیگر نوشتند بایں مضمون ...... اما بعد صحرا ہا سبز شدہ و میوہا رسیدہ اگر بایں صوب تشریف آری لشکرہائے تو مہیا و حاضر اند و شب و روز انتظار تشریف تو دارند۔

یعنی پھر شبث بن ربعی وغیرہ نے دوسرا خط اس مضمون کا لکھا کہ جنگل ہرے ہو گئے اور میوے تیار ہیں اگر اس طرف آپ تشریف لائیں تو سب لشکر آمادہ و حاضر ہیں اور رات دن آپ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور مرزا صاحب خود رجال بخاری ص ۶ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت حسینؓ نے شبث بن ربعی، حجاز بن ابجر، قیس بن اشعث، زید بن حارث کو نام بہ نام پکار کر فرمایا کہ تم لوگوں نے میرے بلانے

کے واسطے خطوط نہیں بھیجے، ان لوگوں نے انکار کیا آپ نے فرمایا ہاں ضرور تمہیں لوگوں نے خط لکھے ہیں۔"

ایسے دغاباز شیعوں کی بداعمالیوں کی ہم سے باز پرس کرنا، بڑی ڈھٹائی اور کمال بے حیائی ہے۔ اسی طرح شبث کو سنن نسائی کا راوی کہنا بھی بے حیائی اور جھوٹ ہے۔ سی۔ سنن نسائی کی علامت نہیں ہے بلکہ عمل الیوم واللیلہ کی ہے۔ تعجب ہے کہ شیعہ لوگ مظلوم حسینؓ کے ساتھ دوسرے دغابازی کرنے والوں سے تو ہمدردی رکھتے ہیں یقین نہ ہو تو سلیمان بن صرد وغیرہ کا حال مجالس المومنین میں پڑھئے، پھر مرزا صاحب شبث پر ملامت کیوں کرتے ہیں۔

صحاح کی کسی کتاب میں شبث سے کوئی روایت نہیں لی گئی ہے صرف ابو داؤد میں اس کی روایت سے حضرت علیؓ کا ایک واقعہ بطور تائید کے نقل کیا ہے۔ یعنی اصل روایت دوسرے راویوں سے ثابت ہے۔

قاضی شریح

ابن ابی الحدید کے حوالہ سے ابو اسحٰق سبیعی کا ایک قول نقل کر کے ان پر دشمنی اہل بیت کا الزام قائم کیا ہے، لیکن اولاً تو اس باب میں ابن ابی الحدید اور اس کی کتاب بالکل معتبر نہیں ہے، دوسرے اس نے ابو اسحٰق کا جو قول نقل کیا ہے اس کے راویوں میں عمرو بن ثابت کی نسبت دار قطنی نے کہا ہے کہ وہ خبیث رافضی ہے، ابو داؤد نے بھی اس کو رافضی کہا ہے، ابن المبارک کہتے ہیں کہ وہ سلف کو گالیاں دیتا تھا، اور ابن حبان نے کہا وہ موضوعات بیان کرتا ہے (میزان الاعتدال ص ۲۸۳ ج ۲)

تیسرے مؤلف نے لا یومنون علی علی کا ترجمہ "علی پر ایمان نہ لائیں گے" غلط دیا ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "علی کے باب میں ان پر اطمینان نہیں ہے"

دوسرا الزام دروغ گوئی کا لگایا ہے، اور ثبوت میں یہ قصہ لکھا ہے کہ جب ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو چھڑی ماری جس سے ان کی ناک ٹوٹ گئی اور پلکیں بھی نچ گئیں اور قتل کا بھی حکم دے دیا تو اس کی اطلاع قبیلہ مذحج کو ہوئی اور وہ دروازۂ قصر پر پہنچکر غل مچانے لگے، ابن زیاد مجمع دیکھ کر گھبرا گیا، اور قاضی شریح سے جو اتفاق سے اس وقت اس کے پاس موجود تھے، کہا کہ جاؤ اپنی آنکھ سے ہانی کو دیکھ لو کہ وہ زندہ ہے، پھر مجمع سے کہہ دو کہ ہانی زندہ ہے۔ شریح نے ایسا ہی کیا"۔ انصاف پسند ناظرین اس قصہ کو جتنی دفعہ چاہیں غور سے پڑھیں، اور پڑھ کر بتائیں کہ جب شریح نے زندہ دیکھا۔ اور تذکرہ خواص الامہ کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہانی نے شریح سے بات چیت بھی کی تو اب باہر مجمع کے سامنے اس کا زندہ موجود ہونا بیان کرنے سے جھوٹ کس طرح ثابت ہوتا ہے۔ شیعہ مؤلف کھلتا نہیں، دراصل وہ شریح کے جھوٹ بولنے پر ناراض نہیں ہے، بلکہ ان کے سچ بولنے پر، اس کا منشا یہ ہے کہ شریح کو جھوٹ بولنا چاہیئے تھا اور مجمع سے بیان کرنا چاہیئے تھا کہ ہانی کو ابن زیاد نے قتل کرا دیا، تاکہ دروغ گوئی کے جرم میں ہانی کی جگہ پر خود شریح گردن زدنی قرار دئے جاتے۔

شیعہ مؤلف نے ہانی کی گرفتاری کا واقعہ نقل کرنے میں بھی چالاکی کی ہے اصل واقعہ یوں ہے کہ جب مسلم بن عقیل ہانی کے گھر میں روپوش ہوئے تو ہانی نے ان سے کہا کہ میں ایک دوائی کر کے قے کرنے لگتا ہوں، ابن زیاد سے میرے نہایت گہرے تعلقات ہیں لہذا جب وہ میری بیمار پرسی کو آئے اور میں اپنے خادموں سے کہوں مجھ کو پانی پلاؤ آپ فوراً نکل پڑیئے، اور اس کی گردن اڑا دیجئے۔ اس سازش کی اطلاع ابن زیاد کو ہو گئی، اس لئے اس نے ہانی کو گرفتار کرا لیا۔ اور وہ قصہ پیش آیا جو اوپر مذکور ہوا۔ (دیکھو عقد فرید ص ۱۳۹ ج ۳)

شریح کو صحیح بخاری و سنن ابوداؤد کا راوی کہنا جھوٹ ہے۔

شعبی

فقال (قتیبة) ما احب الشراب الیك فقال اهونه وجودا و اعزه

فقدا مرزا صاحب نے اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شعبی شراب پیتے تھے میں نے اصل عبارت اسی لئے ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے کہ ہر آدمی مؤلف کی جہالت یا بددیانتی کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے، جاہل و بددیانت مولف عربی عبارت میں جو لفظ "شراب" ہے اس کو اردو زبان کی شراب سمجھ رہا ہے یا سمجھانا چاہتا ہے حالانکہ ہر عربی داں جانتا ہے کہ عربی میں "شراب" ہر پینے کی چیز کو کہتے ہیں ۔پانی ہو یا شربت یا کوئی دوسری چیز، اور اردو میں جس چیز کو شراب کہتے ہیں اس کے لئے عربی میں "خمر" کا لفظ ہے لہذا منقولہ بالا عربی عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے "قتیبہ نے شعبی سے پوچھا آپ کو پینے کی چیزوں میں کون سی چیز زیادہ پسند ہے انہوں نے کہا جس کا ملنا نہایت آسان اور جس کی نایابی بیحد شاق ہو، ظاہر ہے کہ جو جواب شعبی نے دیا ہے وہ پانی کے سوا کسی چیز پر صادق نہیں آتا۔ اس کے بعد حیوٰۃ الحیوان سے شعبی کے شطرنج کھیلنے کا واقعہ نقل کر کے لکھتا ہے کہ "قمار بازی کے فن سے خوب واقف تھے"۔ یہ بھی سراسر بددیانتی و افتراء ہے حضرت ابوہریرہؓ کے تذکرہ میں اس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔

شیبان بن فروخ حبطی

ان پر قدری ہونے کا الزام ہے۔ اس الزام کا جواب اسمعیل بن سمیع وایوب بن عائذ کے تذکرہ میں پڑھیے۔

شقیق بن سلمہ اسدی

ابن ابی الحدید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "عثمانی تھا علی کو برے لفظوں سے یاد کرتا تھا" یہ ابن ابی الحدید کا جھوٹ ہے، وہ بیشک عثمانی تھے لیکن ان کے عثمانی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے نزدیک حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل تھے چنانچہ تہذیب میں خود شقیق کا قول مذکور ہے کہ پہلے مجھ کو حضرت علیؓ زیادہ محبوب تھے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ ان سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

پھر مؤلف نے ابن ابی الحدید سے یہ نقل کیا ہے کہ "یہ خارجی تھا" اور خیانت یہ کی ہے کہ ابن ابی الحدید نے اس کے بعد ہی تصریح کی ہے "انہ عاد الی علی منیبا مقلعا یعنی وہ خارجیوں کے ساتھ نکلے تھے لیکن پھر حضرت علیؓ کی طرف توبہ و انابت کے ساتھ لوٹ آئے" مگر شیعہ مؤلف کی بے ایمانی اس کو نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

شمر

ابتدائے کتاب میں ثابت کر چکا ہوں کہ اس کو بخاری و مسلم کا راوی کہنا سراسر افتراء اور سفید جھوٹ ہے، صحاح کی کسی کتاب میں شمر قاتل حسین سے روایت نہیں ہے، نہ وہ اس قابل ہے کہ اس سے روایت لی جائے۔ باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ ابو اسحٰق سبیعی نے شمر سے روایت کی ہے۔ تو وہ اس کی حقیقت نہیں سمجھا۔ شمر اسی مسجد میں نماز پڑھا کرتا تھا جس میں ابو اسحٰق پڑھتے تھے، کبھی اتفاق سے شمر نے کوئی حدیث بیان کی، اس کو ابو اسحٰق نے کسی سے بیان کر دیا۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شمر کو ثقہ سمجھتے تھے، یا اس کی روایت کو قابل قبول جانتے تھے، تعجب ہے کہ

مولف خود میزان سے نقل کرتا ہے کہ ابو اسحٰق نے شمر سے کہا کہ "تجھ کو خدا کیوں کر بخشے گا جب کہ تو نے نبی کے نواسے کے قتل میں اعانت کی"۔ (ص ۳۴۲) اس حالت میں ابو اسحٰق شمر کو معتبر کیوں کر سمجھ سکتے ہیں، محدثین بسا اوقات وضاعین وکذابین کی، بد عقیدہ اشخاص کی اور نا معتبر لوگوں کی روایتیں اظہار تعجب یا رد و انکار، یا مذاکرہ کے طور پر بھی بیان کرتے ہیں، لہذا مطلقاً روایت کرنے پر یہ حکم لگانا کہ معتبر سمجھا، سخت جہالت یا جان بوجھ کر فریب دیتا ہے۔

اس کے بعد پردہ پردہ میں شیعہ مولف نے شیعوں کو قتل حسینؓ کے جرم سے بری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور خون حسینؓ کے نہ مٹنے والے دھبے کو جس سے شیعوں کا دامن داغدار ہے مٹانے کی لا حاصل سعی کی ہے، علامہ مجلسی جلاء العیون میں تصریح کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے کوفہ سے خطوط لکھ کر حضرت حسینؓ کو بلایا وہ شیعہ تھے، اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے خطوط لکھے وہی مخالف لشکر کے ساتھ ہو گئے، بلکہ اس لشکر کے سردار اکثر یہی تھے، مجلسی کی عبارت یہ ہے "چوں روز دیگر عمر بن سعد علیہ اللعنہ با چہار ہزار منافق عنید بکربلا رسید و در برابر لشکر امام سعید فرود آمدند پس عروہ بن قیس حنتمی را طلبید و خواست کہ برسالت بخدمت حضرت بفرستد چوں آں نامرد از انہا بود کہ نامہ بحضرت نوشتہ بودند قبول رسالت نکرد و بہ ہر یک از رؤسائے لشکر کہ می گفت بہ ایں علت ابامی کردند زیرا کہ اکثر آں از انہا بودند کہ نامہ بحضرت نوشتہ حضرت را بہ عراق طلبیدہ بودند،"

اور نور اللہ شوستری نے تصریح کی ہے کہ ان شیعوں نے اقرار بھی کیا کہ ہم نے حضرت حسینؓ کو بلا کر ان پر تلوار چلائی، لکھتے ہیں:۔

"چوں طائفہ کوفیاں مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت بشہادت امام رسانیدند، سلیمان (شیعہ) بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت

حسرت بدنداں گرفتہ برخود نفریں میکرد کہ خسران دنیا و آخرت نصیب باشد کہ بعد ازاں کہ امام حسین را طلب داشتیم، تیغ بر روئے او کشیدیم تا از بیوفائی ما رسید باو آنچہ رسید

یعنی جب کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑوائی اور امام حسینؓ کی شہادت تک نوبت پہنچائی تو سلیمان (ابن صرجس کے گھر بیٹھ کر شیعوں نے حسین کو بلانے کی رائے کی اور خط لکھا اور خط میں پہلا نام اسی کا ہے، (دیکھو جلاء العیون) کو چند ماہ کے بعد ہوش آیا۔ وہ اپنے پر نفریں کرتا تھا کہ ہماری دنیا و آخرت دونوں گئی، ہم نے حسینؓ کو بلا کر ان پر تلوار چلائی اور ہماری غداری کا جو انجام ہوا وہ ظاہر ہے۔ کیا اب بھی اس روشن حقیقت کو چھپایا جا سکتا ہے کہ قاتلان حسینؓ شیعہ تھے۔

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ

آپ کے حق میں گندہ دہن مؤلف نے خبث باطن کا بہت زیادہ مظاہرہ کیا ہے، اور حق یہ ہے کہ رافضیت کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ پہلا عنوان قائم کرتا ہے "خدا کا..... کرنا ابو سفیان وغیرہ پر" اور ثبوت یہ پیش کرتا ہے کہ معتضد خلیفہ عباسی نے تصریح کی ہے کہ شجرہ ملعونہ فی القرآن سے بنی امیہ کے مراد ہونے پر مفسرین کا اتفاق ہے "سبحان اللہ! کیا ثبوت ہے! شیعہ مؤلف علم سے بیگانہ ہونے کے ساتھ عقل سے بھی بے بہرہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اتنا سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ علمی مسائل میں معتضد کیا اس سے بڑے کسی بادشاہ کا قول بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ تا وقتیکہ وہ مستند عالم نہ ہو، اور معتضد کی جہالت کا کافی ثبوت یہی ہے کہ وہ شجرہ ملعونہ سے بنی امیہ کے مراد ہونے پر مفسرین کا اتفاق بتاتا ہے حالانکہ کسی معتمد مفسر کا بھی یہ قول نہیں ہے۔ چہ جائے کہ اتفاق مفسرین اور اس سے زیادہ جاہل اجہل شیعہ

مؤلف ہے کہ ایک جاہل بادشاہ کے غلط قول پر تکیہ کر کے خدا پر افترا پردازی کرنے لگتا ہے۔

دوسرا عنوان یہ لکھتا ہے "پیغمبر خدا کا........ کرنا اسی خاندان والوں پر" اور اس کے ماتحت نصائح کافیہ سے ایک حدیث نقل کرتا ہے، نصائح کافیہ موضوعات ومکذوبات کا مجموعہ ہے، اور اس کا مصنف خالص شیعہ، اور جو حدیث نقل کی ہے اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اور اگر کوئی یہ احتمال ذکر کرے کہ شاید یہ واقعہ حضرت ابوسفیان وغیرہ کے اسلام سے پہلے پیش آیا ہو تو میں کہوں گا کہ اس صورت میں اس سے استدلال باطل ہے اس لیے کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ اے اللہ میں نے کسی پر لعنت کی ہو یا اس کو برا کہا ہو تو اس کے حق میں اس کو رحمت اور تزکیہ گناہ بنادے نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ اسلام سے پہلے کی باتوں کو اسلام کالعدم کر دیتا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں مسلم میں ہیں

مؤلف لکھتا ہے کہ "جس پر پیغمبر لعنت کریں اس کا انجام بخیر نہیں ہو سکتا" میں پوچھتا ہوں کہ یہ حکم صرف پیغمبر کا ہے یا امام کا بھی۔ اگر امام کا بھی یہی حکم ہو تو زرارہ اور برید عجلی وغیرہ کا بھی انجام بخیر نہیں ہو سکتا (دیکھو کشی) اس کے بعد مؤلف نے حضرت علیؓ کا ایک قول حضرت معاویہؓ وابوسفیانؓ کے باب میں نقل کیا ہے اس کی نسبت گزارش ہے کہ اس قول کی نسبت حضرت علی کی طرف غلط ہے، اس لئے کہ اس میں حضرت معاویہ کا بکراہت مسلمان ہونا مذکور ہے حالانکہ مستند تاریخ وسیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ وہ بخوشی ورضامندی مسلمان ہوئے تھے۔ لہذا ایسی غلط بات حضرت علی کے کلام میں کیوں کر ہو سکتی ہے۔ دوسری غلط بات اس قول میں یہ ہے کہ حضرت معاویہ کو طلیق کہا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت معاویہ حدیبیہ کے دن یا اس کے کچھ بعد مسلمان ہو چکے تھے پس وہ طلیق کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوسفیان

پر بھی طلیق حقیقت کے طور پر درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے (ابن ابی الحدید ص ۲۰۸ ج ۴) اور طلیق وہ کہلاتا ہے جو فتح مکہ کے وقت کفر کی حالت میں آنحضرت کے سامنے لایا گیا ہو اور آپ نے بلا فدیہ وغیرہ لئے ان کی جان بخشی فرمادی ہو۔ ابن ابی الحدید میں ہے **وفی یوم الفتح سمی رسول الله صلی الله علیه وسلم واله اهل مكة الذين دخلها عليهم الطلقاء لمنه عليهم بعد ان اظفره الله بهم** (ص ۲۱۹ ج ۴) اتنی بات سیر سے ضرور ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابو سفیان مسلمان ہونے کے بعد ابتداءً کچھ زیادہ پختہ نہ تھے لیکن بہت جلد ہی یہ بات بھی جاتی رہی چنانچہ جب ان کی بی بی ہند نے ان کے بخل کی شکایت کی اور حضرت نے ان کو اجازت دی۔ کہ تم ابو سفیان کے مال سے اپنی اور اپنے اولاد کی ضرورت کے مطابق بلا اجازت بھی لے سکتی ہو اور یہ فیصلہ ہند نے ابو سفیان کو سنایا تو انہوں نے حضرت کا فیصلہ خوشی سے منظور کیا اور کہا کہ میرے مال سے تم جو لے لو حلال ہے (تطہیر ص ۱۷)

ابن حجر لکھتے ہیں **ثم حسن اسلامه وتزايد صلاحه حتى صار من اكابر الصادقين و افاضل المومنين** (پھر ان کا اسلام پختہ اور خوب ہو گیا اور ان کی نیکوکاری بڑھتی گئی تا آنکہ بڑے سچے مسلمانوں اور افضل مومنوں میں ان کا شمار ہو گیا۔ (تطہیر ص ۱۶)

بہر حال جس کلام میں ایسی خلاف تحقیق و خلاف واقعہ باتیں ہوں ہم اس کو حضرت علی کی طرف کبھی منسوب نہیں کر سکتے، اور اگر بفرض غلط یہ نسبت صحیح بھی ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو "معصومین" کی رنجش اور غصہ کی باہمی گفتگو کا ہے اس کے لئے حضرت ابو ہریرہ اور جاریہ کا عنوان پڑھئے۔

حضرت ابوسفیانؓ پر جھوٹ کی تہمت

شیعہ مؤلف لکھتا ہے کہ ابوسفیان نے علی سے (حضرت ابو بکر کی خلافت کے وقت) کہا مسلمانوں نے اس سے بیعت کی ہے جو قبیلۂ قریش میں نہایت پست اور کمینہ شخص ہے.... یہ بات شیعہ مؤلف نے کنزالعمال سے نقل کی ہے لیکن بایعوا اذل قریش قبیلة کا ترجمہ خط کشیدہ عبارت میں کرنا کھلی ہوئی بے ایمانی ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس شخص سے بیعت کی جس کا قبیلہ قریش میں سب سے کمزور ہے یعنی اس قبیلہ کے افراد اور حمایتی بہت تھوڑے ہیں، چناچہ اسی لئے آگے کہتے ہیں کہ اے علی اگر تم چاہو تو بخدا میں ابو بکر سے مقابلہ کے لئے مدینہ کو اپنے سواروں اور پیادوں سے بھر دوں، اگر شیعہ مؤلف کی اب بھی تسکین نہ ہوئی ہو تو وہ ابن ابی الحدید میں ابوسفیان کا یہی مقولہ ان الفاظ میں پڑھے۔ ما بال هذا الامر في اقل حي من قريش ثم قال لعلي ابسط يدك و ابا يعك فوالله ان شئت لأملأنها علي ابي فضيل يعني ابا بكر خيلاً و رجالاً ص ۴۷ ج ۱ یعنی خلافت اس قبیلہ میں کیسے چلی گئی جو قریش میں سب سے زیادہ اقلیت میں ہے۔ پھر علی سے کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں بیعت کروں، خدا کی قسم اگر تم چاہو تو میں ابو بکر کے مقابلہ پر مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ بعینہ یہی بات ترجمہ ابن خلدون میں بھی ہے مگر شیعہ مؤلف بددیانتی سے ادھوری عبارت نقل کر کے ایک غلط بات باور کرانا چاہتا ہے۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس قول سے نہ تو حضرت ابوسفیان کا جھوٹ ثابت ہوتا ہے۔ نہ حضرت ابو بکر کی نسبی پستی اس لئے کہ ابوسفیان نے اقلیت کا ذکر کیا ہے ذلت و پستی کا نہیں اور اگر اقلیت میں ہونا ذلت و پستی ہے تو مرزا صاحب کو ماننا پڑے گا کہ شیعہ جماعت نہایت ذلیل، پست فطرت اور کمینہ جماعت ہے۔ اس

لئے کہ وہ بمقابلہ اہل اسلام نہایت اقلیت میں ہے اور آج سے نہیں ہمیشہ سے اس کا یہی حال رہا۔ جس پر ائمہ نے بار بار حسرت وافسوس کا اظہار کیا ہے۔

ضرار بن صرد

یہ سفید جھوٹ ہے کہ صحیح بخاری میں اس سے روایت لی گئی، مولف نے جو عبارت نقل کی ہے اس عبارت میں خلق افعال العباد میں اس سے روایت کیا جانا مذکور ہے جس کو مولف اپنی جہالت و غباوت سے بخاری کا ایک باب لکھتا ہے ، حالانکہ وہ الگ ایک رسالہ ہے جس کو صحیح بخاری سے کوئی نسبت نہیں۔ پھر جو مناقب ضرار کے مولف نے لکھے ہیں وہ خود مولف کے مناقب ہیں اس لئے کہ ضرار صاحب شیعہ تھے۔ (تہذیب)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

حضرت طلحہ پر جو بے بنیاد الزامات شیعہ حضرات لگایا کرتے ہیں ان کی نسبت حضرت زبیر کے تذکرہ میں بہت کافی لکھا جا چکا ہے۔ یہاں پر جو الزام شیعہ مولف نے بہت زور لگا کر بیان کیا ہے وہ قتل عثمانؓ میں شرکت کا الزام ہے اگر چہ اس کی نسبت بھی میں لکھ چکا ہوں۔ لیکن مؤلف کی خاطر سے یہاں بھی کچھ لکھ دینا مناسب ہے۔

مولف نے یہاں جو عبارتیں نقل کی ہیں ان میں سے کسی میں یہ نہیں ہے کہ حضرت طلحہ نے حضرت عثمان پر تلوار چلائی یا کوئی ہتھیار اٹھایا، یا کسی سے کہا کہ ان کو قتل کر دو بلکہ ان عبارتوں میں یہ بھی نہیں ہے کہ وہ قتل کے وقت ان کے گھر میں یا کہیں آس پاس موجود تھے، ہاں ان عبارتوں میں سے ایک عبارت میں یہ ضرور مذکور

ہے کہ حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کے قتل پر اعانت کی، لیکن یہ قول مردان کا ہے
۔اور اس مسئلہ خاص اور ایسے دوسرے مسائل میں مروان پر اعتماد کرنا سراسر جہالت
ہے۔شیعہ مؤلف کو سوچنا چاہئے کہ اگر وہ ہم کو حضرت طلحہ کے باب میں مردان کا
قول ماننے پر مجبور کرے گا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ مروان سے کہیں بہتر اشخاص نے
جو حضرت علی کی شرکت خون عثمان میں بیان کی ہے اس کو بھی صحیح نہ تسلیم کریں
،تعصب، بدنیتی،اور بے ایمانی کے سوا دوسری کون سی وجہ ہو سکتی ہے کہ حضرت علی
واولاد علی کے حق میں تو مروان وغیرہ کے اقوال، جھوٹے اور بے اعتبار ہوں،اور طلحہ
وزبیر کے حق میں مقبول،اور قابل الزام۔الغرض اگر مروان صراحۃً قتل عثمان کی
تہمت حضرت طلحہ پر رکھتا تو بھی کوئی انصاف پسند ذی علم اس پر اعتماد کرنا جائز نہ رکھتا
لیکن یہاں تو تصریح بھی نہیں ہے،اعانت کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مروان غلط
فہمی کے بناء پر یہ سمجھتا ہو کہ بلوائی حضرت طلحہ کے اشارے سے آئے تھے،اگر
حضرت عثمان کا یہ قول کہ طلحہ نے بلوائیوں کو آمادہ اور اکٹھا کیا۔پایۂ ثبوت کو پہنچ
جائے تو اس کی بنیاد بھی غلط فہمی ہے جس سے کوئی محفوظ نہیں ہے۔

حضرت طلحہ و حضرت علی وغیرہ نے شہادت عثمان کے واقعہ سے پہلے
معترضین اور حضرت عثمان کے خلاف شور و غل مچانے والوں کی ترجمانی کی تھی
،چنانچہ عقد فرید سے مؤلف نے جو یہ نقل کیا ہے کہ اصحاب رسول میں طلحہ سے زیادہ
حضرت عثمان پر سختی کرنے والا کوئی نہ تھا۔" اس سختی سے یہی معترضین کی ترجمانی
میں سختی مراد ہے اور بعینہ یہی بات نائلہ زوجۂ عثمان نے حضرت علی کی نسبت بھی کہی
ہے (عقد فرید ص ۹ ج ۳) اس لئے حضرت عثمان کو یہ غلط فہمی ہو جائے کہ یہ لوگ
بھی سازش میں شریک ہیں تو کچھ بعید نہیں ہے، اگر چہ واقعہ یہ نہیں تھا کہ ان
حضرات کو ان کی ترجمانی یا حمایت سے در حقیقت اصلاح و رفع شکایت منظور تھی اس کا

تو وہ لوگ وہم بھی نہیں کر سکتے کہ اس شور و غل کا انجام خلافت سے دست برداری یا حضرت عثمان کی شہادت ہو جائے گا۔ اگر ان کا کوئی ایسا ارادہ ہوتا تو حضرت طلحہ اپنے لڑکے اور حضرت علی اپنے لڑکے کو دروازہ پر اس وقت تعینات نہ کرتے جس وقت بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا حضرت طلحہ کی نسبت حضرت عثمان کا جیسا قول مؤلف نے نقل کیا ہے حضرت عثمان کے ایسے اقوال حضرت علی کے حق میں بھی منقول ہیں (دیکھو عقد فرید ص ج ۳) لیکن ہمارے نزدیک ان تمام اقوال کی سندیں حد درجہ کمزور اور متہم راویوں پر مشتمل ہیں۔ اور اگر بالفرض وہ صحیح ہوں تو غلط فہمی یا غلط اطلاع کے سوا ان کا کوئی منشاء نہیں ہے۔ کامل، ابو الفداء عقد فرید کی عبارتوں سے جو دھوکہ مؤلف نے دینا چاہا تھا اس کی حقیقت منکشف ہو چکی، اب تہذیب کی دو عبارتیں رہ جاتی ہیں تو ان میں بھی اس کی تصریح نہیں ہے کہ طلحہ نے قتل میں شرکت کی۔ بلکہ عثمان کے عوض میں طلحہ کے کسی لڑکے کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ ارادہ مذکورہ بالا غلط فہمی اور اس کے پروپیگنڈے سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ ارادہ کرنے والے عبد الملک اور ولید ہیں۔ اور پھر ان اقوال کی بھی سند کا یہ حال ہے کہ عبد الملک کا قول جس سند سے مذکور ہے اس میں دو راوی بالکل مجہول ہیں۔ بالخصوص اس راوی کا تو پتہ ہی نہیں جس نے عبد الملک سے یہ بات سنی ہے اور ابو جناب کلبی سخت مجروح ہے۔ آخر آخر میں شیعہ مؤلف اپنے رافضیانہ جذبات سے بے اختیار ہو کر صریح تبرا بازی پر اتر آیا ہے۔ اور بناء فاسد علی الفاسد کے طور پر لکھتا ہے کہ:۔

ایماندار سچے خلیفہ رسول حضرت علی کی شان یہ ہے کہ رسول ان کے قاتل کو عذاب جہنم سے معذب ہونے کی خبر دے رہا ہے اور حضرت عثمان کی شان یہ ہے کہ ان کے قاتل (طلحہ) کو باعتقاد اہلسنت رسول جنت کی بشارت دے رہے ہیں

دیکھئے حضرت عثمان پر کتنا سخت حملہ ہے اور حملہ بھی ایسا کہ جس کے جواز کے لئے کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ بار بار ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان کے خون میں حضرت طلحہ کسی طرح بھی شریک نہ تھے، بلکہ وہ قتل عثمان کو اتنا بڑا گناہ اور قاتلین عثمان سے قصاص وانتقام لینے کو اتنا ضروری سمجھتے تھے کہ جب تک حضرت علی نے۔ اس کا وعدہ نہ کر لیا انہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کی، ان کے نزدیک خون عثمان اتنا قیمتی تھا کہ وہ اس کے لئے حضرت علی سے لڑ گئے، اس لئے شیعہ مؤلف کو یوں کہنا چاہئے کہ حضرت عثمان کی شان یہ ہے کہ ان کے قصاص کے لئے حضرت علی سے جو لڑا اس کو رسول نے جنت کی بشارت دی۔ اور چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عثمان مظلومانہ قتل کئے جائیں گے۔" اس لئے جو جو آدمی ان کے قتل میں شریک ہوگا وہ از روئے حدیث ظالم قرار پائے گا۔ اب شیعہ مؤلف بتائے کہ اگر ان اقوال کی بناء پر جن کو ہم ناقابل اعتبار ثابت کر چکے ہیں۔ حضرت طلحہ کو شریک قتل مان لیں تو ویسے ہی دوسرے اقوال کی بناء پر حضرت علی کو بھی شریک قتل ماننا پڑیگا۔ اور مؤلف کو اپنے اس اصول سے جو حضرت طلحہ کے حق میں وہ برت رہا ہے حضرت علی کے لئے وہی لقب تجویز کرنا پڑے گا جو از روئے حدیث قاتل عثمان کا ہو سکتا ہے۔

شیعہ مؤلف اگر اپنی کتابوں سے حضرت عثمان کی شان معلوم کرنا چاہے تو اس کو کافی کتاب الروضہ ص ۱۴۳ میں امام جعفر کی یہ حدیث پڑھنی چاہیئے۔ و ینادی منا دآخر النهار الا ان عثمان و شیعته هم الفائزون کہ ہر شام ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ صرف حضرت عثمان اور ان کی جماعت کے لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔

طلق بن حبیب

ان کو صحیح بخاری کا راوی کہنا جھوٹ ہے، بخ ادب المفرد کی علامت ہے

اور الزام ارجاء کا جواب ایوب بن عائذ کے تذکرہ میں پڑھئے۔

عاصم بن علی

مؤلف نے لیس بشی کا معنی غلط بیان کیا ہے (بکار کا تذکرہ پڑھئے) پھر انتہائی بے حیائی سے کہتا ہے کہ "جھوٹا ہونا اس راوی کا کتب اہلسنت سے ثابت کیا گیا" حالانکہ جھوٹے ہونے کا جو قول نقل کیا ہے اس کو خود ہی ست لکھا ہے اور اس ست کہنے میں بھی بددیانتی کی ہے نہایت کمزور اور گیا گزرا قول کہنا چاہیئے، واھیۃ اور واھی کا اطلاق محدثین اسی معنی میں کرتے ہیں۔ دوسری بددیانتی یہ کرتا ہے کہ امام احمد نے بہت زیادہ عاصم کو سراہا ہے، ابو حاتم، ابن عدی اور عجلی نے اس کو توثیق کی ہے لیکن اس کو نقل نہیں کرتا، حاصل کلام یہ کہ عاصم جھوٹا نہیں ہے، ہاں اس کی توثیق میں اختلاف ہے اور ایسے مختلف فیہ راویوں کا حکم حارث کے تذکرہ میں بیان ہو چکا ہے۔

عبدالکریم بن ابی المخارق

ان سے بخاری نے کوئی روایت نہیں لی ہے، نماز تہجد کی ایک حدیث میں بخاری نے کہا ہے کہ اس میں عبدالکریم ایک اور فقرہ روایت کرتے ہیں۔ اسی کو شیعہ مولف اپنی جہالت سے کہتا ہے کہ روایت لی ہے، اس مقام کے سوا بخاری میں ان کا نام بھی نہیں آیا ہے۔

عبداللہ بن سالم

اس کی صرف ایک روایت بخاری میں ہے، ابو داؤد نے اس پر بیشک جرح کی ہے لیکن کثرت رائے اس کی توثیق کے حق میں ہے، اسی بناء پر ابن حجر نے بھی اس کی توثیق کی ہے، اور ابو داؤد نے عبداللہ کے جس قول کی بناء پر جرح کی ہے اس کو کوئی

وقعت اس لئے نہیں دی کہ ابو داؤد کی خود عبد اللہ سے ملاقات نہیں ہے لہذا کسی نے ان سے نقل کیا ہوگا اور ناقل کا وہ نام نہیں لیتے، معلوم نہیں وہ معتبر ہے یا نہیں، بہر حال اگر اصولاً عبد اللہ کا قول پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا تب تو یہ سوال ممکن تھا کہ ابن حجر نے اس کی کیوں توثیق کی، باقی رہا جھوٹ کو تدین کے خلاف نہ سمجھنے کا سوال تو مولف کو اس بے غیرتی پر ہم "مبارکباد" دیتے ہیں خدا کی شان ہے کہ جن کے ائمہ یہ تعلیم دے گئے ہیں۔ التقية ديني و دين آبائي (اصول کافی ص ۴۸۴) جھوٹ بولنا میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے، التقية تسعة أعشار الدين (اصول کافی ص ۴۸۴) جھوٹ بولنا دین کے دس حصوں میں سے نو/۹ حصہ ہے، وہ بھی آج اس قسم کے سوالات اٹھاتے ہیں!

عبیدہ بن معتب

ان سے بھی بخاری نے کوئی حدیث روایت نہیں کی، بخاری میں ان کا صرف ذکر آیا ہے اور وہ اس طرح پر کہ ایک روایت کرنے کے بعد بخاری نے کہا کہ اس حدیث کے راوی کی عبیدہ نے بھی تائید کی ہے، ابن حجر نے صراحۃً یہی بات تہذیب ص ۸۷ ج ۷ میں لکھی، جس کو مؤلف نے بددیانتی سے یوں بناڈالا کہ "صحیح بخاری میں اس سے روایت لی ہے"۔ آگے خالد بن یوسف اور عبیدہ کی جو گفتگو نقل کی ہے اس میں بھی بددیانتی ہے، اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ خالد نے پوچھا کہ آپ ابراہیم کے جو مسائل و اقوال نقل کرتے ہیں وہ سب ان سے آپ نے سنے ہیں۔ عبیدہ نے کہا کہ بعض سنے ہیں اور بعض مسائل کو ان سے سنے ہوئے مسائل پر قیاس کر کے کہتا ہوں کہ جب فلاں مسئلہ میں ابراہیم کا قول یہ ہے تو اس کے رو سے فلاں مسئلہ میں ان کا یہ قول ہونا چاہئے جیسا کہ تہذیب ص ۸۷ ج ۷ سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ سے دشمنی ثابت کرنے کے لئے جو واقعہ تلخیص سے نقل کیا ہے اس میں نہایت زبردست خیانت وفریب کاری کی ہے، تلخیص میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ "تنہا حضرت علیؓ کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔" بلکہ اس میں عبیدہ کا قول جو اس نے خود حضرت علیؓ کو خطاب کر کے کہا ہے یہ ہے کہ آپ کی وہ رائے جو تنہا آپ کی ہو، جماعت کی نہ ہو، اب دیکھئے کہ مؤلف کتنے جھوٹ بول گیا۔ اولاً عبیدہ رائے کو کہتے ہیں خبر کو نہیں۔ دوسرے حضرت علیؓ کی رائے کو عبیدہ بے اعتبار نہیں کہتے بلکہ دوسری رائے (جو جماعت کے موافق ہو) کے مقابلہ میں کم پسندیدہ، یعنی وہ بھی پسندیدہ ہے، مگر دوسری سے کم۔ تیسرے یہ کم پسندیدگی بھی خود حضرت علیؓ ہی کی دوسری رائے کو زیادہ پسند کرنے کی وجہ سے ہے اور چوتھی بات یہ ہے کہ سرے سے یہ قول ہی عبیدہ بن معتب ضبی کا نہیں ہے بلکہ عبیدہ بن عمرو سلمانی کا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

ان کی نسبت مؤلف اپنی خبث باطن کا یوں اظہار کرتا ہے "حضرت عائشہؓ ان کی تکذیب فرماتی ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ابن عمر جھوٹی حدیثیں بنا کے پیغمبر اسلام کی طرف منسوب کیا کرتے تھے...... حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہم کو مجبور کرتا ہے کہ ہم ان کو جھوٹا سمجھیں۔" (ص ۴۲ ج ۲) اور اس کا ثبوت یہ پیش کرتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے یہ حدیث بیان کی کہ میت کے عزیز اس پر روتے ہیں تو میت پر عذاب ہوتا ہے۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا۔ واللہ پیغمبر خدا نے اس طرح نہیں فرمایا شیعہ مؤلف کہتا ہے کہ "ابن عمر نے یہ حدیث بنا لی تھی اور رسول پر افترا کیا تھا۔"

شیعہ مؤلف کا یہ سارا بیان اس کی خباثت و بددیانتی کا آئینہ دار ہے حضرت

عائشہؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا منشاء تکذیب نہیں ہے بلکہ ان کا منشاء یہ ہے کہ ابن عمرؓ بھول گئے یا ان کو شبہہ ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے خود اس کی تصریح کی ہے ابوداؤد میں ہے قالت عائشة وهل ابن عمر (ص ۳۵ ج ۲) یعنی حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ابن عمر بھول گئے۔ اور صحیح مسلم ص ۴۰۳ ج ا میں ہے اما انه لم يكذب و لكنه نسى او اخطأ یعنی اس میں شک نہیں کہ ابن عمر جھوٹ نہیں بولے لیکن وہ بھول گئے یا سننے میں چوک ہوئی، اسی صفحہ میں دوسری روایت میں ہے قالت انكم لتحدثونى عن غير كاذبين ولا مكذبين ولكن السمع يخطى یعنی تم لوگ جن کی یہ روایت نقل کرتے ہو وہ جھوٹے نہیں ہیں لیکن کان سننے میں خطا کر جاتا ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ رجب میں آنحضرت کے عمرہ کرنے سے متعلق پیش آیا تھا مؤلف نے اس کو بھی نقل کر کے یہی نتیجہ نکالا ہے حالانکہ بیوقوف سے بیوقوف آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ کسی بات کو رد کرنے کا منشا ہمیشہ قائل کی تکذیب ہی نہیں ہوتا بلکہ عموماً رد کا یہ منشا ہوتا ہے کہ قائل سے بھول ہوئی یا اس سے سمجھنے میں خطا ہو گئی، لہٰذا اگر حضرت عائشہ کی کوئی تصریح ہوتی تب بھی ان قوی احتمالات کو چھوڑ کر تکذیب کے کمزور احتمال کو اختیار کرنا اور اسی کو متعین کر دینا سخت بے ایمانی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی جہالت تھی، لیکن حضرت عائشہؓ کی تصریح کے بعد تو احتمال تکذیب کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہا۔ تم اوپر والے واقعہ میں پڑھ چکے ہو۔ حضرت عائشہؓ نے ابن عمر کے جھوٹے ہونے کی صاف صاف نفی فرمائی انكم لتحدثونى عن غير كاذبين. پس جب وہ ابن عمر کے کاذب ہونے کی نفی فرماتی ہیں تو یہاں جو انہوں نے رد کیا ہے اس کا منشاء اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ابن عمر سے بھول ہو گئی، چنانچہ حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ آنحضرتؐ نے کوئی ایسا عمرہ نہیں کیا جسمیں ابن عمر آپ کے ساتھ نہ ہوں، یہی ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ ابن عمر بھول گئے (دیکھو مسلم ص ج ا)

شیعہ مولف کی اپنے مذہب سے ناواقفیت اور امام جعفر کی تکذیب!

مجھے حیرت ہے کہ یہ بدزبان و بے غیرت مؤلف نہایت بے باکی سے جس صحابی کو چاہتا ہے جھوٹا کہہ دیتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ کسی صحابی کو جھوٹا کہنا، امام جعفر کو جھوٹا ثابت کرنا ہے۔ اصول کافی مع صافی ص ۱۴۳ کتاب العقل میں ہے ۔قلت فاخبرنی عن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم صدقوا علی محمد ام کذبوا قال بلی صدقوا ملا خلیل قزوینی صافی ترجمہ کافی میں لکھتا ہے۔ ”خبر دہ مرا از اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ بعدد تواتر رسیدہ اند راست گفتہ بر محمد لفظ حدیثے کہ از و نقل کردہ اند یا دروغ گفتہ اند گفت دروغ نہ گفتہ اند بلکہ راست گفتہ۔“ یعنی مجھے بتائیے کہ اصحاب رسول جن کا شمار بہت زیادہ ہے، انہوں نے جو حدیث آنحضرت سے نقل کی ہے تو اس میں جھوٹ بولے ہیں یا سچ۔ امام جعفر نے جواب دیا کہ جھوٹ نہیں بولے بلکہ سچ بیان کیا ہے۔

کہئے مرزا صاحب آپ سچے ہیں یا امام جعفر اب تو مجھے بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ میں تو اس کا تصفیہ نہیں کر سکتا مگر ایک ضرور جھوٹا ہے اور یہ کہ ہم اپنی زبان سے امام جعفر کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے مگر مؤلف کے اقوال ہم کو مجبور کرتے ہیں کہ ہم امام جعفر کو جھوٹا سمجھیں۔

حضرت ابن عمر اور یزید کی ولی عہدی

اس قصہ میں بھی شیعہ مؤلف نے اپنی قدیم عادت کے موافق بیحد خیانت و فریب کاری کی ہے اور تین کتابوں سے واقعہ کے تین ٹکڑے لیکر اپنے حاشیہ اور

اضافہ کیساتھ ایک من گھڑت قصہ ترتیب دے لیا ہے اور ان ٹکڑوں کے لینے میں بھی یہ کھلی ہوئی بے ایمانی کی ہے کہ ان ٹکڑوں کے آگے پیچھے کی عبارتوں میں شیعہ مؤلف کے دعوے کی علانیہ تکذیب موجود ہے، وہ اس کو نظر انداز کر دیتا ہے، کامل میں یہ بیشک مذکور ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ابن عمرؓ کو ایک لاکھ درہم بھجوائے اور انہوں نے قبول کر لیے۔ لیکن اس کے ساتھ بلا فاصلہ یہ بھی مذکور ہے فلما ذكر البيعة ليزيد قال ابن عمر هذا اراد ان ديني اذن لرخيص و امتنع کہ لیکن جب یزید کی بیعت کا ذکر آیا تو ابن عمر نے فرمایا کہ اچھا یہ ارادہ تھا! تب تو میرا دین بڑا سستا ٹھہرا، یہ کہا اور بیعت سے باز رہے۔ کامل میں آگے یہ ہے کہ "مروان نے اس واقعہ کے بعد ایک دن مجمع میں یزید کی ولی عہدی کے متعلق تقریر کی تو سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے ان کے بعد حضرت حسینؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ نے اس کا رد کیا" اور آگے ہے کہ "جب حضرت معاویہ خود مدینہ آئے تو ابن عمرؓ مکہ چلے گئے" جب وہ مکہ پہنچے تو ابن عمر، ابن الزبیر اور حضرت حسین نے بیعت سے انکار کر دیا اور ان سب کی طرف سے ابن الزبیر نے حضرت معاویہ سے گفتگو کی تھی۔" اس کے بعد صاحب کامل نے ایک کمزور قول کسی مجہول قائل کا نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت معاویہ سے اس بات پر بیعت کی کہ جس بات پر امت متفق ہو جانے گی میں بھی اس میں داخل و شریک ہو جاؤں گا۔ خدا کی قسم اگر حبشی غلام پر بھی امت متفق ہو جائے گی تو اس سے اتفاق کر لوں گا۔ شیعہ مؤلف نے اسی بات کو غلط پیرایہ میں از راہ فریب، عربی عبارت کے بالکل خلاف یوں بیان کیا ہے کہ "میں بیعت کرتا ہوں اس کی جس پر تمام امت نے اتفاق کر لیا ہے، حالانکہ ابايعك على انى ادخل فيما تجتمع عليه الامة کا یہ ترجمہ بالکل غلط اور صریح جھوٹ ہے۔

صاحب کامل کا اس بات کو تمریض کے صیغہ سے نقل کر کے اس کے کمزور ہونے کی طرف اشارہ کرنا بالکل درست ہے، اس لئے کہ دوسری کتابوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، عقد فرید میں ہے کہ جب مروان نے تقریر کی تو حسینؓ، ابن الزبیر اور ابن عمر تینوں نے اس کے رد میں تقریر کی اور یزید کی بیعت سے انکار کر دیا وتکلم الحسین بن علی و عبد الله بن الزبیر و عبد الله بن عمر وانکرو بیعة یزید (۱۳۵ ج ۳) اسی طرح جب حضرت معاویہ نے مکہ میں بیعت لینا چاہی اور ابن الزبیر نے انکار پر مشتمل جواب دیا تو حضرت معاویہ نے حضرت حسین اور ابن عمر کی رائے پوچھی ان لوگوں نے کہا کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن الزبیر کہتے ہیں۔

ایک لاکھ درہم کا مذکورہ بالا قصہ جس طرح صاحب کامل نے لکھا ہے بعینہ اسی طرح ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اسماعیلی کے حوالہ سے لکھا ہے (دیکھو ص ۵۵ ج ۱۳)

ان تمام تصریحات کے بعد شیعہ مؤلف کا یہ لکھنا کہ بخوشی یزید کی بیعت کر لی اور اپنے دین کو ایک لاکھ درہم کے عوض میں فروخت کر دیا۔ کیا کھلے طور پر رافضیانہ خباثت کا اظہار نہیں ہے؟ شیعہ مؤلف نے جو حرکت یہاں کی ہے اسی قسم کی حرکت آگے والے قصہ میں بھی کی ہے، حضرت ابن عمر نے تو حضرت حسین وابن الزبیر سے صرف یہ کہا (جیسا کہ خود ہی نقل کر رہا ہے) لا تفرقا جماعة المسلمین جس کا ترجمہ صرف اتنا ہے کہ دیکھئے مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ نہ ڈالئے گا۔ لیکن شیعہ مؤلف نے یہ اضافہ کر دیا کہ "یزید سے بیعت کر لیں" اس کے بعد شیعہ مؤلف سے کہتا ہوں کہ واقعہ تو یہی ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت معاویہ اور مردان کی کوشش کے باوجود ولی عہدی کی بیعت نہیں کی۔ اور اس بات کے شیعہ بھی گواہ ہیں کامل بہائی میں ہے کہ معاویہ کی وفات کے بعد یزید نے وزیروں

سے حضرت حسین، ابن زبیر، ابن عمر اور عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے باب میں مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ مدینہ آدمی بھیج کر ان سے بیعت لیجئے، بیعت نہ کریں تو حکم دیجئے کہ ان کا سر اڑا دیں، اصل عبارت یہ ہے۔ "مشورت بوزراء کرد در حال حسین و عبد اللہ زبیر و عبد اللہ عمر و عبد الرحمٰن ابی بکر۔ گفتند بمدینہ فرست تااز برائے تو از ایشاں بیعت بستانند اگر نہ کنند سر ایشاں بتو فرستند (ص ۴۵۵)

اگر ابن عمر نے معاویہ سے ایک لاکھ درہم لیکر بیعت کرلی تھی تو کامل بہائی والا یہ کیا لکھ رہا ہے۔ لیکن اگر بیعت ثابت بھی ہو جائے تو تم کس منہ سے اس پر معترض ہو سکتے ہو جبکہ تمہاری اصح الکتب پکار رہی ہے کہ امام سجاد نے یزید سے صاف لفظوں میں اپنی غلامی کا اقرار کیا، اور امام حسن نے حضرت معاویہ (جن کو تم کسی حال میں یزید سے اچھا نہیں سمجھتے) کے ہاتھ پر بیعت کی اور نذرانے وصول کرتے رہے کامل بھائی ص ۴۲۴ میں ہے۔ "معاویہ سہ صد ہزار درہم باامام حسن علیہ السلام داد۔ "یعنی معاویہ نے تین لاکھ درہم امام حسن کو دیئے۔ اور ابن ابی الحدید شیعی، ابو الفرج اصبہانی شیعی کے حوالہ سے سفیان بن ابی لیلیٰ شیعہ (دیکھو رجال کشی) کا قول نقل کرتا ہے کہ اس نے امام حسن سے کہا۔ اعطیت ھذا الطاغیہ البیعة (اس سرکش یعنی معاویہ سے آپ نے بیعت کرلی (ص۱۶ ج ۴) حضرت حسین کا بیعت کرنا اور قیس بن سعد کو بھی اس کا حکم دینا ص ۱۷ ج ۴ میں بھی مذکور ہے اور کشی (ص ۷۲) میں امام حسن اور امام حسین کا بیعت کرنا بھی مذکور ہے۔

عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ

شیعہ مؤلف لکھتا ہے کہ "امیر معاویہؓ ان کی روایتوں کو جھوٹا سمجھتے تھے" ثبوت یہ ہے کہ ایک حدیث انہوں نے بیان کی تو معاویہ نے کہا کہ "لوگوں کو کیا ہو

گیا ہے کہ وہ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کو ہم نے نہیں سنا حالانکہ ہم بھی رسول اللہ کی صحبت میں رہتے تھے"۔ ناظرین انصاف کریں کہ اس سے عبادہؓ کو معاویہؓ کا جھوٹا سمجھنا کیسے ثابت ہوتا ہے، حضرت معاویہؓ نے اظہار تعجب ضرور کیا ہے، اور ان کا منشاء یہ ہے کہ کہیں ان بیان کرنے والوں کو شبہ وہم نہ ہو گیا ہو، یا آنحضرتؐ کی بات کا مطلب سمجھنے میں ان سے غلطی نہ ہو گئی ہو۔ ورنہ بات کیا ہے کہ ہم بھی خدمت نبوی میں حاضر رہتے تھے لیکن یہ حدیث نہیں سنی۔ بہر حال اس قصہ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ امیر معاویہؓ عبادہؓ کو جھوٹا سمجھتے تھے، ابلہ فریبی ہے۔

عبد الملک بن مروان

مؤلف کا یہ سفید جھوٹ ہے کہ اس سے صحیح بخاری میں روایت ہے بار بار بتایا گیا کہ بخ ادب مفرد کی علامت ہے، بخاری کی بڑی بات ہے، صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی اس سے کوئی روایت نہیں ہے۔ باقی رہی اس کی دشمنی اہلبیت سے تو تاریخوں سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔ عقد فرید میں ہے کہ اس نے حجاج کو یہ فرمان بھیجا کہ کسی ہاشمی کا ہرگز ہرگز خون نہ بہانا۔ (ص ۱۵۴ ج ۳) اور صواعق میں ہے کہ امام سجاد نے عبد الملک کو اس پر مبارک باد بھیجی کہ تیرا یہ کام خدا کو پسند آیا اس پر عبد الملک نے ایک اونٹ روپئے اور ساز و سامان سے لدا ہوا نذر کیا ص ۱۱۹۔

کیپٹن سل کا یہ بیان کہ عبد الملک کے حکم سے امام زین العابدین کو زہر دیا گیا بالکل غلط ہے، تاریخوں سے اس کا ثبوت نہیں ہے یہ بھی جھوٹ ہے کہ عبد الملک نے کہا کہ "میں علی کو سچا نہیں جانتا۔" عقد فرید مطبوعہ مصر ۱۹۳۹ء میں انی لاحسبہ صادقاً ہے، یعنی بیشک میں علیؓ کو سچا جانتا ہوں، مولف نے اثبات کو نفی بنا دیا۔

عروہ بن زبیر

آپ کی نسبت ابن ابی الحدید شیعی کی اس کتاب کے حوالہ سے جس کو اس

نے رافضی وزیر کی خوشامد میں لکھا ہے، یہ الزام لگایا ہے کہ "وہ حضرت علیؓ کی مذمت میں جھوٹی حدیثیں بناتا تھا۔" لیکن میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ ابن ابی الحدید اس بات میں متہم ہے اور قطعاً نامعتبر پھر اس نے جس شخص کے حوالہ سے لکھا ہے وہ بھی اہل سنت کا سخت دشمن، اور کھلا شیعہ ہے ابن ابی الحدید خود اعتراف کرتا ہے کہ وہ تفضیل علی میں بہت مبالغہ اور غلو کرتا تھا (شرح نہج ص ۳۵۸ ج ۱) نیز وہ شخص عروہ کے ان قصوں کو ایسے آدمی کے نام سے نقل کرتا ہے، جس کو نہ اس نے دیکھا، نہ اس کا زمانہ پایا، بلکہ اس کے مدتوں بعد پیدا ہوا اور شیعہ مؤلف ص ۱۹ ج ۱ میں اقرار کر چکا ہے کہ جس سے سنا نہ ہو اس سے روایت کرنا جھوٹ اور غلط بیانی ہے، ص ۶۳ ج ۱ میں یہ اعتراف موجود ہے، لہذا اب ان قصوں کے جھوٹے ہونے میں کون سا شک ہے۔

عبدالعزیز بن مروان

اس سے ابو داؤد میں صرف ایک روایت ہے، اور اگر علیؓ کو برا کہنا اس سے ثابت ہو تو یہ بیشک عیب ہے، لیکن میں شیعہ و سنی علماء کی تصریحات پیش کر چکا ہوں کہ بد عقیدہ راویوں کی روایتیں بھی چند شرائط کے ماتحت لے لی جاتی ہیں، باقی رہا اس کا اتفاقی طور پر شراب پی لینا تو اس الزام کے دفعیہ کے لئے خود مؤلف کا یہ لکھنا بالکل کافی ہے کہ "اشدق نے اس پر حد جاری کی۔" کافی کی حدیث حضرت حسانؓ کے تذکرہ میں نقل کی جا چکی ہے کہ حد لگنے سے گناہ دھل جاتا ہے۔

ابن زیاد کی نسبت، مؤلف کے جھوٹ کی دسویں مثال میں لکھا جا چکا ہے۔ اتنی بات البتہ یہاں کہنے کی ہے کہ محض حضرت عثمانؓ کو تقی کہنے سے ابن زیاد کو سنی کہہ دینا غلط ہے، تمام شیعہ جانتے ہیں کہ صرف خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا معتقد ہونے سے کوئی شخص سنی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا بھی معتقد نہ ہو

،اور شیعہ مؤلف ابن زیاد کی نسبت یہ بات تا قیامت ثابت نہیں کر سکتے،البتہ اس سے انکار ناممکن ہے کہ ابن زیاد شیعہ علی کی اولاد ہے۔اس کا باپ زیاد مدتوں تک حضرت علیؓ کا دست وبازو رہا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ابن زیاد میدان کربلا میں موجود نہ تھا،بلکہ میدان کربلا میں قاتلان حسینؓ کے سپہ سالار وہ شیعہ تھے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو خطوط لکھ کر بلایا تھا، جیسا کہ مجلسی کی جلاء العیون سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔لہذا قتل حسینؓ کا سارا الزام انہیں شیعوں پر ہے۔ابن زیاد ہزار حکم دیتا مگر یہ نہ مانتے اور حضرت حسینؓ کے خلاف صف آرائی کرنے کے بجائے ان کی طرف سے لڑتے تو یہ صورت نظر بہ اسباب کبھی نہ پیش آتی۔اور اگر آتی تو یہ الزام سے بری ہوتے،اس لئے مولانا عبد الشکور امام اہلسنت بالکل بجا کہتے ہیں کہ قاتلان حسینؓ شیعہ تھے۔

عبد الرحمٰن بن ابزیٰ

شیعہ مؤلف کی بددیانتی تماشا کے قابل ہے کہ خود ہی اخبار الطوال سے عبد الرحمن کا حضرت حسینؓ سے جنگ نہ کرنا نقل کرتا ہے، پھر خود ہی یہ لکھتا ہے کہ "عبد الرحمٰن بھی قتل حسین میں شریک تھے۔" اسی طرح ان کو بلا تردد صحابی لکھتا ہے حالانکہ تہذیب میں صراحۃً مذکور ہے کہ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے (ص ۱۳۲ ج ۶)

عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج

ان پر صرف تدلیس کا الزام ہے، تدلیس و تدسیس کا حکم ابراہیم نخعی اور بشیر

بن مہاجر کے تذکرہ میں تفصیل سے مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

ان کا یہ قصور ہے کہ جب یزید نے ان سے بیعت لینے کا حکم ولید کے پاس بھیجا اور ولید نے ان کو بلایا تو انہوں نے کہا کہ میں کل آؤں گا یہ کہہ کر راتوں رات مکہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے، مؤلف کو اس کا رنج ہے کہ انہوں نے یزید سے بیعت کیوں نہ کی لیکن ظاہر یہ کر رہا ہے کہ وہ جھوٹ بولے حالانکہ یہ اگر جھوٹ ہے تو اس میں مؤلف کے "امام معصوم" حضرت حسین بھی شریک ہیں۔ عقد فرید ص ۳۰۸ ج ۳ میں ہے فارسل الی الحسین بن علی و عبد الله بن الزبیر فدعاھما الی البیعة لیزید فقالا بالغد انشاء الله یعنی ولید نے حضرت حسین و ابن الزبیر کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو یزید کی بیعت کی دعوت دی، دونوں صاحبوں نے جواب دیا کہ اگر خدا نے چاہا تو کل۔

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت حسینؓ و ابن الزبیرؓ نے بلا تعلیق کوئی حتمی وعدہ بیعت کا نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ معلق بہ مشیت تھا۔ جس کی خلاف ورزی وعدہ خلافی بھی نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ وہ جھوٹ ہو، اس کو جھوٹ کہنا سراسر جہالت اور اس کی دلیل ہے کہ مؤلف جھوٹ کے معنی بھی نہیں جانتا، استیعاب سے ابن الزبیر کی بد خلقی اور بخل کی جو شکایت مؤلف نے نقل کی ہے وہ علی بن زید جدعانی کا قول ہے اور علی کا بیان اس باب میں قطعاً نامقبول ہے اس لئے کہ ان کو تشیع میں سخت غلو تھا، ابن عدی نے کہا کہ کان یغلو فی التشیع (تہذیب ص ۳۲۳ ج ۷) وہ شیعیت میں غلو کرتے تھے اور یزید بن زریع نے کہا کہ لم احمل عنه لانه کان رافضیا میں نے ان سے روایت نہیں لی اس لئے کہ وہ رافضی تھے، ان کے علاوہ ابو

حاتم اور عجلی نے بھی ان کے تشیع کی شکایت کی ہے (حوالہ بالا) ظاہر ہے کہ اہل تشیع کو ابن الزبیرؓ سے کد ہے اس لئے ان کے حق میں شیعوں کا کلام نا قابل سماعت ہے۔ کیکن سل وغیرہ کے حوالہ سے جو یہ نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کو لومڑی سے تشبیہ دی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے "امام" حسنؓ کو "لونڈیا" سے تشبیہ دی ہے، ابن ابی الحدید میں ہے لا تزال تخن خنین الامة حضرت علیؓ نے فرمایا (اے حسن) تو ہر وقت لونڈی کی طرح منمنایا کرتا ہے (۷۶ ج ۱)

ہمارے نزدیک ان دونوں مثالوں میں نہ حضرت حسن کی تذلیل و تحقیر منظور ہے نہ حضرت ابن الزبیر کی، بلکہ دوسری مثال میں محض آواز کو اور پہلی میں ہوشیاری کو تشبیہ سے سمجھانا مقصود ہے، چنانچہ جہ تشبیہ کی خود حضرت معاویہ نے تصریح کی ہے جس کو مؤلف نے نقل بھی کیا ہے۔

مؤلف اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ اس کو حاکم شام کا دیا ہوا لقب کہتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ شیعوں نے "ائمہ معصومین" کو کیا کیا لقب دیئے ہیں، امام حسن کو مذل المومنین (کشی ص ۷۳) اور امام باقر کو پیر بے دماغ (سٹھایا ہوا بڈھا) کافی وصافی) بلکہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو "بچہ شکم" کا خطاب دیا ہے (احتجاج و حق الیقین)

ابن ابی الحدید و ینابیع المودۃ کے حوالہ سے جو ابن الزبیر کا بنی ہاشم کو برا کہنے کا افسانہ نقل کیا ہے، اس کی کوئی پختہ و مضبوط سند درکار ہے۔ یہ ... لے بالکل در خور اعتنا نہیں ہیں اور اگر بفرض محال ابن الزبیر کا بنی ہاشم کے حق میں کوئی سخت کلمہ کہنا ثابت بھی ہو تو کون ہے جس کے منہ سے اختلاف و نزاع اور غصہ کی حالت میں ایسی باتیں نہیں نکل جاتیں غصہ کی حالت میں حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے "خطاب درشت" کرنا اور "بچہ شکم" سے تشبیہ دینا اور اس قسم کے دوسرے واقعات کیا مؤلف

بھول گیا؟

نصائح کافیہ کا نام مؤلف بیکار لیتا ہے، وہ خود شیعہ اور اس کتاب کا ماخذ تمام تر شرح ابن ابی الحدید جیسی کتابیں ہیں، ص ۹۵ ج ۲ میں جو اس کی عبارت مؤلف نے نقل کی ہے وہ تقریباً لفظاً لفظ ابن ابی الحدید کی ہے اور لطف یہ ہے کہ اس نے بھی اس کو ابن الکلبی جیسے شیعوں سے نقل کیا ہے نیز اس بیان کے جھوٹے ہونے کی کافی دلیل یہ ہے کہ اس میں ابن الزبیر کا مطلقاً خطبہ میں درود نہ پڑھنا مذکور ہے۔ حالانکہ آگے عقد فرید کی جو عبارت مؤلف نے نقل کی ہے اس میں تصریح ہے کہ ابن الزبیرؓ خطبہ میں درود پڑھتے تھے، مگر آہستہ،

عقد فرید سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں مؤلف نے یہ خیانت کی ہے کہ ابن الزبیر کا بنو ہاشم کو برا کہنا تو منظر عام پر لایا لیکن اس کا جو سبب وہیں مذکور ہے اس کو چھپالیا۔ صاحب عقد الفرید کا بیان ہے کہ پہلے بنی ہاشم ہی نے ابن زبیر پر طعن و تشنیع شروع کی جس کے جواب میں انہوں نے برا بھلا کہا دوسری خیانت یہ کی ہے کہ مؤلف نے خطبہ کے درود" کو نماز کا درود بنا ڈالا (دیکھو رجال بخاری ص ٦ ج ٢)

بخاری سے ابن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے وہ ان کا گمان ہے وہ اپنا علم و یقین نہیں بیان کر رہے ہیں، کہ اس پر کوئی بنیاد قائم کی جاسکے۔

ابن الزبیرؓ کی حضرت حسینؓ سے عداوت کا قصہ بھی محض خیالی ہے، ابن عباسؓ و ابن الزبیر میں معاصرانہ چشمک رہا کرتی تھی، اس لئے اگر حضرت حسین کے کوفہ روانہ ہونے کے بعد ابن عباسؓ نے چھیڑنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ اے ابن الزبیر اب تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہوں گی، تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ در حقیقت ابن الزبیرؓ کو حسینؓ سے عداوت تھی۔

کیا دشمن کا یہی برتاؤ ہوتا ہے کہ جب ابن الزبیر کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت

حسین کوفہ کا قصد فرمارہے ہیں تو انہوں نے آپ سے ملاقات کر کے کہا کہ کاش آپ اسی حرم میں قیام فرماتے اور اپنے آدمیوں کو جابجا شہروں میں بھیج کر اپنے لئے دعوت دیتے اور عراق میں اپنے شیعہ کو لکھتے کہ آپ کے پاس حاضر ہوویں اور اس طرح جب آپ کو قوت حاصل ہو جاتی تو یزید کے مقرر کردہ حکام کو اس شہر سے نکال دیتے اور میں ہر طرح آپ کی مدد اور پشت پناہی کرتا (الاخبار الطوال ص ۲۴۳) اور مولوی سبط الحسن ہنسوی لکھتے ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیر شہادت مظلوم کو سنتے ہیں تو منبر پر جاکر حسین کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں (دیکھو تاریخ عزاداری ص ۶ مطبوعہ نظامی پریس طبع دوم)

لطف یہ ہے کہ یہ واقعہ خود مؤلف نقل کرتا ہے، مگر اپنی اور اپنے ہم مذہبوں کی ذہنیتوں پر قیاس کر کے اس کو منافقانہ بات کہتا ہے، ہم کو اس کی اس بات پر کوئی تعجب نہیں اس لئے کہ جو فرقہ ہمیشہ سے امانت داری، وفا شعاری اور راستبازی سے محروم ہے (اصول کافی ص ۲۴۳) وہ دوسروں کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھے تو معذور ہے۔

مصنف تذکرہ خواص کی تائید بے سود ہے کہ وہ خود رافضی ہے ص ۶۴ ج ۲ میں نادان مؤلف حضرت علی پر ایک سخت حملہ کر گیا ہے۔ وہ یہ کہ جس نے ابن زیاد اور زیاد کو.... امیر بنایا اس کو خدا اور رسول پر افترا کرنے والا قرار دیا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ زیاد کو امیر معاویہؓ سے پہلے حضرت علیؓ ہی نے امیر بنایا ہے۔

مؤلف نے بغض علی کی مذمت میں جو حدیثیں نقل کی ہیں ان کی صحیح مراد حضرت زبیر کے ترجمہ میں بیان کی جا چکی ہے آخر آخر میں مؤلف نے اس پر بہت شور مچایا ہے کہ ابن الزبیر نے محمد بن حنیفہ کو قید خانہ میں محبوس کر دیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی قابل شکایت بات نہیں ہے غنیمت ہے کہ انہوں نے انکار بیعت پر

صرف قید ہی کیا، مالک اشتر نے تو حضرت طلحہ کے اسی جرم پر حضرت علی کے سامنے تلوار ہی کھینچ لی تھی بلکہ ان کے گلے پر رکھدی تھی، اگر وہ بیعت نہ کر لیتے تو سلامت نہ رہتے۔

عبداللہ بن قیس کندی سکونی

ان پر قتل حسینؓ کی شرکت کا الزام رکھنا، اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے، مؤلف کوئی گرا پڑا قول بھی ان کی شرکت کے ثبوت میں پیش نہیں کرتا بلکہ محض اس بنا پر کہ کسی عبداللہ بن قیس نے کربلا کا ایک قصہ اپنا دیکھا ہوا بیان کیا، اور یہ عبداللہ بن قیس جنگ کربلا کے زمانہ میں زندہ تھے، مؤلف نے کہہ دیا کہ قصہ انہیں کا بیان کیا ہوا ہے اور اس پر یہ اضافہ بھی کر دیا کہ یہ قتل حسین میں شریک تھے اس جہالت کی بات کو کوئی احمق ہی قبول کر سکتا ہے۔

عثمان بن عاصم ابوحصین

تدلیس کا جواب ابراہیم نخعی اور بشیر بن مہاجر کے تذکرہ میں پڑھیے، اور عمر ابن سعد سے روایت کرنے کا الزام، خالص افترا پردازی ہے، عثمان نے جس سے روایت کی ہے وہ عمیر بن سعید نخعی ہے، نہ عمر بن سعد زہری، دیکھو تہذیب ترجمہ عثمان و عمیر۔

عمر بن ثابت انصاری

حضرت علیؓ سے ان کی دشمنی کا قصہ ابن ابی الحدید نقل کرتا ہے، اور اس کا حال بار بار ظاہر کیا گیا، اور بتایا گیا کہ اس نے نہج البلاغہ کی شرح رافضی وزیر کی خوشامد میں لکھی ہے۔ اور یہ سارا مسالہ حرص زر طلبی میں اس نے جمع کیا ہے۔

عمر بن سعد

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس لشکر نے حضرت حسینؓ کو شہید کیا، اس کی افسری کرنا عمر سعد کا بہت بڑا جرم ہے، لیکن ان واقعات سے بھی چشم پوشی ممکن نہیں ہے کہ ابن زیاد نے جب عمر کو اس کام پر مامور کیا تو اس نے سختی سے انکار کیا، مگر جب ابن زیاد نے یہ کہا کہ اگر تو نہ جائے گا تو تجھ کو رَی اور ہمدان کی حکومت سے برطرف کر دوں گا، اور تیرا گھر منہدم کرا دوں گا، تب وہ مان گیا، (طبقات ابن سعد و تہذیب ص ۴۵۱ ج ۷)

پھر جب لڑائی کا وقت آیا تب بھی عمر نے طرح دی، اور حملہ کا حکم دینے میں برابر پس و پیش و تاخیر کرتا رہا، تا آنکہ ابن زیاد نے شمر کو بھیجا کہ اگر عمر حملہ کا حکم نہیں دیتا تو اس کی جگہ تو امیر بن جا، تب جا کر عمر نے لڑائی کا آغاز کا کیا۔ (عقد فرید ص ۱۴۰ ج ۳)

عمر سعد نے خود حضرت حسینؓ پر ہاتھ نہیں اٹھایا، بلکہ سنان ابن ابی انس کے حصہ میں یہ شقاوت آئی (عقد فرید ص ۱۴۰ ج ۳ و صواعق ص ۱۱۶) اور خولی بن یزید نے سر کاٹا، دوسرے قول میں شمر کا قاتل ہونا مذکور ہے۔ (صواعق ص ۱۱۸)

یہ واقعات بتا رہے ہیں کہ اس کو حضرت حسینؓ سے دشمنی نہیں تھی، اور اس نے اس لشکر کی افسری خوشی سے نہیں بلکہ ابن زیاد کے ڈر اور اس کے جبر سے نیز نوکری اور گھر بار کی محبت میں کی تھی، میں مانتا ہوں کہ ان باتوں کے باوجود بھی اس کو افسری قبول نہ کرنی چاہیئے تھی، لیکن ابن زیاد کے وہ ظلم و ستم، جو حکم نہ ماننے کی صورت میں عمر کو اٹھانے پڑتے، ان کا تصور کر کے وہ مرعوب ہو گیا، اور اس کے پائے استقامت میں لغزش آ گئی، یہ اس کی بہت بڑی کمزوری تھی، اور اس کی وجہ سے

وہ عموماً لوگوں کی نظروں سے گر گیا، اور عام طور پر لوگ اس سے ناراض ہو گئے، اور یقین ہے کہ وہ خود بھی اس پر بے حد نادم ہو گا۔

اور بعض لوگوں کا اس سے روایت کرنا جو مذکور ہے، تو اغلب یہ ہے کہ انہوں نے اس واقعہ سے پہلے اس سے روایت سنی ہے، لہذا مولف کا اس پر معترض ہونا نافہمی ہے اور اگر مولف اس واقعہ کے بعد کسی کا اس سے روایت کرنا ثابت کر دے تو روایت کرنے والے نے یقیناً یہ خیال کر کے کہ وہ مجبور کیا گیا تھا اور وہ نادم بھی ہے روایت سن لی،

ملا علی قاری کی عبارت میں حضوره بالعسكر كان بالاجبار، واقعات مذکورہ بالا سے موید ہے۔ اور مفتی محمد قلی کا بالاجبار کی جگہ بالاجتهاد نقل کرنا اور اس کے ساتھ والرای کا اضافہ کرنا ان کے کمال "خیانت و تحریف" کے علاوہ کم سوادی و بد استعدادی کی بھی دلیل ہے مطبوعہ نسخہ مرقاۃ ان کی خباثت کا راز فاش کر رہا ہے، باقی رہا مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ مطبوعہ میں کارپردازان مطبع نے تحریف کی ہے، تو یہ بلا دلیل دعویٰ ہے۔ اور مرزا صاحب کا جھوٹ مصر و حجاز کے غیر مطبوعہ نسخوں کے مطالعہ سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو عبارت مفتی محمد قلی اور مرزا صاحب نے نقل کی ہے، خود اس کا یہ فقرہ وربما حسن حاله و طاب مآله و من الذی سلم من صدور معصية و ظهور زلة، ایک کی خباثت اور دوسرے کا جھوٹ ظاہر کر رہا ہے، اس لئے کہ اگر اجتہاد کی بنا پر جائز سمجھ کر شریک ہونے کا بیان ہوتا تو اس اعتذار کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ "پھر حالت درست ہو گئی ہو گی اور انجام بخیر ہو گیا ہو گا اور گناہ و لغزش سے کون بچا ہے۔" ہاں اگر یہ بیان ہو کہ "حاکم بالا کے مجبور کرنے سے شریک ہو گئے تھے" تو چوں کہ مجبور کرنے کے بعد بھی شرکت کرنا جائز نہ تھا اس لئے اس معذرت کی بے شبہ ضرورت ہے کہ "پھر حالت اچھی ہو گئی ہو گی الخ۔

مفتی صاحب اپنی کم سوادی کی وجہ سے سمجھ نہ سکے کہ آگے والا فقرہ خیانت کا راز فاش کردے گا۔

اس سلسلہ میں مرزا صاحب کا دوسرا جھوٹ ابن خلدون کو اجتہاد یزید کا قائل بتاتا ہے، ابن خلدون کی عبارت ادھوری نقل کی ہے اور اس کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے، اس عبارت کا تتمہ ہے واعلم ان الأمر ليس كذلك و قتاله لم يكن عن اجتهاد هؤلاء و ان كان خلافه عن اجتهاد هم و انما انفرد بقتاله يزيد و اصحابه ولا تقولن ان يزيد و ان كان فاسقا ولم يجز لهولاء الخروج عليه فافعاله عندهم صحيحة واعلم انه انما ينفذ من اعمال الفاسق ما كان مشروعا و قتال البغاة عند هم من شرطه أن يكون مع الامام العادل و هو مفقود في مسئلتنا فلا يجوز قتال الحسين مع يزيد ولا ليزيد بل هي من فعلاته الموكدة لفسقه والحسين فيها شهيد مثاب وهو على حق و اجتهاد والصحابة كانوا مع يزيد على حق و اجتهاد ايضا (مقدمہ ص ۱۸۱).

یہ عبارت مولف کی علانیہ تکذیب کر رہی ہے اس میں ابن خلدون نے بغیر کسی ایچ پیچ کے اعلان کیا ہے کہ:۔

(۱) یزید کی جنگ حضرت حسینؓ سے یہ ان صحابہ کی رائے سے ہرگز نہیں ہوئی جنہوں نے یزید کی بیعت کرلی تھی، (۲) یہ تنہا یزید اور اس کے سے لوگوں کا کام تھا (۳) یزید کا حضرت حسینؓ سے لڑنا ان صحابہ کرام کے نزدیک جائز نہ تھا (۴) یزید کا حضرت حسینؓ سے لڑنا یزید کا فسق اور اس کی بداعمالی ہے۔ (۵) حضرت حسین اس لڑائی میں شہید اور مستحق ثواب ہوئے۔ (۶) جن صحابہ نے یزید کی بیعت کی تھی چوں کہ وہ حسین سے لڑنے کو جائز نہیں سمجھتے اس لئے وہ بھی حق پر تھے، ناظرین ص ۴ کو بغور پڑھیں، ابن خلدون تو صاف صاف حضرت حسینؓ سے لڑنے کو یزید کی بداعمالی

شمار کرتے ہیں، اور شیعہ مولف ابن خلدون کا نام لیکر اس کو یزید کا اجتہادی کارنامہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ فلعنه الله علی الکاذبین۔

بہر حال کوئی سنی عالم عمر بن سعد یا دوسرے شرکاء قتل حسینؓ کے فعل کی تحسین نہیں کرتا، بلکہ اس کو بدترین کام قرار دیتا ہے اسی طرح ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی ہمدردی نہیں کرتا، ہاں شیعہ حضرات البتہ اپنی رسوائی کے اندیشہ سے کبھی عمر سعد اور کبھی یزید کو جھوٹ بول کر مجتہد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عکرمہ مولی ابن عباسؓ

ان پر دو جرحیں ہیں، ایک یہ کہ محدثین اہلسنت کے نزدیک یہ نہایت جھوٹا شخص ہے دوسری یہ ہے کہ "عکرمہ خارجی مذہب رکھتا تھا۔" لیکن یہ دونوں جرحیں غلط ہیں، حافظ ابن حجر نے نہایت تفصیل سے دلائل کے ساتھ تہذیب اور مقدمہ میں ان کا بطلان ثابت کیا ہے، اور اجلۂ محدثین اہل سنت (مثلاً احمد بن حنبل، ابن راہویہ، ابن معین، ابو ثور، بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن مندہ، ابن حبان، ابن جریر طبری، اور عجلی وغیرہ) کی توثیق و تعدیل عکرمہ کے حق میں نقل کی ہے مولف تہذیب سے عکرمہ کے حق میں جرحیں تو نقل کرتا ہے، لیکن ان جرحوں کے جوابات اور توثیق کے اقوال نقل نہیں کرتا، کیا یہ کھلی ہوئی فریب کاری اور صریح بددیانتی نہیں ہے؟ ابن حجر وغیرہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عکرمہ کی تکذیب جن سے منقول ہے ان کے اقوال کی سندیں سخت مجروح راویوں پر مشتمل ہیں، اور اگر بالفرض یہ اقوال ثابت بھی ہوں تو ان کی مراد یہ ہے کہ عکرمہ سے خطا ہوئی، اسی طرح خارجیت کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے، کسی نے غلط تہمت لگا کر مشہور کر دیا، اور بعض اچھے آدمیوں کو بھی دھوکے میں مبتلا کر دیا، تفصیل کے لئے تہذیب ص ۲۶۳

ج ۷ تا ص ۲۷۳ ج ۷ اور مقدمہ الفتح ص ۴۹۷ تا ص ۵۰۳ ملاحظہ ہو۔

ابو اسحٰق سبیعی

ان پر یہ جرح ہے کہ آخر عمر میں مختل الحواس ہو گئے تھے، یہ صحیح ہے کہ اخیر عمر میں ان کی یاد گڑبڑ ہو گئی تھی، لیکن علماء محدثین نے تصریح کی ہے کہ ایسے اشخاص کی وہی روایتیں مقبول ہوں گی جو اختلاط سے پہلے انہوں نے بیان کی ہوں یا جنکی تائید کوئی دوسرا غیر مختلط راوی کرتا ہو۔ اسی لئے بخاری وغیرہ نے ابو اسحٰق کی وہی روایتیں لی ہیں جو ان کے قدیم شاگرد (اختلاط سے پہلے سننے والوں) نے بیان کی اور ان سے نقل کی ہیں، (دیکھو مقدمہ الفتح ص ۵۵)

دوسری جرح یہ ہے کہ "ابو اسحٰق، شمر اور عمر سعد سے روایت لیتے اور ان پر اعتبار کرتے ہیں"۔ یہ جرح بھی فریب سے خالی نہیں ہے شمر وغیرہ سے واقعہ کربلا کے بعد ابو اسحٰق کا روایت لینا ثابت نہیں ہے اور اس واقعہ سے پہلے روایت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کا باوجود غیب دانی کے (جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے) زیاد جیسے اشخاص کو مسلمانوں کے سر پر مسلط کرنا اور امیر بنا دینا اگر کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے تو ابو اسحٰق کے شمر وغیرہ سے روایت لینے میں کیا عیب ہے جبکہ وہ غیب بھی نہیں جانتے تھے، پھر یہ بھی جھوٹ ہے کہ ابو اسحٰق ان پر اعتبار کرتے تھے۔ مولف نے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں اعتبار کرنا مذکور نہیں ہے صرف روایت کرنا مذکور ہے اور روایت اعتبار کو مستلزم نہیں ہے، بسا اوقات کسی روایت کو کوئی محدث اظہار تعجب کے لئے، کبھی اس کی ضعف ظاہر کرنے کے لئے اور کبھی بر سبیل تذکرہ ذکر کر دیتا ہے۔ اور اگر اعتبار کرنا ثابت بھی ہو جائے تو واقعہ کربلا سے پہلے کی روایتوں پر اعتبار کرنے میں کون سا حرج ہے، مولوی دلدار علی مجتہد شیعہ نے تو ایسے

راویوں کی روایتوں پر بھی اعتبار کرنے کو جائز لکھا ہے جو حضرت علیؓ وغیرہ کی خدائی کے قائل ہوں۔ واما ما یرویہ الغلاۃ والمتھمون والمضعفون وغیر ھٰؤلاء فیما یختص بروایتہ الغلاۃ......عمل بما رووہ فی حال استقامتہ (ص ۱۰۰) یعنی جو روایتیں صرف غالی وغیرہ راویوں سے مروی ہیں وہ بدعقیدگی سے پہلے کی ہوں گی توان پر عمل کیا جائے گا۔

مولف کی یہ "دیانتداری" بھی قابل دید ہے کہ خود ہی ص ۳۲ میں نقل کرتا ہے کہ شمر اپنے لئے مغفرت کی دعا کرتا تھا تو یہی ابو اسحٰق کہتے تھے کہ "اللہ تیری مغفرت کیسے کرے گا دراں حالیکہ تو نے قتل حسینؓ پر اعانت کی ہے۔" کوئی بتائے کہ جب ابو اسحٰق شمر کو قابل مغفرت نہیں سمجھتے تو وہ اس پر اعتبار کب کر سکتے ہیں۔

شیعہ مولف شمر سے روایت کرنے کا تذکرہ کر کے لکھتا ہے "یہی وجہ ہے کہ ۔ ابن مبارک کہتے تھے، اہل کوفہ کی حدیثوں کو تمہارے لئے ابو اسحٰق اور اعمش نے بگاڑ دیا۔" ابن مبارک کے قول کی یہ وجہ بیان کرنا جھوٹ ہے، اگر یہ وجہ ہوتی تو اعمش کا نام نہ لیتے اس لئے کہ اعمش نے شمر سے روایت نہیں کی، اور خود ذہبی نے بھی یہ وجہ نہیں سمجھی ہے ورنہ یہ قول وہ اعمش کا ترجمہ میں لکھنے کی بجائے ابو اسحٰق کے ترجمہ میں لکھتے۔

صحیح وجہ اس کی تدلیس ہے، جیسا کہ تہذیب ص ۶۷ ج ۸ میں ہے۔ اور تدلیس کا جواب ابراہیم نخعی و بشیر بن مہاجر کے تذکرہ میں دیا جاچکا ہے، اسی طرح جوا کھیلنے کی تہمت کو بھی خالص افترا ثابت کیا جاچکا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ

مؤلف نے آپ کے تذکرہ میں رافضیانہ خباثت بدزبانی ودشنام طرازی کی

حد کر دی ہے۔ خلافت عثمانی کے معاملہ میں بلا وجہ آپ پر جھوٹ، خود غرضی اور طرفداری کی تہمتیں لگائی ہیں۔ حالانکہ اس معاملہ میں جس ایمانداری احتیاط اور بے لوثی کا ثبوت حضرت عبدالرحمٰن نے دیا اس کی نظیر نہیں مل سکتی بے غرضی و بے لوثی کا اولین ثبوت یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے حق سے دستبردار ہو گئے (ترجمہ ابن خلدون ص ۱۶۰ ج ۴ و کامل ص ۲۶ ج ۳) اس کے بعد جب بقیہ حضرات نے آپ کو اپنا اپنا اختیار دے دیا تو از راہ کمال احتیاط آپ نے تنہا اپنی رائے سے کچھ نہ کیا بلکہ ان حضرات سے اور ان کے علاوہ دوسرے تمام اہل الرائے لوگوں سے مشورہ کیا، تو معلوم ہوا کہ اکثریت حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے۔ تاریخ الخلفاء میں بحوالہ ابن عساکر ہے ان الناس کانو ایجتمعون فی تلک الایام الی عبد الرحمٰن بن عوف یشاورونه وینا جونه فلا یخلو به رجل ذورأی فیعدل بعثمان احدا اس کے آگے ہے۔ ثم استشار عبد الرحمن الاعیان فرای هو اکثرهم فی عثمان ص ۱۰۴ و ص ۱۰۵ با ایں ہمہ انہوں نے اسی مشورہ پر اکتفا کر کے ان کو نامزد نہیں کر دیا بلکہ اس کے بعد مسجد نبوی میں خطبہ دیا اور اس خطبہ میں اعلان کیا انی رایت الناس یابون الا عثمان (میں نے دیکھ لیا کہ لوگ حضرت عثمان کے سوا کسی کو نہیں چاہتے) (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۰۴) خود مؤلف رجال بخاری میں نقل کرتا ہے۔ فانی قد نظرت وشاورت الناس فاذا هم لا یعدلون بعثمان احدا (میں نے مشورہ کر کے دیکھ لیا کہ لوگ حضرت عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے) جس مجمع میں حضرت عبدالرحمٰن نے یہ فرمایا تھا وہ اتنا بڑا تھا کہ تل رکھنے کی جگہ باقی نہ تھی (ترجمہ ابن خلدون ص ۱۶۱ ج ۴) لیکن کوئی ایک آواز بھی اس کی مخالفت میں نہ اٹھی اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ غلط ہے اکثریت حضرت علیؓ کے حق میں ہے۔ پھر خواص کے مشورہ کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے اسی عام مجمع میں بھی مشورہ کیا حضرت عمار

ومقداد نے حضرت علی کا نام لیا اور ان کے مقابلہ میں ابن ابی سرح اور عبد اللہ بن ربیعہ نے حضرت عثمان کو پیش کیا، حضرت عمار کو غصہ آگیا اور تیز کلامی شروع کر دی ۔حضرت سعد نے حضرت عبد الرحمٰن سے کہا کہ کوئی فتنہ پیدا ہو جانے سے پہلے خلیفہ کا انتخاب ہو جانا چاہئے۔

اہل الرای کی اکثریت حضرت عثمان کی طرف تھی، اس لئے حضرت عبد الرحمٰن نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے بعد بلا استثناء تمام لوگوں نے بیعت کی، یہ تمام واقعات حضرت علی کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے ہیں، اس لئے ان سے یہ قطعاً بعید ہے کہ وہ حضرت عبد الرحمٰن پر جانبداری کا الزام رکھیں۔اور اگر کوئی یہ بیان کرے کہ حضرت علی نے جانب داری کا الزام لگایا تو اس بیان پر ہم کسی طرح یقین نہیں کر سکتے اور اگر بفرض محال یہ بیان صحیح ہو تو یقیناً یہ وقتی تاثر کا نتیجہ اور کسی قرینہ سے غلط استدلال پر مبنی ہے لہذا یہ لازم نہیں آسکتا کہ حضرت علی نے قصداً غلط بیانی کی۔ بلکہ یہ کہ ان کو غلط فہمی ہو گئی۔

شیعہ مؤلف نے جو مقولہ نقل کیا ہے اس کی نسبت حضرت علی کی طرف اِس لئے بھی غلط ہے کہ اس میں مذکور ہے "بخدا تو نے عثمان کو خلافت اس لئے دی ہے کہ عثمان پھر تیری طرف لوٹا دے" حالانکہ حضرت عبد الرحمٰن نے خود حضرت علی اور دیگر صحابہ کے سامنے اپنی دستبرداری کا اعلان پہلی مجلس میں کر دیا تھا۔ پھر بیعت والے دن بھی مسور د سعد و زبیر رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ کہا تھا کہ میں نے مستحقین خلافت میں سے اپنے آپ کو اس لئے الگ کر لیا ہے کہ بقیہ میں سے کسی کو انتخاب کر دوں، خود خلافت لینی ہوتی تو اپنے کو الگ نہ کرتا، کیا ان کھلے ہوئے اعلانات کے بعد بھی یہ خیال کرنا ممکن ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کو اس لئے خلافت دی کہ حضرت عثمان پھر ان کی طرف لوٹا دیں گے؟

حضرت عمار کے کلام سے بھی حضرت عبد الرحمٰن کی تغلیط نہیں ہوتی اس لئے کہ حضرت عمار اپنا گمان وخیال ظاہر کر رہے ہیں اور حضرت عبد الرحمٰن مشورہ لے چکے اور تحقیق کر چکے ہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن کا ایک موقعہ پر حضرت عثمان سے یہ کہنا کہ میں نے تم کو مقدم کیا۔ اختلاف بیانی نہیں ہے بلکہ ان کے دونوں بیانات صحیح ہیں جن لوگوں کو حضرت عمر وصیت کر گئے ان سب نے عبد الرحمٰن کو اپنا مختار کر دیا تھا اور انہوں نے سب سے مشورہ کر کے حضرت عثمان کو نامزد کیا۔ لہذا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ میں نے مقدم کیا اور یہ صحیح ہے کہ اہل الرائے عام طور پر حضرت عثمان کی طرف ہیں۔

ناظرین! مؤلف کا یہ قول یاد رکھیں کہ اختلاف بیانی دلیل کذب ہے '(ص ۷۷ ج ۲) اور اس کو ذہن میں رکھ کر "ائمہ معصومین" کے اقوال واحادیث کا مطالعہ کریں تو ان کی اختلاف بیانی دیکھ کر ششدر رہ جائیں گے۔

نصائح کافیہ اور اس کے مصنف کی بے اعتباری کتنی مرتبہ بیان کی گئی ہے لہذا اس کو ہمارے سامنے پیش کرنا لغو حرکت ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

ان پر پہلا افترا یہ ہے کہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے ان ال ابی طالب لیسوا بی باولیاء انما ولیی الله و صالح المومنین اس حدیث کے لئے بخاری و مسلم کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل سفید جھوٹ ہے بخاری اور مسلم میں جو حدیث ہے اس میں آل ابی طالب نہیں بلکہ آل ابی یعنی فلاناً وارد ہے یعنی ال ابی کے بعد کسی نام کی تصریح نہیں ہے مؤلف ابن ابی الحدید کی تقلید میں اور وہ ابو جعفر اسکافی کی تقلید میں یہ جھوٹ بولا ہے، مؤلف نے عموماً نہیں جھوٹوں کے

اقوال رجال بخاری میں جمع کر دیئے ہیں۔

شیعہ مؤلف کی بے ایمانی اس کا علیؓ و حسنینؓ کو نیکو کار مومن نہ ماننا

بہر حال عمرو بن عاص نے جو حدیث روایت کی ہے اس میں آل ابی طالب کا لفظ نہیں ہے لیکن اگر ہوتا بھی تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ علی و حسنین بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست نہ ہوں۔ یہ تو جب لازم آتا کہ وہ لوگ صالح المومنین میں داخل نہ ہوتے، شیعہ مؤلف ان حضرات کو صالح المومنین سے یقیناً خارج مانتا ہے ورنہ یہ نہیں کہتا کہ "کیا یہ حضرات رسول کے دوست نہ تھے" یہاں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شیعوں کا ائمہ کے ساتھ کیا اعتقاد ہے، اور یہ کہ شیعہ مؤلف کہنے کو محب اہلبیت ہے لیکن حقیقت میں خارجی و ناصبی ہے۔

دوسرا افترا یہ ہے کہ عمرو جھوٹ بولے ہیں اور اس کا ثبوت حضرت عمرو کا ایک موقع پر یہ کہنا اور کہلانا ہے کہ "علی نے حضرت عثمان کو قتل کیا یا قتل کرایا" حالانکہ شیعہ مولف اگر غور کرتا تو معلوم ہو جاتا کہ اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ حضرت عمرو نے حضرت علی کی طرف قتل کی نسبت مجازاً کی ہے جس طرح کہ حضرت علی نے سعید بن ابی العاص اور حضرت معاویہ کو خون عثمان میں شریک کہا ہے حالانکہ شہادت حضرت عثمان کے وقت حضرت معاویہ شام میں تھے یا جس طرح علی نے طلحہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف قتل عثمان کی نسبت کی ہے، (رجال بخاری ص ۱۴۷ ج ۱)

حالانکہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان لوگوں سے قتل کے مقدمات بھی صادر نہیں ہوئے تھے۔ پس یقیناً قتل کی نسبت حضرت علی نے کسی تاویل سے کی ہے وہی تاویل

یہاں بھی ہے، بلکہ یہاں تو تصریح بھی ہے۔ مؤلف نے خود نقل کیا ہے۔ مالأ علی قتل عثمان یعنی قتل عثمان میں یاوری کی ہے۔ لہٰذا دوسری جگہ جہاں قتل کی نسبت کی ہے وہاں مجازاً یہی مراد ہے، مؤلف نے ص ۸۴ ج ۲ میں جو عبارت نقل کی اس میں تصریح کی ہے کہ قتل کی نسبت حقیقی نہیں ہے بلکہ اس معنی میں ہے کہ حضرت علی نے قاتلان عثمان کو پناہ دی اور بقول مؤلف دوسروں کو مدد کرنے سے منع کیا۔ اب رہا یہ معاملہ کی یاوری کرنا بھی صحیح نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ یہی شبہہ وہاں بھی وارد ہوتا ہے جہاں حضرت علی نے طلحہ واصحاب طلحہ، اور سعید اور معاویہ رضی اللہ عنہم کی طرف قتل کی نسبت کی ہے لہٰذا جو وہاں ہم نے کہا ہے وہی یہاں بھی کہتے ہیں کہ ان باتوں کا منشاء غلط فہمی واشتباہ ہے اور آپس کی رنجش ہے جو فسادیوں کو اس بات کا موقع دیتی ہے کہ ہر فریق کو دوسرے کی نسبت غلط باتیں باور کرادیں۔

نقل حدیث میں خیانت

مؤلف نے ایک حدیث کنزالعمال سے نقل کی ہے کہ آنحضرت نے عمرو پر لعنت کی ہے اور بے ایمانی یہ کی ہے کہ خود کنز میں اس کی سند پر جو جرح ہے اس کو نقل نہیں کیا، اس میں مصرح ہے **فی اسنادہ مقال** کہ اس حدیث کی سند میں اعتراض ہے دوسری بے ایمانی یہ کی ہے کہ اس کو عمرو کے اسلام کے بعد کا واقعہ قرار دیا۔ حالانکہ حدیث کے لفظ میں اس کا اشارہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو یہ اسلام لانے سے پہلے کا قصہ ہے۔ جس سے عمرو پر نکتہ چینی جائز نہیں ہو سکتی **الاسلام یھدم ما کان قبلہ** کہ اسلام سے پہلے کہ تمام جرموں کو اسلام ساقط کردیتا ہے اور سب کے لئے کفارہ بن جاتا ہے۔ تیسری بے ایمانی یہ ہے کہ کنز میں اس کے بعد مروی ہے کہ آنحضرت نے تین بار حضرت عمرو کے لئے دعاء مغفرت فرمائی دوسری

روایت میں یہ فرمانا مذکور ہے کہ اے اللہ عمرو پر رحمت نازل کر اور یہ بھی ارشاد ہے کہ عمرو کے لئے خدا کے پاس بہت زیادہ چیز ہے.... مؤلف کو یہ حدیثیں سوجھائی نہیں دیتیں اس کو صرف لعنت پسند آئی اور اس نے اس کو لے لیا۔

مؤلف نے اس کے بعد اکابر صحابہ کے اقوال حضرت عمرو کے متعلق" نقل کئے ہیں، ان اقوال میں سے کئی ایک تو شیعوں کے حوالے سے نقل کئے ہیں، اعثم کوفی و صاحب تذکرہ الخواص کا تشیع و رفض پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور بہت سے اقوال نا قابل اعتبار سندوں سے منقول ہیں۔ مثلاً حضرت عمرو پر حضرت علی کے لعنت کرنے کا قصہ جہاں ترجمہ ابن خلدون میں مذکور ہے وہیں لکھا ہوا ہے کہ ابن کثیر نے اس کی تردید کی ہے اور صاف صاف لکھا ہے ان ھذا لم یصح (اس کا ثبوت نہیں ہے) بہر حال یہ اقوال بے ثبوت ہیں اور اگر یہ اقوال ثابت بھی ہوں تو ان کا وہی حکم ہے جو حضرت علی کے حضرت حسن پر، اور امام جعفر کے زرارہ وغیرہ پر لعنت کرنے کا ہے اس بحث کے لئے دیکھو اس کتاب کا عنوان "حضرت ابو ہریرہ اور جاریہ بن قدامہ"

مؤلف نے لڑائی میں ننگے ہو جانے، حضرت علی کو برا کہنے اور حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کے جو قصے لکھے ہیں ان کے جھوٹ ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ الامامۃ والسیاسۃ اور تذکرہ خواص الامۃ جیسی بے سر وپا کتابوں سے جن کے مصنفوں کی رافضیت خود ان کی تحریروں سے آشکارا ہے، نقل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ عقل بھی ان کو باور نہیں کرتی۔ مثلاً اس کو کون باور کر سکتا ہے کہ حضرت عمرو فلسطین میں حضرت معاویہ کے زیر سایہ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو بھڑکائیں گے۔

خیانت

مؤلف نے عبارتوں کے ترجمہ میں خیانتیں بھی کی ہیں، مثلاً بردنامی ایک شخص نے حضرت عمرو سے کہا و انت ایضاً قد اتهمت قال صدقت فیها مؤلف اس کا ترجمہ کرتا ہے کہ لوگ تم کو بھی قتل عثمان میں متہم کرتے ہیں کہ تم نے بھی قتل عثمان میں شرکت کی ہے۔ عمرو نے کہا اس معاملہ میں تم سچ کہتے ہو۔ یعنی قتل عثمان میں میں شریک تھا۔ (ص ۸۵) حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ایک جاہل بھی سمجھ سکتا ہے کہ "تم سچ کہتے ہو" کی مراد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ہاں لوگوں نے مجھ پر بھی تہمت لگائی ہے۔

شیعہ مؤلف نے قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کا واقعہ بھی جو صفین میں پیش آیا تھا نقل کیا ہے اور اس کو قرآن کی اہانت قرار دی ہے۔ حالانکہ اہانت سے نہیں بلکہ اس لئے نیزوں کے ذریعہ بلند کیا گیا تھا، کہ دونوں طرف کے تمام لوگ دیکھ لیں چوں کہ دونوں طرف آدمیوں کی نہایت کثرت تھی، اس لئے سب کو دکھانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ اور اگر یہ اہانت تھی تو حضرت علی پر لازم تھا کہ اس اہانت کو برداشت نہ کرتے اور لڑائی بند کرنے کا حکم نہ دیتے بلکہ یہ کہتے کہ چوں کہ ان لوگوں نے قرآن کے ساتھ علانیہ بے ادبی کی ہے اس لئے جنگ بند نہیں ہو سکتی، لیکن حضرت علی نے اہانت قرآن کا نام بھی نہیں لیا۔ پس مؤلف بتائے کہ کیا اہانت قرآن پر خاموش رہنا بے حمیتی، ایمانی کمزوری بلکہ معصیت و گناہ نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ حضرت علی کو قرآن کے اٹھانے میں مکر و فریب تو نظر آیا لیکن بے ادبی و اہانت نظر نہ آئی (دیکھو رجال بخاری ص ۸۷، ۸۹ ج ۲)

حد ہو گئی کہ مؤلف نے ماں، بہن کی گالی بھی نہیں چھوڑی ہے۔ کامل سے

ایک فقرہ نقل کیا ہے لیکن اس کے قائل کا نام نہیں لیا ہے، ورنہ بآسانی معلوم ہو جاتا کہ اس گالی کا وبال حضرت عمرو پر عائد ہوتا ہے یا گالی دینے والے پر؟ ناظرین کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ گالی دینے والا مالک اشتر ہے جو ان تمام لڑائیوں کا بانی مبانی اور حضرت عثمان کے وقت سے اہل فتنہ کا سرغنہ تھا اس کی گالی کا کیا اعتبار؟

اس گالی سے حضرت عمرو کا تو کچھ نہیں بگڑا لیکن یہ بہت اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ حضرت علی کے مخصوص ہمراہیوں کی اخلاقی حالت اور تہذیب کیسی تھی۔ پھر مؤلف نے ترجمہ میں خباثت سے بھی کام لیا ہے۔ ابن العاہر کا ترجمہ زانی باپ کے لڑکے" ہونا چاہئے۔ اس میں اور اپنے ترجمہ میں مؤلف کو فرق نہ معلوم ہوتا ہو تو وہ ایک مثال سے سمجھ سکتا ہے، فرض کیجئے کہ مؤلف کے باپ نے کسی غیر عورت سے بدکاری کی ہو تو مؤلف کو حرامزادہ کہنا جائز نہیں ہے لیکن زانی باپ کا لڑکا کہا جا سکتا ہے یہ ساری گفتگو بنا بر فرض صحت نسخہ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کامل کا یہ نسخہ ہی غلط ہے اس لئے کہ شرح ابن ابی الحدید ص ۱۸۶ ج ۱ میں یہ پورا واقعہ تقریباً انہیں الفاظ میں مذکور ہے اور اس میں ابن العاہر کے بجائے ابن النابغہ ہے، اور حضرت عمرو کے مخالفین کا ان کو ابن النابغہ کے ساتھ پکارنا بہتیری روایات میں مذکور ہے ہمارا خیال ہے کہ ابن النابغہ ہی کو کسی نے ابن العاہر لکھ دیا ہے۔

تحکیم صفین کی دستاویز میں حضرت علی کو امیر المومنین لکھنے پر حضرت عمرو کا معترض ہونا ایک اصولی بات تھی جب اسی بات کا فیصلہ کرنے کے لئے دونوں فریق حکم مان رہے تھے کہ حضرت علی و حضرت معاویہ میں کون امیر المومنین مانا جائے کون نہیں تو فیصلہ کے پیشتر کسی کو امیر المومنین کیسے لکھا جا سکتا ہے۔ اگر دونوں فریق کسی کے امیر المومنین کہے جانے پر رضامند ہو جائیں تو اب تحکیم ہی کی کیا ضرورت ہے یہ دوسری بحث ہے کہ جن لوگوں نے اب تک حضرت علی کو امیر المومنین اور جائز

خلیفۂ چہارم تسلیم نہیں کیا تھا وہ غلطی پر تھے لیکن یہ ان کے اجتہاد کی خطا تھی۔

حضرت حسنؓ اور عمرو بن العاصؓ

حضرت حسن و عمرو بن العاص کا جو مکالمہ ثمرات الاوراق سے نقل کیا ہے وہ بھی کسی مفتری کا افترا ہے اور اس کا جھوٹ ہونا خود اسی مکالمہ سے ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اس میں ان شانئك هو الابتر کا مصداق عمرو کو بتایا گیا ہے۔ حالانکہ اسباب نزول کی جونسی کتاب چاہیئے اٹھا لیجئے، کسی میں یہ شان نزول مذکور نہیں ہے، اس بحث کے اخیر میں جو مغلظ گالی مؤلف نے دی ہے ہم اس کو عطائے تو بلقائے تو کے اصول پر مؤلف کو لوٹاتے ہیں۔ ع

کایں زر قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

مؤلف کی خارجیت ثابت ہو چکی ہے لہذا وہی اس کا مستحق ہے۔

خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت صدیق اکبر کی نسبت سب سے پہلے وہی فرسودہ بات لکھی ہے کہ آپ کو علی و عباس نے بقول حضرت عمر جھوٹا وغیرہ سمجھا" اس کا جواب ہمارے علماء بار بار لکھ چکے ہیں، لیکن یہ شیعوں کی حیاداری ہے کہ اب تک اس کو دہرائے جا رہے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر کا یہ قول تلقي المخاطب بغير ماتير قبه کے قبیل سے ہے حضرت علی و عباس نے خدانخواستہ حضرت ابو بکر کو ایسا نہیں سمجھا تھا۔ بلکہ صورت یہ پیش آئی تھی کہ حضرت عباس و حضرت علی جھگڑتے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے۔ حضرت عباس[1] نے کہا یا امير المومنين اقض بيني و

---

[1] اور جوہری شیعہ نے جو روایت لکھی ہے اس میں تصریح ہے کہ حضرت علی نے بھی عباس کو گالی دی۔ اس کا لفظ یہ ہے کہ فاستب علی والعباس عند عمر، ابن ابی الحدید ص ۸۳ ج ۴ جوہری کا شیعہ ہونا فہرست طوسی سے ثابت ہے۔ (دیکھو ص ۳۰)

بین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن اے امیر المومنین میرے اور اس جھوٹے گناہ ہگار ودغاباز خائن (یعنی حضرت علی) کے درمیان فیصلہ کر دیجئے، حضرت عمر نے یہ الفاظ سن کر عباس سے کہا کہ تم حضرت ابو بکر کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے فیصلہ کر دیا، لیکن اس کے بعد پھر میرے پاس جھگڑتے ہوئے آئے تو گویا تم نے ان کو بھی ایسا ہی سمجھا، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ وہ ایسے نہ تھے، یعنی حضرت عمر نے فضیحت کرنے کے لئے یہ ایک عنوان اختیار کیا تھا اور اصل مخاطب حضرت عباس تھے لیکن یخروج منھما اللؤلؤ والمرجان کے طور پر یہ تثنیہ کا صیغہ اختیار کر لیا تھا، اس لئے اس سے مؤلف کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، ہاں ہم نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عباس حضرت علی کو ان اوصاف سے متصف سمجھتے تھے، اور حضرت عباس شیعوں کے نزدیک مقبول صحابی ہیں خلاصۃ الاقوال میں ہے من سادات الصحابۃ و ھو من اصحاب علی یعنی سرداران صحابہ اور حضرت علی کے اصحاب میں سے ہیں۔ ایسا ہی کشکول عاملی، اور حدیقۃ الشیعہ میں بھی ہے۔

(ف) مؤلف نے یہی طعن حضرت عمر پر ص ۹۳ ج ۲ میں کیا ہے اس کا بھی یہی جواب ہے

حضرت ابوبکرؓ اور فاطمہ زہراؓ

شہیرات النساء سے حضرت فاطمہؓ کا جو مقولہ مؤلف نے نقل کیا ہے، اس کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ لقد جئت شیئا فریا کا ترجمہ علامہ مجلسی شیعی نے "چیز غریبے آوردہ" کیا ہے۔ (دیکھو حیات القلوب ص ۴۹۰ ج ۱)

یعنی تم عجیب بات لائے، حضرت فاطمہ یہ فرما رہی ہیں کہ اے ابو بکر آپ اپنے باپ کے وارث ہوں اور میں نہ ہوں یہ آپ عجیب بات کہہ رہے ہیں، لہٰذا مؤلف کا اس لفظ کی بنا پر یہ کہنا کہ "وہ معصومہ حضرت ابو بکر کو جھوٹا جانتی ہیں" ان

معصومہ پر افترا ہے۔

نصائح کافیہ سے یہ نقل کرنا کہ علی و عباس و فاطمہ نے حدیث نحن معاشر الانبیاء الخ سے انکار کیا بے حیائی ہے، نصائح کافیہ کا مصنف تقیہ باز شیعہ ہے، اور اس کا جھوٹ خود شیعوں کے کلام سے ثابت ہے، ابن ابی الحدید نے جو خود شیعہ ہے، احمد بن عبد العزیز جوہری کی کتاب السقیفہ سے جس کو طوسی نے مصنفات شیعہ میں شمار کیا ہے (دیکھو فہرست طوسی ص ۳۰) یہ روایت نقل کی ہے۔ هل تعلمون ان رسول الله صلى الله عليه و اله قال لا نورث ما تركناه صدقة يعني نفسه قالوا قد قال ذالك فاقبل على العباس و على فقال انشد كما الله هل تعلمان ذالك قال نعم یعنی حضرت عمر نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا کیا جانتے ہو کہ آنحضرت نے فرمایا ہے ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا، ہم جو چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا، مجمع نے کہا کہ بیشک آپ نے یہ فرمایا ہے اس کے بعد حضرت علی و عباس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، میں تم دونوں کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ تم بھی اس کو جانتے ہو دونوں حضرات نے کہا ہاں (ابن ابی الحدید ص ۸۳ ج ۴)

عصمت اہلبیت اور اہلسنت

مؤلف نے ناواقفوں کو یہاں یہ دھوکہ بھی دینا چاہا ہے کہ اہلسنت بھی حضرت فاطمہ و دیگر اہلبیت کو شیعوں کی طرح معصوم مانتے ہیں، حالانکہ یہ صریح جھوٹ ہے ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ اہلسنت عصمت کو خاصۂ انبیاء مانتے ہیں، دوسرے کسی آدمی کو اس میں شریک نہیں جانتے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ کی عبارتوں کو اس سلسلہ میں پیش کرنا خالص فریب ہے۔ شاہ صاحب نے جو عصمت حضرت علی وغیرہ کے لئے تجویز کی ہے وہ عصمت وہ نہیں ہے جو خاصۂ انبیاء ہے بلکہ

ایک دوسرا ملکۂ نفسانیہ جو عصمت انبیاء کے مشابہ ہے اور اسی مشابہت کی وجہ سے اس کا نام عصمت رکھ دیا گیا ہے ورنہ کہاں وہ عصمت کہاں یہ! شاہ صاحب خود خیر کثیر میں لکھتے ہیں ولا تظنن هذه الثلاث بعينها صفات الحكماء ص ۷۶ یعنی انبیاء میں حکمت، عصمت اور وجاہت کے جو صفات تھے تم بعینہ انہیں کو حکما کے صفات نہ سمجھ لینا۔

دوسرا فریب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے جو یہ عصمت حضرت علی وفاطمہ کے لئے مانی ہے وہی عصمت انہوں نے حضرت حمزہ، عباس و اولاد عباس اور تمام ازواج مطہرات بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں (حضرت انس وغیرہ) کے لئے بھی تجویز کی ہے (دیکھو خیر کثیر ص ۸۹ مطبوعہ مدینہ پریس) لیکن مؤلف نے خود اصل کتاب تو دیکھی نہیں کہ اصل حقیقت معلوم ہو۔ شاہ صاحب نے اس کے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ خلفائے راشدین بھی ریاضات کے ذریعہ اس فضل جلی (حکمت، عصمت، اور وجاہت) کے ساتھ تحقیقی طور پر متصف تھے۔ ان الخلفاء تجشمو الفضل الجلي حتى تحققوا بها ايضا (ص ۹۰) اسی طرح ملا معین نے بھی تصریح کی ہے کہ میں اس بات کا معتقد نہیں ہوں کہ جو عصمت انبیاء میں پائی جاتی ہے ویسی ہی ائمہ اہلبیت میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ میں اس بات کا معتقد ہوں کہ سارے اولیاء میں بایں معنی عصمت پائی جاتی ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ ہیں نہ یہ کہ ان سے گناہ کا صدور محال ہے اور ائمہ اہلبیت اس صفت میں سب سے اقدم ہیں اصل عبارت یہ ہے، وليست عقدة الانامل على ان العصمة الثابتة فى الانبياء عليهم الصلوة والسلام يوجد فى غيرهم و انما اعتقد فى أهل الولاية قاطبة العصمة بمعنى الحفظ وعدم صدور الذنب لا استحالة صدوره والأئمة الطاهرون اقدم من الكل فى ذالك و بذالك يطلق عليهم الأئمة

لمعصومون فمن رمانی فی هذا المبحث باتباع مذهب غیر السنة مما یعلم الله سبحانه برائتی منه فعلیه اثم فریته والله خصیمه(ص ۲۱۶)دیکھئے کس قدر صاف صاف شیعوں کے مسلک سے اپنی براءت ظاہر کرتے ہیں اور جو عصمت (بمعنی حفاظت از گناہ) "وہ ائمہ معصومین" کے لئے ثابت کرتے ہیں اس کو تمام اولیاء کے لئے ثابت کرتے ہیں، ملا صاحب کی اس عبارت سے یہ راز بھی فاش ہوتا ہے کہ دراسات سے جو عبارت مؤلف نے نقل کی ہے اس میں کسی شیعہ صاحب نے بالیقین تصرف کیا ہے اور اس عبارت کے علاوہ اس مبحث میں اور بھی کئی جگہ یہ حرکت کی گئی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ جن شیعہ صاحب نے یہ حرکت کی ہے وہ بہت بدحواس تھے۔ بدحواسی میں ایسے الفاظ بھی لکھ گئے کہ ان کو سنتے ہی آدمی یقین کرلے کہ کوئی شیعہ بول رہا ہے مثلاً ص ۲۱۵ میں ہے ثم ان العامة یجوزون علی الانبیاء صدور الخطاء الخ ہر واقف کار جانتا ہے کہ اہلسنت کو عامہ کہنا شیعوں کی زبان ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

مؤلف کہتا ہے کہ اسماءؓ بنت عمیس نے آپ کی نسبت کہا کہ "تو نے جھوٹ کہا اے عمر" مؤلف نے یہاں بھی ترجمہ غلط کیا ہے نووی نے تصریح کی ہے کہ کذبت بمعنی اخطأت ہے یعنی اسماءؓ یہ کہتی ہیں کہ آپ نے غلطی کی اے عمر۔

یہ جواب بنا بر فرض صحت روایت ہے لیکن ابھی روایت کی صحت میں کلام ہے مؤلف نے نقل میں بھی خیانت کی ہے اصل عبارت یوں ہے۔ قالت کلمة کذبت یا عمر۔ یعنی راوی کہتا ہے کہ اسماء نے غصہ میں ایک کلمہ کہا شاید وہ کذبت یا عمر تھا۔ راوی کو یقین نہیں ہے کہ یہی کلمہ کہا۔ میں کہتا ہوں اسماءؓ نے یہ کلمہ نہیں

کہا تھا دلیل یہ ہے کہ بخاری میں یہی روایت ہے مگر اس میں اس کلمہ کا نام و نشان نہیں تھا۔

مؤلف نے اس کے بعد بکاء علی المیت والی حدیث اور حضرت عائشہؓ کا کلام نقل کیا ہے۔ میں ان کی نسبت عمرؓ کے تذکرہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ حضرت عائشہؓ کا منشا تکذیب نہیں ہے حضرت عائشہؓ نے اس موقع پر صراحۃً حضرت عمرؓ و ابن عمرؓ سے کذب کی نفی کی ہے۔

من الذین استحق علیھم الاولیان پڑھنے پر حضرت ابیؓ سے حضرت عمرؓ نے جو کذبت کہا ہے ایک جاہل سے بھی پوچھو تو بتادے گا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے خطا کی، تم نے غلطی کی، کسی چیز کے پڑھنے پر کوئی آدمی پڑھنے والے کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم جھوٹ یا سچ بولے بلکہ اس موقع پر یہ کہا جاتا ہے کہ تم نے ٹھیک پڑھا یا تم نے خطا کی مؤلف کو بات سمجھنے کی بھی تمیز ہوتی تو وہ سمجھ سکتا کہ یہاں کذبت کے معنی "تم نے غلطی کی" کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور کذبت اس معنی میں عرب بکثرت بولتے ہیں جب یہ معلوم ہو گیا تو حضرت ابیؓ نے جو جواب دیا ہے اس میں بھی کذبت کے معنی خطا اور غلطی ہی کے ہیں۔

وفات نبوی کے متعلق حضرت عمرؓ کا خیال

اس عنوان کے ماتحت مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بد دیانتی و جہالت کا آئینہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سن کر اکثر صحابہؓ کے ہوش اڑ گئے تھے اور ان کو اس کا کسی طرح یقین نہیں آتا تھا، اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ان کے دل میں اس کے سوا کوئی خیال نہیں جمتا تھا کہ حضرتؐ پر غشی طاری ہو گئی ہے، پس اس حالت میں جس جس نے یہ کہا کہ حضرتؐ کی وفات نہیں ہوئی ہے اس نے

ہر گز جھوٹ نہیں کہا۔ غلط فہمی پر جھوٹ کا الزام لگانا صریح بددیانتی اور اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے اور اس کو وقتی مصالح پر نظر کر کے اور حصول سلطنت کے لالچ میں جھوٹ بولنے سے تعبیر کرنا خبث باطن ہے شیعہ مؤلف اپنی جہالت سے معذور ہے ورنہ اس کو بآسانی معلوم ہو سکتا تھا کہ حضرت عمرؓ ہی تنہا نہیں بلکہ بہت سے لوگ یہ کہہ رہے تھے دارمی ص ۲۳ میں ہے وقالوا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یمت ولکن عرج بروحه کما عرج بروح موسیٰ فقام عمرؓ فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یمت الخ)لوگوں نے کہا کہ حضرتﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے بلکہ آپ کی روح کی اسی طرح معراج ہوئی ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ کی روح کی ہوئی پس حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی یہی کہا الخ۔ فتح الباری ص ۱۰۳ ج ۸ میں مغازی ابوالاسود سے منقول ہے کہ ابن ام مکتوم انك میت و انهم میتون پڑھ پڑھ کر سناتے تھے والناس لا یلتفتون الیه لیکن لوگ متوجہ نہیں ہوتے تھے اس کے بعد فرماتے ہیں وکان اکثر الصحابة علی خلاف ذلك کہ اکثر صحابہ ابن ام مکتومؓ کے خیال کے خلاف تھے یعنی یہ سمجھتے تھے کہ حضرتﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے۔

سقیفہ کے موقع پر حضرت عمرؓ کا ایک مقولہ

مؤلف نے اس مقولہ کے معنی بیان کرنے میں انتہائی بے ایمانی کی ہے۔ تزویر کے معنی لغت میں کسی چیز کو عمدہ بنانے اور ٹھیک کرنے کے بھی آتے ہیں اور تزویر کلام کے معنی کسی مضمون کے لئے غور و فکر کر کے عمدہ پیرایہ بیان سوچ لینے کے ہیں پس کنت زورت مقالة کے معنی یہ ہوئے کہ میں نے ایک بات کے لئے بہت عمدہ پیرایہ بیان سوچ لیا تھا، (اس کے لئے صراح، فتح الباری، و عمدة القاری

ملاحظہ ہو) ہم نے جو معنی بیان کیے ہیں اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ دوسرے راوی نے اس روایت میں زورت کے بجائے رویّت (یعنی میں نے غور کیا) اور تیسرے راوی نے ھیأت کلاماً (یعنی ایک مضمون تیار کیا تھا) کہا ہے مؤلف چوں کہ جاہل ہے اس لئے وہ تو نہیں سمجھ سکتا لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ جب اہل علم کی مجلس میں کسی کو بولنا ہوتا ہے تو وہ بولنے سے پہلے اپنے مضمون کے لئے کوئی عمدہ پیرایۂ بیان سوچ لیتا ہے حضرت عمرؓ اسی کو بیان کر رہے ہیں اور اس کے آگے حضرت ابو بکرؓ کی نسبت یہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو غور و فکر سے حاصل کیا تھا حضرت ابو بکرؓ ویسی بات یا اس سے بھی عمدہ فی البدیہہ کہہ گئے۔

بہر حال مؤلف اپنی جہالت کی وجہ سے تزویر کے صرف ایک ہی معنی ہر جگہ چسپاں کرنا چاہتا ہے چاہے اس کا موقع ہو یا نہ ہو۔

مؤلف نے احیاء العلوم سے ایک فقرہ نقل کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جھوٹ بولنے کی تلقین بھی کی ہے، لیکن اس نے پورا واقعہ نقل نہیں کیا۔ واقعہ یوں ہے کہ ابن ابی عزرہؓ نے اپنی بی بی کو قسم دے کر پوچھا کہ تو مجھ کو ناپسند کرتی ہے اس نے کہا ہاں۔ ابن ابی عزرہؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بیوی کو بلا کر فہمائش کی۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین کیا میں جھوٹ بولتی، مجھ کو میرا شوہر پسند نہیں ہے۔ تب بھی کہہ دیتی کہ پسند ہے حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں، تم کو شوہر ناپسند ہو تو اس کو شوہر سے کہا نہ کرو... حضرت عمرؓ نے میاں بیوی میں موافقت و صلح و آشتی باقی رکھنے کے لئے اجازت دی ہے کہ عورت کو محبت نہ ہو تو ظاہر نہ کرے اور شوہر پوچھے تو کہہ دے کہ تم سے مجھ کو محبت ہے اور ایسے جھوٹ کی خود امام جعفرؓ نے تلقین کی ہے اصول کافی باب الکذب میں ہے واحب الکذب فی الاصلاح یعنی صلح و آشتی پیدا کرنے کے لئے جھوٹ بولنا اللہ کو پسند ہے

...... دوسری حدیث میں ہے کہ ہر جھوٹ کی باز پرس ہوگی مگر تین جھوٹ مستثنیٰ ہیں جن میں ایک یہ ہے ورجل وعد اھلہ شیئا وھو لا یرید ان یتم لھم کوئی اپنی بی بی سے کسی چیز کا وعدہ کرے دراں حالیکہ اس کو پورا کرنے کی نیت نہ ہو۔ تیسری حدیث میں ہے المصلح لیس بکذاب ملا خلیل قزدینی اس کی شرح میں لکھتا ہے کہ کذب لغوی بر خدا اور سول وائمہ نیز جائز است در مقام وجوب تقیہ ودفع ضرر وایضا کذب لغوی مکرر جائز است در مقام اصلاح (کفر وایمان ص ۱۹۴ حصہ دوم) یعنی لغوی جھوٹ تو خدا اور سول وائمہ پر بھی جائز ہے تقیہ اور دفع ضرر کے موقع پر اور موافقت پیدا کرنے کے لئے بھی لغوی جھوٹ جائز ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے "الامامۃ والسیاسۃ" سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے کو برادر رسول کہا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں "اور اس "نہیں" کہنے کو مؤلف نے حضرت عمرؓ کا جھوٹ شمار کیا ہے لیکن اولاً تو الامامۃ والسیاسۃ بالکل غیر معتبر کتاب ہے اور مشہور سنی ابن قتیبہ کے بجائے کسی رافضی کی تصنیف ہے، دوسرے اگر یہ قصہ سچا بھی ہو تو اس کو جھوٹ شمار کرنا جہالت ہے حضرت عمرؓ نے حقیقی بھائی ہونے کی نفی کی ہے کہ اطلاق کے وقت میں اخ سے یہی متبادر ہوتا ہے۔ چچازاد بھائی کے لئے عموماً ابن العم کا لفظ بولا جاتا ہے۔

امیر المومنین سیدنا ذو النورین رضی اللہ عنہ

مؤلف نے حضرت عثمانؓ کا جھوٹ ثابت کرنے کے لئے سب سے پہلے بلوائیوں کے واقعہ کا یہ ٹکڑا نقل کیا ہے کہ "جب حضرت عثمانؓ نے محمدؓ بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا تو راستے میں ایک غلام ملا، اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تو کہاں جارہا ہے اس نے کہا مجھ کو امیر المومنین عثمانؓ نے گورنر مصر کے پاس بھیجا

ہے لوگوں نے کہا کہ گورنر تو محمدؓ بن ابی بکر ہی ہیں اس نے کہا ان سے مجھے مطلب نہیں۔ پوچھا گیا تیرے پاس کوئی خط ہے اس نے کہا نہیں، لیکن تلاشی لینے پر ایک خط نکلا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”محمدؓ بن ابی بکر اور فلاں فلاں تمہارے پاس پہنچیں تو ان کو قتل کر دینا“ اور جو خط وہ پیش کریں اس پر عمل نہ کرنا“ وغیرہ وغیرہ، محمدؓ بن ابی بکر اور ان کے ساتھیوں نے خط پا کر مصر کا ارادہ فسخ کر دیا، اور مدینہ لوٹ آئے، عمروؓ بن حزم انصاری نے حضرت عثمانؓ سے اس خط کی تحقیق کی حضرت عثمانؓ نے جو جواب دیا اس کو سن کر عمروؓ بن حزم انصاری نے کہا کہ ہم آپ پر جلدی نہیں کرتے لیکن ہم آپ کو اس معاملہ میں متہم سمجھتے ہیں“ مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے، جگہ جگہ اس نے بازاری انداز میں اپنا نوٹ بھی لکھا ہے دوسری حرکت یہ کی ہے کہ شروع میں تو تاریخ الخلفاء اور عقد فرید کا حوالہ دیا ہے لیکن حضرت عثمانؓ سے خط کی تحقیق کا حال لکھنا ہوا تو طبری کی ایک کمزور روایت نقل کر دی ہے۔ یہ حرکت اس لئے کی ہے کہ اگر کسی ایک کتاب سے پورا قصہ نقل کر دیتا تو جو بے ایمانی وہ کرنا چاہتا تھا نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک تو وہ صحیح نقل کرتا ہے کہ غلام ملا اور اس نے اپنے کو حضرت عثمانؓ کا غلام اور فرستادہ بتایا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس خط کو چھپانا چاہا اور یہ بھی درست ہے کہ خط میں وہی مضمون تھا لیکن اس کے بعد کا صحیح واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ مدینہ آئے اور اس واقعہ کو صحابہ کبار سے بیان کیا، صحابہ میں سے حضرت علیؓ اور محمدؓ بن مسلمہ اور دوسری روایت کے بموجب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ و عمارؓ و دیگر صحابہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور ان سے خط کی نسبت دریافت کیا، حضرت عثمانؓ نے بحلف بیان کیا ۔(ما کتبت هذ االکتاب و لا امرت به ولا علم لی به) میں نے نہ یہ خط لکھا نہ لکھنے کا حکم دیا، نہ اس کی مجھے کوئی اطلاع ہے) غلام کے بھیجنے کی نسبت پوچھا اس کا بھی حلفیہ جواب یہ دیا کہ میں نے اس کو ہرگز نہیں بھیجا، صحابہؓ نے خط کو بغور دیکھا تو

پہچان لیا کہ یہ تحریر مروان کی ہے، چنانچہ حضرت علیؓ و محمدؓ بن مسلمہ نے فرمایا کہ عثمانؓ سچ کہہ رہے ہیں، محمدؓ نے یہ بھی کہا کہ یہ کام مروان کا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ بقیہ حضرات نے بھی یقین کر لیا کہ حضرت عثمانؓ جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے (کامل ابن اثیر ص ۶۵ ج ۳ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۸ عقد فرید ص ۸۳ ج ۳ صواعق محرقہ ص ۷۰)

اب ناظرین مؤلف کی بے ایمانی دیکھیں کہ وہ اس مجہول غلام کو سچا مانتا ہے جو یہ جھوٹ بولتا ہے کہ میں حضرت عثمانؓ کا فرستادہ ہوں اور اس کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو خاکش بدہن جھوٹا کہتا ہے۔ حالانکہ یہ خود حضرت علیؓ کی صریح مخالفت و تکذیب ہے اس لئے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو سچا کہا ہے، نیز وہ طبری والی روایت پر یقین کر کے کہتا ہے کہ صحابہ کو حضرت عثمانؓ کی طرف سے شک تھا حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ حضرت عثمانؓ کی سچائی میں کسی کو شک نہیں تھا بلکہ حضرت علیؓ نے علانیہ ان کی راست گوئی کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔

بہر حال جب حضرت عثمانؓ کی برأت اس خط سے ظاہر ہو گئی تو بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کرنا شروع کیا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیجئے، چونکہ حضرت عثمانؓ کو یقین تھا کہ مروان کو وہ قتل کر ڈالیں گے، اس لئے انہوں نے مروان کو ان کے حوالہ نہیں کیا، اس پر مؤلف لکھتا ہے کہ ایک مروان کے نہ دینے سے تمام اصحاب رسول کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کا اس خط میں کچھ دخل نہیں ہے، اور انہیں پر منحصر نہیں اس کا یقین تو بلوائیوں کو بھی ہو گیا تھا لیکن ضد اور شرارت سے وہ کہتے تھے کہ جب تک مروان کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے ہم عثمانؓ کو بری نہ قرار دیں گے۔ عقد فرید کی جو عبارت مؤلف نے نقل کی ہے وہ مصر وغیرہ کے بلوائیوں ہی کا کلام ہے صحابہ تو صاف صاف حضرت عثمانؓ کو سچا اور اس تہمت سے بری کہہ چکے تھے اور انہوں نے مروان کا خط بھی پہچان لیا تھا، باقی رہا

حضرت عثمانؓ کا مروان کو بلوائیوں کے حوالہ نہ کرنا تو جس خیال سے انہوں نے ایسا کیا تھا۔اس کی تصدیق خود حضرت علیؓ نے بھی کی ہے اور عثمانؓ کو حق بجانب قرار دیا ہے ۔عقد فرید ص ۸۴ ج ۳ میں ہے لو دفع مروان قتل قبل ان تثبت علیه حجة یعنی اگر حضرت عثمانؓ مروان کو دے دیتے تو وہ ثبوت جرم سے پہلے ہی مار ڈالا جاتا۔

حضرت عثمانؓ اور قرآن

مؤلف لکھتا ہے کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ "اس قرآن میں کچھ غلطیاں ہیں "الخ میں کہتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ کی طرف یہ نسبت غلط ہے ،سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے ،ان هذا لا یصح عن عثمانؓ فان اسناده ضعیف مضطرب منقطع۔ابن الانباری نے بھی ایسا ہی لکھا ہے (دیکھو اتقان ص ۱۸۴ ج ۱)اور زمخشری نے لکھا ہے هی والله فریة بلا مریة یعنی خدا کی قسم یہ بے شبہ افتراء ہے(کشاف ص)

حضرت عثمانؓ اور ابن عوفؓ

مؤلف لکھتا ہے کہ ابن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کو اس شرط پر خلیفہ بنایا تھا کہ سیرت شیخین پر عمل کیجئے گا....... مگر خلافت ملتے ہی آپ نے ان کی سیرت کے خلاف کیا ابن عوفؓ نے خود اس کی شکایت عثمانؓ سے کی تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ خدا کے لئے اپنے عزیزوں کے ساتھ قطع رحم کرتے تھے،اور میں نے اسی کی خوشی کے لئے صلۂ رحم اختیار کیا"میں کہتا ہوں کہ مؤلف نے اپنے دعوے کی جو دلیل پیش کی ہے وہی دلیل اس کے دعویٰ کو باطل کرتی ہے اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے ثابت کر دیا کہ میں نے مقصد میں شیخین کی مخالفت نہیں کی، وہ جو کچھ کرتے تھے

اس کا بھی مقصد رضائے الٰہی تھا اور میں نے جو کیا اس کا بھی وہی مقصد ہے صورت اور ظاہری عمل میں ضرور اختلاف پیدا ہو گیا جو اتحاد مقصد کے ساتھ اجتہادی امور میں کچھ مضر نہیں ہے۔

رہی یہ بکواس "کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عزیزوں کا قطع رحم کر دیا تھا یہ اگر سچ ہے تو حضرت عمرؓ کی عدالت پر سخت حملہ ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ عقد فرید میں حضرت عثمانؓ کے قول کی تعبیر غلط ہے، اس کی صحیح تعبیر طبقات ابن سعد و تاریخ الخلفاء میں یوں ہے وتاول فی ذلك الصلة التی امر الله بها وقال ان ابا بکروعمر ترکامن ذلك ما هو لهما و انی اخذته فقسمته فی اقربائی۔ یعنی حضرت عثمانؓ نے اپنے عزیزوں کے ساتھ مراعات کرنے میں اس صلۂ رحم کے حکم پر عمل کیا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھی یہ حق تھا لیکن انہوں نے اپنے اختیار سے اپنا حق چھوڑ دیا، نہیں لیا، اور میں نے لے کر اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دیا صاحب عقد فرید نے اسی بات کو لکھا ہے مگر تعبیر نامناسب ہو گئی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

مؤلف نے پہلا افتراء آپ پر یہ کیا ہے کہ آپ کو جھوٹی روایتیں بنانے کے جرم میں حضرت عمرؓ نے قید کر دیا تھا اور اس افتراء کے لئے علامہ شبلی نعمانی کی ایک عبارت کو آڑ بنایا ہے، لیکن بد دیانتی یہ کی ہے کہ جو عبارت نقل کی ہے اس کی بارہ سطریں درمیان سے غائب کر دی ہیں اور حذف و اختصار کا کوئی نشان نہیں دیا ہے ، اگر یہ سطریں بھی مؤلف نقل کر دیتا تو اس کی بے ایمانی کھل جاتی۔ بہر حال حذف شدہ سطور میں امام ذہبی کا یہ قول علامہ شبلی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اس ڈر سے

کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے روایت کم کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں۔" اس کے بعد یہ روایت نقل کی ہے کہ "قرظہ بن کعبؓ کو حضرت عمرؓ نے جب عراق روانہ کیا تو وصیت کی کہ رسول اللہ سے روایت کم کرو" اور اس کے بعد وہ روایت لکھی ہے جو مؤلف نے نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ، ابو الدرداءؓ اور ابو مسعودؓ کو محبوس کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت سی حدیثیں روایت کرنا شروع کر دیں۔"

یہ پورا بیان کسی جاہل کے سامنے بھی رکھ دیجئے تو وہ بول اٹھے گا کہ حضرت عمرؓ نے ان حضرات کو کثرت روایت کی وجہ سے محبوس کیا تھا، اور کثرت روایت کو حضرت عمرؓ اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ مبادا آنحضرتؐ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے اور اس میں انہماک کر کے حفظ قرآن کی طرف سے غفلت نہ ہو جائے، نہ کہ جھوٹی حدیثیں بنانا..... لیکن شیعہ مؤلف جاہلوں سے بھی زیادہ بے سمجھ اور کودن ہے، یا جان بوجھ کر بددیانتی و خیانت کرتا ہے، اس پر طرہ یہ کہ علامہ شبلی کی غلطی نکالتا ہے اور کہتا ہے کہ " أكثرتم الحديث عن رسول الله کا ترجمہ مولوی شبلی صاحب نے غلط کیا ہے" سبحان اللہ! آپ بھی مولوی صاحب کی غلطی نکالنے کے قابل ہو گئے! مولوی صاحب کے ترجمہ کی دلیل خود اس عبارت کا سیاق ہے نیز حضرت ابو ہریرہؓ کے تذکرہ میں اکثر ابو ہریرہ پر میں نے جو لکھا ہے اس سے بھی اس کی صحت ثابت ہے، ابو الحسن مترجم بخاری نے بھی اسی کے موافق ترجمہ کیا ہے مؤلف نے اکثر ابو ہریرہ کا ترجمہ فیض الباری سے یہ نقل کیا ہے کہ "ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے" لہٰذا اس سے بھی مؤلف ہی جھوٹا ثابت ہوا۔

حضرت ابن مسعودؓ اور تحلیل نبیذ

نبیذ کے متعلق سفیان ثوری کے تذکرہ میں بہت کافی لکھ چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ نبیذ کا ترجمہ "شراب نبیذ" کرنا بد دیانتی و خیانت ہے، شراب اور نبیذ میں کوئی نسبت نہیں ہے اور یہ کہ جس نبیذ کو بعض علمائے اہلسنت جائز کہتے ہیں۔ وہ بے نشہ ہوتی ہے، نشہ آور کو سب حرام کہتے ہیں یہ جائز نبیذ کھجور کا گاڑھا شربت ہوتی ہے اور اب بتاتا ہوں کہ نبیذ کے معنی خود شیعوں کے بہت بڑے قبلہ و کعبہ ابو جعفر طوسی نے استبصار میں یہ بیان کیے ہیں۔ النبیذ فی اللغة ما ینبذ فیه الشئی والماء اذا طرح فیه قلیل تمر لیسمی نبیذا (ص۹ ج۱ مطبوعہ لکھنؤ) یعنی لغت میں نبیذ اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز ڈال دی جائے، اور وہ پانی جس میں تھوڑی کھجوریں ڈال دی جائیں اس کو نبیذ کہیں گے۔

اور مؤلف کا دماغ درست کرنے کے لئے یہ بھی بتادوں کہ "امام معصوم حضرت جعفر صادق نے "شراب نبیذ" کو جائز و حلال فرمایا ہے اسی استبصار میں ہے انه سأل ابا عبد الله علیه السلام عن النبیذ فقال حلال (کلبی نے امام جعفر سے شراب نبیذ کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حلال ہے) اور اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ اس راز کو بھی فاش کر دیا کہ انا ننتبذه ہم بھی "شراب نبیذ" تیار کرتے ہیں۔ (استبصار ص۹ ج۱)

المختصر حضرت ابن مسعودؓ جس نبیذ کو حلال کہتے تھے یا جس کو وہ پیتے تھے وہ نشہ آور نہ تھی، نشہ آور کی نسبت تو وہ خود حدیث نبوی روایت فرماتے تھے اجتنبوا ما اسکر (فتح الباری ص ۳۴ ج۱) جو نشہ آور ہو اس سے پرہیز کرو، اور غیر نشہ آور نبیذ کی حلت روایت کرنے میں ابن مسعود متفرد نہیں ہیں دوسرے صحابہ نے بھی

اس کو روایت کیا ہے، مؤلف کا یہ لکھنا بھی سراسر جھوٹ ہے کہ "فقہائے اہل سنت "ابن مسعودؓ کے قول کا اعتبار نہیں کرتے۔ زیلعی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں حضرت ابن مسعودؓ کی بے اعتباری کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ ایک خاص مسئلہ میں یہ احتمال ذکر کیا ہے کہ شاید ابن مسعودؓ بھول گئے ہوں، اور یہ احتمال زیلعی نے خود نہیں بیان کیا ہے بلکہ ایک دوسرے شخص کا قول نقل کیا ہے اور اس قول کی زیلعی کے استاذ علامہ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی میں سخت تردید کی ہے۔

لآلی مصنوعہ سے ابو شحمہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں سخت بے ایمانی کی ہے ابو شحمہ نے جو نبیذ پی تھی وہ نشہ آور تھی چنانچہ خود لآلی مصنوعہ میں تصریح ہے **فشرب ليلة النبيذ فخرج الى السكر** (ص ۱۰۸ ج ۲) یعنی ایک رات ابو شحمہ نے نبیذ پی جس سے ان کو نشہ ہو گیا، مؤلف نے غایت بے حیائی و بد دیانتی سے فخرج الی السکر کا لفظ حذف کر دیا ہے۔

اسی طرح یہ بھی جھوٹ ہے کہ امام شافعیؒ و مالکؒ ہر نبیذ کو حرام جانتے تھے امام نووی شافعی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ **في هذه الاحاديث دلالة على جواز الانتباذ و جواز شرب النبيذ ما دام حلوا لم يتغير و لم يغل و هذا جائز باجماع الامة** (ص ۱۶۸ ج ۲) یعنی ان حدیثوں میں دلالت ہے کہ نبیذ بنانا اور ایسی نبیذ کا پینا جو شیریں ہو، بگڑی نہ ہو اور اس میں جوش نہ پیدا ہوا ہو جائز ہے۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ اور ص ۱۶۴ ج ۲ میں لکھا ہے کہ کھجور اور انگور کی ملی ہوئی نبیذ بھی حرام نہیں ہے جبکہ کہ نشہ آور نہ ہو۔ **ولا يحرم ذالك ما لم يصر مسكرا و بهذا قال جماهير العلماء** اسی مضمون کو مظاہر حق ص ۳۰۵ ج ۳ میں یوں لکھا ہے۔ "اور نزدیک جمہور کے جب حرام ہے کہ نشہ کرنے والی ہو"۔

کشف المغطا سے حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کی جو حدیث مؤلف نے نقل کی

ہے، اس سے بھی حضرت ابن مسعودؓ کی تغلیط کے بجائے تصدیق ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ مؤلف نے پوری حدیث نہیں سنائی، پوری حدیث صحیح مسلم ص ۱۶۴ ج ۲ اور مظاہر حق ص ۳۰۵ ج ۳ میں ہے کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اور انگور ملا کر نبیذ پینے سے اور گدر اور پختہ کھجور کی نبیذ پینے سے اور فرمایا کہ ہر ایک کی علیحدہ نبیذ بناؤ اس کی تائید حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو نبیذ پینا ہو تو تنہا انگور کی۔ یا تنہا پختہ کھجور کی یا تنہا گدر کی پیئے۔ (مسلم ص ۱۶۴ ج ۲)

عمرو بن عبید معتزلی

اس کو سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ کا راوی کہنا سفید جھوٹ ہے۔ اور قد کو سنن ابوداؤد (باب القدر کی علامت اور فق کو سنن ابن ماجہ باب التفسیر کی علامت کہنا اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے۔ اور فیصلہ کی آسان شکل یہ ہے کہ سنن ابوداؤد باب القدر اور سنن ابن ماجہ کتاب التفسیر میں مولف یا اس کا کوئی وکیل عمرو بن عبید معتزلی کی کوئی روایت نکال دے تو ان کتابوں کا ایک ایک نسخہ ہم انعام میں پیش کریں گے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

رافضی مؤلف نے سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ کے تذکرہ میں داد رافضیت دی ہے اور ایسے ایسے بازاری حملے آپ کی ذات پر کیئے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان ان کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جو لوگ شیعوں کو مسلمان سمجھتے ہیں وہ قرآن پاک میں حضرت عائشہ کی براءت و پاکدامنی کی آیتیں اور آیت تطہیر کو سامنے رکھ کر اس رافضی مؤلف کی تحریر پڑھیں۔ پھر ایمانداری سے بتائیں کہ قرآن پر ایمان رکھتے

ہوئے کوئی ایسے ناروا حملے حضرت صدیقہ پر کر سکتا ہے۔ حاشا و کلا۔

مؤلف نے سب سے پہلے مغافیر والی حدیث نقل کر کے لکھا ہے کہ "حضرت عائشہؓ سوت کی عداوت سے جھوٹ بولی تھیں اور دوسروں کو بھی جھوٹ بولنے کی تعلیم دی تھی۔"

حالانکہ یہ بالکل افتراء ہے حضرت عائشہؓ نے کوئی بات غلط نہ کہی نہ سکھائی۔ مدینہ کے شہد میں عموماً مغافیر کی بو ہوا کرتی تھی، وہاں عرفط کے درختوں کی کثرت تھی اور عموماً مکھیاں اسی کا پھول پتی چوستی تھیں، اس لئے وہاں کا شہد کھانے سے ہلکی سی مغافیر کی مہک منہ سے آتی تھی۔ لہذا ان کا یہ فرمانا کہ میں مغافیر کی بو پاتی ہوں۔ غلط نہیں ہے۔ دوسرے فقرہ میں سوال و استفہام ہے کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ سوال و استفہام میں جھوٹ سچ کا سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

مؤلف کا دوسرا نہایت گھناؤنا اور سفید جھوٹ یہ بیان کرنا ہے کہ "نہایہ و مجمع البحار میں حضرت عائشہؓ کا یہ قول "قتل الله نعثلافقد كفر" منقول ہے" حالانکہ ان دونوں کتابوں میں سے کسی میں بھی جملہ "فقد کفر" کا کوئی نام و نشان نہیں ہے مؤلف نے از راہ خباثت خود اپنی طرف سے یہ فقرہ بڑھا دیا ہے۔ فخری وغیرہ سے حضرت عائشہؓ کا جو مقولہ نقل کیا ہے وہ بھی افتراء ہے۔ صاحب فخری وغیرہ نے اس کو ابن قتیبہ و اعثم کوفی وغیرہما کی تقلید میں نقل کر دیا ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی ثبوت اور اس کی کوئی قابل اعتماد سند نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تحفہ میں فرماتے ہیں۔ و تحریض نمودن عائشہ بر قتل عثمان و او را نعثل گفتن ہمہ از مفتریات ابن قتیبہ و ابن اعثم کوفی است و این جماعہ کذابان مشہور اند و در واقعہ جمل و دیگر وقائع چیز ہا ذکر کردہ اند کہ باتفاق شیعہ و سنی افترائے محض و بہتان صرف است، سخت بے انصافی است کہ در حق

حضرت عائشہؓ صدیقہ زوجہ محبوبہ رسول شہادت خدا اور رسول خدا بر طاق نہادہ در پئے اقوال کاذبہ اخوان الشیاطین چندے از کوفیان بے ایماں بر دیم دین وایمان خود را در راہ اتباع لنہادر بازیم قولہ تعالیٰ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات اولئك مبرئون مما یقولون لهم مغفرة و رزق کریم۔ اہلسنت چہ قسم ایں خبر ابن قتیبہ در حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باور دارند حالانکہ ترمذی وابن ماجہ وابو حاتم رازی بطریق متعددہ روایت کردہ اند کہ عائشہ می گفت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان یا عثمان لعل اللہ یقمصك قمیصا فان راودوك علی خلعه فلا تخلعه لهم ثلاثا (ص ۶۴۸)

دوسری دلیل اس بات کی کہ حضرت عائشہؓ پر یہ افتراء کیا گیا ہے۔ ناقلوں کی اختلاف بیانی ہے فخری وغیرہ نے اقتلوا نعثلا فقد کفر نقل کیا ہے اور ابن قتیبہ نے اقتلوا نعثلا فقد فجر نقل کیا ہے (دیکھو الامامۃ والسیاسۃ ص ۴۷) اور مؤلف نے ص ۷۷ ج ۲ میں تصریح کی ہے کہ اختلاف بیانی دلیل کذب ہے۔ مؤلف کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا استدلال فقد کفر سے ہے اور وہ ثابت نہیں ہو سکا ہے۔

تیسری دلیل اس کے افتراء ہونے کی یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ محاصرہ کے وقت حج کے لئے جانے لگیں تو انہوں نے بہت کوشش کی کہ محمد بن ابی بکر کو جو اس فتنہ کی روح رواں اور بلوائیوں کے سرغنہ تھے، اپنے ساتھ مکہ لیتی جائیں۔ مگر وہ نہیں مانے، اس پر حنظلہ نے کہا کہ تم کو ام المومنینؓ ساتھ لے جانا چاہتی ہیں تو نہیں جاتے اور عرب کی ان مکھیوں کے پیچھے پیچھے حرام چیز کے لئے پھرتے ہو، (کامل ص ۶۷ ج ۳) اگر حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے قتل کے خواہش مند ہوتیں تو محمد بن ابی بکر کو ساتھ لے جانے کی کوشش کیوں کرتیں عقد فرید سے مؤلف نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ مدینہ سے روتی ہوئی نکلیں اور فرماتی تھیں کہ عثمانؓ مظلوم

مارے گئے۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ کل تم لوگوں کو ابھارتی تھیں قتل عثمان پر اور آج روز رہی ہو" یہ بھی سراسر جھوٹ ہے اور اس کا جھوٹا ہونا خود مؤلف کے قول سے ثابت ہے۔ مؤلف ابھی فخری وغیرہ سے نقل کر چکا ہے ثم رجعت الی مکة وھی تقول قتل عثمان واللہ مظلوماً (یعنی پھر حضرت عائشہؓ مکہ پلٹ گئیں یہ کہتی ہوئی کہ حضرت عثمان واللہ مظلوم مارے گئے) یہ فقرہ بتا رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ جب مکہ سے مدینہ آ رہی تھیں، تب انہوں نے قتل عثمانؓ کی خبر سنی اور عقد فرید کی عبارت میں تصریح ہے کہ حضرت عائشہؓ قتل عثمانؓ و بیعت علیؓ کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ لہٰذا ان میں کوئی ایک ضرور جھوٹ ہے، اور وہ عقد فرید ہی والا قصہ ہے اس لئے کہ تمام مؤرخین فخری، طبری، ابن اثیر و ابن خلدون نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہؓ محاصرۂ عثمانؓ ہی کے وقت بارادۂ حج مکہ چلی گئیں تھیں جب وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس ہو رہی تھیں تو مقام سرف میں پہنچ کر ان کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ معلوم ہوا اور وہ پھر مکہ لوٹ گئیں۔ دیکھو کامل ص۸ ج ۱۳ ابن خلدون ص ۲۶۰ ج ۴ وغیرہ۔

پس جب وہ شہادت عثمانؓ و بیعت علیؓ کے وقت مدینہ میں موجود ہی نہیں تھیں تو یہ بیان کرنا کہ سب اصحاب نے حضرت علیؓ سے بیعت کر لی تو وہ منبر سے اترے اور مروان کو طلب کیا، وہ بھاگ گیا اور حضرت عائشہؓ مدینہ سے روتی ہوئی نکلیں الخ" جیسا کہ عقد فرید میں ہے۔ بالکل جھوٹ ہے۔

مؤلف کا یہ لکھنا کہ "حضرت عائشہؓ مصلحت وقت کی پابندی تھیں" الخ اپنے ائمہ معصومین پر قیاس ہے یہ انہیں کا شیوہ تھا، روضۂ کافی میں ہے کہ "صبح کو ایک منادی پکارتا ہے کہ علی اور ان کے شیعہ کامیاب ہیں، اور شام کو دوسرا منادی ندا کرتا ہے کہ عثمانؓ اور ان کے شیعہ کامیاب نہیں (ص) یہ انہیں کا شیوہ تھا کہ بادشاہوں

کے پاس جاتے تھے، توان کو امیر المومنین کے لقب سے خطاب کرتے تھے اور سلام کرتے تھے اور گھر میں بیٹھ کر ان پر لعنت کرتے تھے (دیکھو اصول کافی ص)

مؤلف کا یہ لکھنا بھی سراسر فریب ہے کہ اکابر صحابہ حضرت عثمانؓ کو قصوروار سمجھتے تھے۔ اکابر صحابہ میں حضرت علیؓ ہیں۔ ان سے محمد بن حاطب نے پوچھا کہ میری قوم سوال کرے گی کہ تمہارے صاحب (حضرت علیؓ) کا حضرت عثمانؓ کے باب میں کیا قول ہے حضرت علی نے فرمایا ان کو بتانا کہ میرا ان کے باب میں بہت اچھا قول ہے ان عثمان کان من الذین امنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا و امنو ثم اتقوا و احسنوا والله یحب المحسنین یعنی عثمان ان لوگوں میں تھے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر تقویٰ و پرہیز گاری کی اور ایمان پر ثابت رہے پھر تقویٰ و پرہیز گاری کی اور احسان کیا، بے شبہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (عقد فرید ص ۹۳ ج ۳) اکابر صحابہ میں حضرت ابن عمرؓ تھے، حرہ کے واقعہ میں اہل مدینہ کا جو قتل عام ہوا اس کی نسبت وہ فرماتے تھے کہ خدائے کعبہ کی قسم یہ قتل عثمان کا بدلا ہے [1]۔ نیز وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک فتنہ کا ذکر فرما رہے تھے، اسی درمیان میں سامنے سے ایک شخص گزرے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس فتنہ میں مظلوم مارے جائیں گے ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عثمان تھے [2]۔ اکابر صحابہ میں حضرت ابن عباس تھے، ان کا ارشاد ہے کہ اگر قتل عثمانؓ کی وجہ سے آسمان سے خون برسے تو تھوڑا ہے [3]۔ صحابہ میں ایک بزرگ مرہ بن کعب ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ ایک فتنہ کا ذکر کر رہے تھے کہ ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، یہ شخص اس دن ہدایت (حق) پر ہوگا۔ میں نے نزدیک جا کر دیکھا تو وہ عثمانؓ تھے، میں نے پھر

[1] عقد فرید ص ۸۹ ج ۳، ۱۲ منہ [2] ترمذی و صواعق ص ۶۶، ۱۲ منہ

[3] عقد فرید ص ۸۹ ج ۳، ۱۲ منہ

حضرت سے پوچھا کہ ان کو آپ ہدایت پر فرماتے ہیں حضرت نے فرمایا ہاں (ترمذی و صواعق ص ۶۷) اکابر صحابہ میں حضرت عائشہؓ ہیں وہ روایت کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص (خلافت) پہنائے گا۔ پس اگر منافق لوگ اس کو اتروانا چاہیں تو تم ہرگز نہ اتارنا تا آنکہ تم مجھ سے مل جاؤ۔ اکابر صحابہ میں حضرت ابو موسیٰؓ ہیں ان سے حضرت عمرو بنؓ العاص نے پوچھا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم مارے گئے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک جانتا ہوں (اخبار طوال ص ۲۰۴) اکابر۔ تابعین میں سعید بن المسیب تھے، ان کو شیعوں نے اپنے رجال میں بھی ذکر کیا ہے۔ (کشی ص) وہ صراحۃً فرماتے تھے۔ قتل عثمان مظلوماً و من قتله کان ظالما حضرت عثمانؓ مظلوم مارے گئے اور جس نے مارا وہ ظالم تھا۔[1] اکابر تابعین میں حسن بصری ہیں وہ محمد بن ابی بکر کو قتل عثمانؓ میں شرکت کی وجہ سے فاسق کا لقب دیتے تھے۔ دیکھو مجمع الزوائد ص ۹۷ ج ۹ خود مؤلف نقل کر چکا ہے کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ پر لعنت کیا کرتے تھے (۹۴ ج ۱) بلکہ تاریخوں میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ باہر سے جو بلوائی آئے تھے ان کی نسبت قتل عثمانؓ سے پیشتر ہی حضرت علیؓ، حضرت طلحہ، حضرت زبیرؓ، حضرت محمدؓ بن مسلمہ اور حضرت زید بن ثابت نے فرمایا تھا کہ تم لوگ رسول خدا کی زبان سے ملعون ہو (کامل ص ۶۱ و ۶۲ ج ۳ و ترجمہ ابن خلدون ص ۲۱۴ ج ۴ و ص ۲۱۵ ج ۴ و ابن ابی الحدید ص ۱۶۲ ج ۱)

ان واقعات و احادیث سے روز روشن کی طرح واضح کہ صحابہ و تابعین حضرت عثمانؓ کو قصور وار و مستحق قتل نہیں سمجھتے تھے۔ ہاں ان کے قاتلوں، اور بلوائیوں کو قابل لعنت و ظالم یقین کرتے تھے۔ اگر مؤلف کہے کہ ہاں صحابہ مستحق

[1] عقد فرید ص ۸۱ ج ۳، صواعق ص ۶۹، ۱۲ منہ

قتل تو نہیں جانتے تھے۔ لیکن اس سے کم درجہ کا قصور وار ضرور جانتے تھے تو میں کہوں گا کہ اس صورت میں دیگر صحابہ کے جو اقوال تم نے نقل کئے ان سے حضرت عائشہؓ کے کلام کی تردید نہیں ہوتی اس لئے کہ حضرت عائشہؓ بھی تو حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل ہی کا ذکر فرما رہی ہیں دوسرے یہ بھی غلط ہے کہ صحابہ ان کو قصور وار جانتے تھے صحابہ کو بعض باتوں میں حضرت عثمانؓ سے شکایت ضرور پیدا ہوئی لیکن جب جب حضرت عثمانؓ کے پاس کوئی شکایت پہنچی اور وہ قابل ازالہ ہوئی تو انہوں نے ازالہ کر دیا اور اگر ایسی نہ ہوئی تو انہوں نے معذرت کی اور توبہ واستغفار کیا۔ اور ایسا بھی ہوا کہ تحقیق کے بعد شکایت بے وجہ اور غلط ثابت ہوئی لہذا اصحابہ عام طور پر ان کو قصور سے پاک اور الزام سے بری سمجھتے تھے۔ ہاں دشمنان عثمان بے شک ان کو زبردستی قصور وار ثابت کرنا چاہتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ نے اس قول میں جس کو مؤلف نے خصائص سے نقل کیا ہے انہیں دشمنوں کا خیال ظاہر کیا ہے چنانچہ : فرماتے ہیں و انه اذنب فیکم ذنبا صغیرا فقتلتموه کہ انہوں نے تم میں ایک چھوٹا گناہ کیا تو تم نے ان کو قتل کر ڈالا یہ فیکم کا لفظ ابن عمر نے اسی لئے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ انہیں دشمنوں کے خیال میں قصوروار تھے ورنہ ابن عمرؓ وغیرہ ان کو ایسا نہیں سمجھتے تھے مؤلف اس کو نہیں سمجھ سکا نہ اس نے یہ دیکھا کہ حضرت ابن عمر نے یہ بات دشمنان عثمانؓ پر اظہار نفرت کے لئے فرمائی ہے کہ خدا تو حضرت عثمانؓ کا بڑا جرم بھی معاف کر دیتا ہے اور قرآن میں معافی کی سند ان کو دے دیتا ہے اور ایک معمولی فرو گذاشت بھی جو صرف تمہارے خیال میں ہے معاف نہیں کرتے بلکہ ان کو قتل کر دیتے ہو۔

الامامة والسیاسة کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے زبیرؓ کا جو قول اس سے نقل کیا ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے لیکن اگر ثابت بھی ہو تو وہ احداث (چند نئے

کام) موجب قتل نہیں ہو سکتے۔ بالخصوص جبکہ حضرت عثمانؓ کی ان سے براءت یا رجوع بھی ثابت ہے چنانچہ ابن ابی الحدید شیعی لکھتا ہے والذی نقول نحن انہا و ان کانت احداثا الا انہا لم تبلغ المبلغ الذی بہ یحل دمہ جو ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اگرچہ نئے کام تھے مگر یہ اس حد تک نہیں پہنچے تھے کہ ان کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کا خون حلال سمجھ لیا جائے ص ۶۷ ج ا۔ دوسری جگہ لکھتا ہے انہا لم تبلغ درجۃ الفسق ولا احبطت ثوابہ و انہا من الصغائر وقعت مکفرۃ یعنی وہ نئے کام فسق کے درجہ کو بھی نہیں پہنچے تھے نہ ان کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کا ثواب رائگاں ہوا بلکہ وہ ایسے صغیرہ گناہ تھے جو نماز و روزہ وغیرہ سے معاف ہو گئے تھے (ص ۲۴۵ ج ا) اب رہا محمد بن ابی بکر کا کلام تو اگر بالفرض وہ ثابت بھی ہو تو حضرت عثمانؓ کے حق میں ان کے کلام کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آسمان پر تھوکے، حضرت عثمانؓ کا تو بہت بڑا درجہ ہے۔ وہ اگر حضرت عمرو بن العاص کے حق میں بھی کوئی ایسی بات کہیں تو بے تامل مردود قرار دی جائے گی۔ اصحاب رسول کا ایک دوسرے کو خط لکھ کر حضرت عثمانؓ سے جہاد کے لئے بلانے کا قصہ بھی ایسا کھلا ہوا افترا ہے کہ معمولی سمجھ کا انسان بھی اس کو صحیح باور نہیں کر سکتا، اگر بفرض غلط یہ مان بھی لیا جائے کہ کچھ صحابہ کو حضرت عثمانؓ سے رنجش یا شکایت تھی تو بھی یہ ناممکن ہے کہ کوئی صحابی محض اتنی بات پر حضرت عثمانؓ کے قتل کا سامان کرے اور ان سے مقابلہ کرنے کو جہاد سے تعبیر کرے۔ صحابہ کے خیالات و اقوال حضرت عثمانؓ کے باب میں تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ تاریخ کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت علیؓ کو یہ معلوم ہوا کہ بلوائی لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو انہوں نے صاف فرمایا کہ ہم تو صرف مروان کو چاہتے ہیں۔ لیکن عثمانؓ کا قتل تو یہ ہمارا ہرگز منشا نہیں ہے۔ (الامامۃ والسیاسۃ ص ۳۶، عقد فرید ص ۸۳ ج ۳ صواعق ص ۷۰ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۹)۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ خط جعلی تھا چنانچہ جب بلوائیوں نے اس کو حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے صاف انکار کیا واللہ ما کتبت الیکم کتابا باقط یعنی خدا کی قسم میں نے تمہارے پاس کوئی خط نہیں لکھا (عقد فرید ص ۸۵ ج ۳) اسی طرح بلوائی حضرت عائشہؓ کی نسبت بھی کہتے تھے کہ انہوں نے ہم کو خط لکھ کر بلایا ہے مگر حضرت عائشہؓ سے ذکر کیا گیا تو انہوں نے بحلف شرعی انکار کیا صاحب عقد فرید لکھتے ہیں۔ فکان اختلاق ھذہ الکتب کلھا سببا للفتنۃ (ص ۸۵ ج ۳) یعنی یہی جعلی خطوط تمام فتنوں کا سبب بن گئے۔

حضرت عائشہؓ پر ایک افتراء مؤلف کا یہ بھی ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ رسول کی معصومیت پر حملہ کیا ہے۔ اس لئے کہ انہی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ مجھ سے حالت حیض میں مباشرت کرتے تھے۔"

ناظرین ملاحظہ کریں کہ مؤلف کتنا بڑا جاہل اجہل یا شرم و حیا سے عاری افترا پرداز ہے کہ "مباشرت" کے عربی محاورہ کو ہندوستانی "مباشرت" یعنی صحبت و جماع قرار دیتا ہے۔ حالانکہ وہ خود نقل کرتا ہے کہ آنحضرت پہلے تہ بند باندھنے کا حکم دیتے تھے اس کے بعد مباشرت فرماتے تھے اگر عقل ہوتی تو اسی سے سمجھ لیتا کہ مباشرت سے صحبت مراد ہوتی تو ازار باندھنے کا حکم کیوں دیتے تھے۔ پھر جو حدیث اس نے نقل کی ہے بخاری میں اسی کے متصل دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ یہ بیان کرنے کے بعد فرماتی تھیں۔ وایکم یملک اربہ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یملک اربہ (یعنی تم میں کون ایسا ہے جو اپنے نفس پر اس طرح قابو رکھے جس طرح آنحضرتؐ قابو رکھتے تھے) یہ فقرہ بھی صاف بتا رہا ہے کہ مباشرت سے جماع مراد نہیں ہے۔ ورنہ نفس پر قابو رکھنے کا ذکر نہ فرماتیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ یہاں مباشرت کے معنی جماع نہیں بلکہ صرف کھلے

جسم سے جسم ملانے اور اسی طرح لپٹنے کے ہیں۔ حدیث و فقہ میں یہ لفظ اسی معنی میں بکثرت مستعمل ہے۔ مؤلف کی اگر اپنی کتابوں پر بھی نظر ہوتی تو اس سے یہ حماقت سرزد نہ ہوتی۔ استبصار ص ۷۴ ج ۲ میں ابو بصیر سے مروی ہے۔ سألت ابا عبد الله عليه السلام عن رجل كلم امرأته في شهر رمضان وهو صائم .قال ليس عليه شئي و ان امذى فليس عليه شئي والمباشرة ليس لها باس ولا قضاء يومه۔ میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ کوئی آدمی اپنی بی بی سے رمضان میں روزہ رکھے ہوئے بات کرے تو کیسا ہے فرمایا کہ اس پر کچھ نہیں مذی آجائے جب بھی کوئی حرج نہیں اور مباشرت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے نہ قضا عائد ہوتی ہے۔ عن ابي جعفر عليه السلام انه سئل هل يباشر الصائم او يقبل في شهر رمضان فقال اني اخاف عليه فليتنزه عن ذالك الا ان يثق ان لا يسبقه منيه۔ امام باقر سے پوچھا گیا کہ روزہ دار مباشرت کر سکتا ہے یا بوسہ لے سکتا ہے تو فرمایا کہ میں اس پر اندیشہ کرتا ہوں لہذا بچے مگر اگر اس کو اپنے اوپر بھروسہ ہے کہ منی نہ نکل آئے گی تو مباشرت بھی کر سکتا ہے بوسہ بھی لے سکتا ہے اب رہا یہ مسئلہ کہ حائضہ عورت ازار باندھ کر ناف سے لے کر گھٹنوں تک چھپالے تو باقی جسم سے شوہر اپنا جسم ملا سکتا ہے یا نہیں تو مؤلف کو معلوم ہونا چاہئے کہ استبصار میں ہے قلت لابي عبد الله عليه السلام ما للرجل من الحائض قال ما بين اليتيها ولا يوقب

(ج ۱ ص ۶۰) جب

یہاں تک جائز ہے تو جسم ملانا کیا چیز ہے۔

بہر حال ازار باندھنے کے بعد باقی جسم سے جسم ملانا کسی فریق کے مذہب میں منع نہیں ہے لہذا اس سے معصومیت پر کیا حرف آسکتا ہے۔

مؤلف نے بخاری سے ایک حدیث نقل کر کے لکھا ہے کہ "دیکھئے لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے سامنے تذکرہ کیا کہ پیغمبر نے حضرت علیؓ کو اپنا وصی و جانشین بنایا مگر حضرت عائشہؓ سیاست داں تھیں باپ کے خیال سے علیؓ کے خلیفہ اور وصی ہونے سے انہوں نے انکار کر دیا۔" مؤلف اپنے ائمہ معصومین پر حضرت عائشہؓ وغیرہا کو بھی قیاس کرتا ہے کہ جھوٹ سچ کی پرواہ کئے بغیر جب جو مصلحت دیکھی کہہ دیا۔ لیکن یہ قیاس غلط ہے۔ ہمارا مذہب تقیہ نہیں ہے ہمارے اسلاف کا دامن اس شرم ناک عیب سے پاک ہے حدیث بخاری میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اپنا یہ عقیدہ بیان کیا بلکہ یہ ہے کہ چند لوگوں نے شیعوں کے اس خیال باطل کا تذکرہ کیا چنانچہ یہی روایت بعینہ اسماعیلی میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں قیل لعائشة انهم يزعمون انه اوصى الى على (فتح الباری ص۱۰۵ ج۸) یعنی حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ وہ لوگ یعنی شیعہ گمان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے علیؓ کو وصیت کی مؤلف کو معلوم ہونا چاہئے کہ مؤلف اتحاد الفریقین شیعہ نے لکھا ہے کہ زعم جھوٹے خیال کو کہتے ہیں اور اصول کافی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے یہ تذکرہ کیا تھا وہ اس کو شیعون کا باطل خیال سمجھتے تھے انہوں نے اپنا خیال نہیں بیان کیا تھا۔

اب رہی یہ بدگمانی کہ حضرت عائشہؓ نے مصلحتاً انکار کر دیا تو یہ بھی غلط ہے تنہا حضرت عائشہؓ کا یہ بیان نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عباسؓ (تلمیذ حضرت علیؓ اور ان کے دست راست) نے بھی یہی بیان کیا ہے مات رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يوص (ابن ماجہ مسند احمد) کہ آنحضرتؐ انتقال فرما گئے، اور کسی کو وصی نہیں بنایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت علیؓ بھی اس سے انکار کرتے تھے، جمل کے دن انہوں نے علی الاعلان فرمایا یا ايها الناس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

لم یعهد الینا فی هذه الامارة شیئا (مسند احمد و دلائل النبوة بیهقی) کہ اے لوگو! آنحضرتؐ نے اس حکومت وخلافت کے باب میں ہم کو کوئی وصیت نہیں کی ہے حضرت علیؓ کے اس بیان کے مقابلہ میں مؤلف جو اروی اور حضرت قیس کا قول پیش کرتا ہے اگر وہ اقوال بالفرض صحیح و ثابت بھی ہوں تو ہم اہلسنت وجماعۃ حضرت علیؓ ہی کی بات کو ترجیح دیں گے اور اسی کو صحیح باور کریں گے ہاں مؤلف کو اختیار ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو جھوٹا کہہ دے اور ان کی بات صحیح نہ سمجھے۔ علاوہ بریں اروی بنت حارث نام کی کوئی صحابیہ گزری ہی نہیں ہیں۔ اروی بنت عبد المطلب ضرور تھیں مگر ان کا اسلام محقق نہیں ہے ایک کمزور قول ہے کہ وہ اسلام لائی تھیں شیعوں کے علامہ مجلسی حیات القلوب میں لکھتے ہیں واز عمہ ہائے آنحضرتؐ بغیر از صفیہ کسے مسلمان نہ شد و بعضے گفتہ اند کہ اروی و عاتکہ نیز مسلماں شدند (ص ۹۴۷ ج ۲) یعنی حضرتؐ کی پھوپھیوں میں صفیہؓ کے سوا کوئی مسلمان نہیں ہوئیں۔ اور بعض نے کہا کہ اروی و عاتکہ بھی مسلمان ہوئی تھیں، پھر جو وہ فرماتی ہیں کہ "علیؓ ہمارے نبی کے بعد بمنزلہٗ حضرت ہارون کے تھے حضرت موسیٰ کے بعد" اس سے حضرت علیؓ کا وصی ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے وصی و جانشین نہیں تھے، بلکہ یوشعؑ بن نون تھے۔ حضرت ہارونؑ تو حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لہذا اس تشبیہ سے رسول خدا کے بعد علیؓ کی جانشینی ثابت کرنا غلط ہے، حضرت ہارونؑ کا حضرت موسیٰؑ سے پہلے وفات پانا خود حیات القلوب۔۔۔ میں مذکور ہے اور حضرت قیس کا قول خواص الامۃ سے نقل کیا گیا ہے جو موضوعات کی پوٹ ہے اور اس قول کے جعلی ہونے کا ثبوت خود وہ اشعار ہیں جن کی نسبت قیس کی طرف کی گئی ہے عربی داں حضرات ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ان مـــا قـــال النبی علیٰ   الامة نص ما فیه قیل و قال

کیا کوئی عرب نص علی الامۃ (اس معنی میں کہ امت کے لئے نص ہے) بول سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ اور شہادت حضرت علیؓ

مؤلف لکھتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر سنی تو خوش ہو کے یہ شعر پڑھنے لگیں ۔

فالقت عصا ھا واستقر بھا النوی
کمـــا قر عیناً بالایاب المســافر

مؤلف نے یہاں بھی بے ایمانی کی ہے طبری ص ۸۷ ج ۶ میں خوش ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، دوسری بے ایمانی شعر کا غلط مطلب بتاتا ہے، شعر کا صحیح مطلب یہ ہے کہ (اس نے رخت سفر کھول دیا، اور منزل پر اس کا قیام ہو گیا ہے، جیسے مسافر جب وطن لوٹتا ہے تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منشا ان شعر کے پڑھنے سے یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سفر دنیا ختم ہوا، اب آخرت کی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کو وہاں وہی خوشی حاصل ہو رہی ہے ہو گی۔ جو مسافر کو وطن کو لوٹنے سے حاصل ہوتی ہے) [۱]

اس کے بعد ابو الفرج کی مقاتل الطالبین سے ایک قصہ نقل کیا ہے لیکن ابو الفرج کی نسبت میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ شیعہ ہے، اس کی نقل کا کیا اعتبار علاوہ

---

[۱] قوسین کی عبارت مدیر کی تحریر کردہ ہے مخطوطہ میں یہاں بیاض ہے کسی وجہ سے شعر کا مطلب لکھنے سے رہ گیا ہے۔ عبارت کا ربط قائم رکھنے کے لئے یہ عبارت لکھی گئی۔ (ادارہ)

بریں جب وہ خود ہی نقل کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ میں بھول گئی تھی تو اب کیا شکوہ ہے؟ مقاتل الطالبین کے دوسرے قصہ میں سجدہ شکر کا نہیں صرف سجدہ کا ذکر ہے، صحابہ کو ہر عظیم الشان واقعہ سے خدا کے جلال و جبروت اس کی بے نیازی اور اس کی قدرت کا تازہ یقین پیدا ہوتا تھا، اور اسی کیفیت میں وہ ایسی کوئی خبر سن کر اس کے آگے سر نیاز جھکا دیتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا یہ سجدہ بھی ایسا ہی تھا۔ بشرطیکہ قصہ صحیح بھی ہو۔

حضرت علیؓ کا نام نہ لینا

مؤلف نے بخاری کی ایک حدیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ سے اتنی عداوت تھی کہ نام لینا گوارا نہ تھا۔ رجل کہا کرتی تھیں اس میں بھی کئی جھوٹ ہیں ایک یہ کہ اگر مؤلف کی ساری باتیں تسلیم بھی کر لی جائیں تو صرف ایک دفعہ نام نہ لینا اور رجل کہنا ثابت ہوگا، نہ کہ ہمیشہ یا اکثر ان کا یہی دستور تھا جیسا کہ مؤلف کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے دوسرے سرے سے یہی جھوٹ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دشمنی سے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیا اصل بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو بیماری میں سہارا دیکر مسجد وغیرہ میں لے جانے والے ایک طرف حضرت عباسؓ تھے دوسری طرف کبھی حضرت علیؓ کبھی حضرت اسامہؓ اس لئے حضرت عائشہؓ نے حضرت عباسؓ کا نام تو لے لیا کہ وہ متعین تھے۔ اور دوسری طرف حضرت علیؓ متعین نہ تھے، اس لئے رجل کہہ دیا نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت سہو ہو گیا ہو، بہر حال دشمنی کا خیال محض دشمنی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اگر مؤلف کا یہ خیال خام صحیح ہوتا تو دوسرے صدہا مواقع میں حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کا نام کیوں لیتیں اور ان کے فضائل میں حدیثیں کیوں روایت کرتیں۔ مؤلف کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لئے میں

ایک حدیث کا حوالہ دیتا ہوں۔ مجمع الزوائد ص ۳۱۸ ج ۹ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ کو دیکھا کہ حضرت علیؓ سے بغلگیر ہیں اور ان کو بوسہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں بابی الوحید الشہید یعنی یکتا شہید پر میرا باپ قربان۔

حضرات حسنین سے پردہ

مؤلف نقل کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ حسنینؓ سے پردہ کرتی تھیں جس پر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان دونوں کو ان کے سامنے جانا جائز ہے" اولاً یہ روایت حد درجہ کمزور و بے اعتبار ہے، ابن سعد نے اس کو واقدی سے نقل کیا ہے اور وہ سخت مجروح ہے (دیکھو میزان الاعتدال ص ۱۱۰ ج ۳) دوسرا راوی ابن ابی سبرہ ہے اس کی نسبت امام احمد نے فرمایا ہے۔ کان یضع الحدیث یعنی وہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا (میزان ص ۳۴۸ ج ۳) ثانیاً یہاں مؤلف نے یہ خیانت کی ہے کہ اس کے ساتھ کی دوسری روایت نہیں نقل کی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تنہا حضرت عائشہؓ کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا، بلکہ تمام ازواج مطہرات کے یہاں یہی دستور تھا، نیز ازواج کی طرف سے یہ بات نہ تھی بلکہ حضرات حسنینؓ خود اس خیال سے نہیں جاتے تھے کہ وہ ہماری حقیقی نانی نہیں ہیں تو شاید ان کے سامنے ہونا جائز نہ ہو اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حسنینؓ کے لئے جائز ہے کہ ازواج ان کے سامنے ہوں لطف یہ ہے کہ یہ روایت امام باقرؒ کی ہے مگر مؤلف کو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی، یہ ہے شیعوں کی محبت و پیروی اہلبیت! اصل الفاظ روایت یہ ہیں قال کان حسن و حسین لا یدخلان علی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن عباس ان دخولھما علی ازواج النبی لتحل لھما (طبقات ابن سعد ص ۵۰ ج ۸) اس

کے بعد مؤلف نے جو بد تمیزی دیا وہ گوئی حضرت عائشہ کے حق میں کی ہے اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے اللہ منتقم حقیقی ہے، ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہ الفاظ منہ سے نکالنے کے وقت اس واقعہ کو بھی سامنے رکھ لینا چاہئے تھا کہ جب حضرت علیؓ "معصوم" حضرت فاطمہؓ "معصومہ و طاہرہ" کو مہاجرین و انصار کے دروازے دروازے مدینہ بھر لئے پھرتے تھے تو یہ شرم کا موقع تھا یا نہیں۔

مؤلف کا یہ صریح جھوٹ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جنگ جمل میں پردہ کا لحاظ نہیں کیا حضرت عائشہؓ پورے سفر میں ہر وقت باپردہ رہیں، اور کبھی ہودج سے باہر کسی اجنبی کے سامنے نہیں نکلیں، حتی کہ جب ان کے اونٹ کا پیر کاٹ دیا گیا، اور ان کا ہودج زمین پر آرہا تب بھی وہ بے پردہ نہ ہوئیں، چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کے بھائی محمد سے کہا کہ دیکھو کوئی چوٹ تو نہیں آئی ہے، انہوں نے ہودج میں سر ڈال کر دیکھا" (کامل ص ۱۰۰ ج ۳ ترجمہ ابن خلدون ص) اور جب حضرت علیؓ نے ان کو اسیر کر لیا تو ان کے ایک فوجی نے ہودج میں جھانک لیا، حضرت عائشہؓ نے بد دعا کی، اور اس پر بد دعا پڑ بھی گئی۔ (کامل ص ۱۰۱ ج ۳)

حضرت عائشہؓ اور دفن حضرت حسنؓ

مؤلف نے اس جھوٹے قصہ کو بھی بہت آب و تاب سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلو میں دفن ہونے سے روک دیا، حالانکہ خود ہی رجال ص ۱۱ ج ۲ میں لکھ چکا ہے، روضہ اقدس میں دفن ہونے سے سعید بن العاص نے روکا اور وہاں میں بتا چکا ہوں کہ یہ بھی جھوٹ ہے صحیح یہ ہے کہ مروان نے روکا بہر حال مؤلف کے نزدیک اختلاف بیانی دلیل کذب ہے، لہذا اس کا جھوٹا ہونا خود اس کے قول سے ثابت ہے حضرت عائشہؓ کی

طرف یہ نسبت کہ انہوں نے روضۂ مقدس میں دفن کرنے سے روکا شیعوں کا افتراء ہے، عقد فرید ص ۱۲۸ ج ۳ و ص ۶۷ ج ۳، تاریخ الخلفاء ص ۱۳۱، صواعق محرقہ ص ۸۳ ابن ابی الحدید بحوالہ ابو الفرج شیعہ ص ۷ ج ۴ استیعاب ص ۳۷۷ ج ۱، اسد الغابہ ص ۱۵ ج ۲ الاخبار الطوال ص ۲۲۳ وغیرہ میں مذکور ہے کہ دفن سے مروان نے روکا ہاں ابن اعثم (شیعہ) اور ابو الفرج (شیعہ) نے بحوالہ یحیٰ ابن الحسن (جس کے رافضی ہونے کا اقرار طوسی نے فہرست ص ۳۶۰ اور نجاشی نے رجال ص ۳۰۹ میں کیا ہے) حضرت عائشہؓ پر تہمت ضرور رکھی ہے، اور ان سے دھوکہ کھا کر روضۃ الصفا والے نے بھی بلا تحقیق یہی لکھ دیا ہے، لیکن وہ قطعاً نا معتبر کتاب ہے، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب پر یہ افتراء ہے کہ روضۃ الصفا کو معتمد سمجھتے تھے، شاہ صاحب نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے۔ بالخصوص یہ قصہ کہ "حضرت عائشہ خچر یا اونٹ پر سوار ہو کر دفن سے منع کرنے گئیں" اس کی تو ابن ابی الحدید شیعہ نے بھی تردید و تکذیب کی ہے، (دیکھو ص ۷ ج ۴) اور کہا کہ اگر وہ تشریف بھی لے گئی ہوں تو یہ رفع شر و دفع فساد کے لئے تھا، ان سے تو یہ ثابت ہے کہ جب ان سے روضہ میں دفن کی اجازت مانگی گئی تو انہوں نے بخوشی اجازت دی۔

اصل قصہ جیسا کہ استیعاب وغیرہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنی زندگی میں حضرت عائشہؓ سے روضۂ اقدس میں دفن ہونے کی اجازت لے لی تھی اور حضرت عائشہؓ نے بخوشی اجازت دے دی تھی، جب وفات کا وقت آیا تو حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ سے کہا کہ میری وفات کے بعد حضرت عائشہؓ سے پھر اجازت طلب کر لینا شاید انہوں نے پہلی دفعہ لحاظ سے اجازت دے دی ہو، اگر خوشی سے اجازت دے دیں تو روضہ میں دفن کرنا لیکن میرا خیال ہے کہ بنی امیہ مجھ کو وہاں دفن نہ ہونے دیں گے لہذا اگر بنی امیہ رکاوٹ پیدا کریں تو مجھ کو بقیع میں دفن کرنا

وفات کے بعد حضرت حسینؓ ام المومنینؓ کے پاس حاضر ہوئے، اجازت مانگی انہوں نے پھر بڑی خوشی سے اجازت دی مگر بنو امیہ اڑ گئے کہ ہم دفن نہ ہونے دیں گے ۔جب محمد بن الحنفیہ اور عبد اللہ بن جعفر نے دیکھا کہ خونریزی شروع ہو جائیگی تو انہوں نے حضرت حسینؓ کو سمجھایا کہ حضرت حسنؓ تو خود ہی فرما گئے ہیں، اگر بنو امیہ ضد کریں تو مجھ کو بقیع میں دفن کر دینا لہذا ان کی وصیت کے خلاف لڑنے کی ضرورت نہیں ہے (ابن ابی الحدید ص ۱۷ج ۱ وغیرہ) حاصل یہ کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت حسنؓ کی حیات میں اور بعد وفات بھی بہت خوشی سے آنحضرتؐ کے پاس حضرت حسنؓ کو دفن کرنے کی اجازت دی تھی، اور اس کے خلاف انہوں نے کبھی نہیں کیا، لہذا ان پر جھوٹ کی تہمت رکھنا جیسا کہ مؤلف نے ص ۱۲۴ میں کیا ہے سراسر بے ایمانی ہے، اسی طرح یہ کہنا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عائشہؓ کو ظالم کہا سفید جھوٹ ہے اور نہایت ذلیل و شرمناک فریب ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے مروان کی نسبت یہ کہا ہے چنانچہ مؤلف نے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول استیعاب و اسد الغابہ سے نقل کیا ہے اور دونوں میں مروان کا دفن سے روکنا۔ اور روکنے پر حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ فرمانا کہ "واللہ یہ ظلم ہے" مذکور ہے اسد الغابہ کی عبارت ملاحظہ ہو فلما توفی جاء الحسین الی عائشة فی ذالك فقالت نعم و كرامة فبلغ ذالك مروان وبنی امية فقالوا والله لا يدفن هنا لك ابدا فبلغ ذالك الحسين فلبس هو ومن معه السلاح و لبسه مروان فسمع ابو هريرة فقال والله انه لظلم فيمنع الحسن ان يدفن مع ابيه (ص ۱۵ ج ۲) یعنی جب حضرت حسنؓ کی وفات ہوئی تو حضرت حسینؓ، حضرت عائشہؓ کے پاس اجازت لینے آئے انہوں نے فرمایا ہاں نہایت خوشی سے، اس کی خبر مروان اور بنو امیہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا بخدا وہ وہاں کبھی دفن نہیں ہو سکتے، اس بات کی اطلاع حضرت حسینؓ کو ہوئی تو انہوں نے اور ان

کے ساتھیوں نے ہتھیار لگائے ادھر مروان نے بھی ہتھیار پہن لیا، حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ بخدا یہ ظلم ہے کہ حضرت حسنؓ اپنے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ دفن ہونے سے روکے جائیں گے۔

مؤلف کا یہ بھی افتراء ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت حسنؓ کے جنازے پر تیر برسایا۔" میں لکھ آیا ہوں کہ روضۃ الصفا والے نے رافضی مصنفین کی تقلید میں یہ جھوٹا افسانہ لکھ دیا ہے، لیکن اگر بفرض محال وہ صحیح بھی ہو تو اس میں حضرت عائشہؓ کے تیر برسانے کا کوئی ذکر نہیں ہے، یہ تو خالص مؤلف کا جھوٹ، بہتان اور افتراء ہے، جو اس کا منہ ہی طغرائے امتیاز ہے۔

حضرت عائشہؓ اور حدیث میراث رسولؐ

مؤلف نے اس حدیث کی روایت کرنے پر حضرت عائشہؓ کو دروغ بیانی سے متہم کیا ہے، لیکن اگر یہ دروغ بیانی ہے تو حضرت علیؓ بھی یہ جھوٹ بول چکے ہیں نیز امام جعفرؒ اس جھوٹ میں شریک ہیں، دیکھو تذکرہ حضرت صدیقؓ۔

رہی وہ حدیث جو حدیث لا نورث کو جعلی ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے اصابہ و اسد الغابہ سے نقل کیا ہے تو اس کی نسبت کیا کہوں مولف نے یہاں جہالت کی حد کر دی ہے قبل اسلام و نبوت سے پیشتر کے واقعات کو دلیل بنانا کسی ایسی حدیث صحیح کی تکذیب کے لئے جو بعد نبوت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے، کسی اعلیٰ درجہ کے جاہل ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

اگر مؤلف نے نہ سمجھا ہو تو غور سے سنئے کہ وہ جو یہ نقل کر رہا ہے کہ "آنحضرتؐ نے زیدؓ بن حارثہ کی نسبت فرمایا کہ زید میرا بیٹا ہے وہ میرا وارث ہو گا اور میں اس کا وارث ہوں گا" یہ آپ نے نبوت سے پیشتر جب زید کو ان کے باپ اور چچا

لینے آئے تھے اس وقت فرمایا تھا، اور یہ فرمانا حکم شریعت کے ماتحت نہیں تھا اس لئے کہ شریعت تو ابھی نازل ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ عرب کے اس دستور کے مطابق تھا کہ جو کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لے تو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے چنانچہ قبل نبوت اس واقعہ کے پیش آنے کا ثبوت خود وہیں موجود ہے۔ جہاں سے آپ نے نقل کیا ہے۔ اشهد وا ان زیدا ابنی یرثنی وارثه فلما رأی ذالك ابوه وعمه طابت انفسهما وانصرفا فدعی زید بن محمد حتی جاء الله بالاسلام (اصابہ ص ۵۶۴ ج ۱) یعنی حضرتؐ نے فرمایا گواہ ہو جاؤ زید میرا بیٹا ہے وہ میرا وارث اور میں اس کا وارث ہوں گا، جب زید کے باپ اور چچا نے یہ دیکھا تو ان کا دل خوش ہو گیا اور گھر لوٹ گئے لوگ زید کو زیدؓ بن محمد کہنے لگے، یہاں تک کہ اللہ اسلام کو لایا۔ اخیر فقرہ کو غور سے پڑھیئے اس کے علاوہ یہ بھی دیکھئے کہ کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لینے سے اس کا ایسا بیٹا ہو جانا کہ وہ مستحق وراثت ہو جائے یا اس کی بی بی سے نکاح حرام ہو جائے یا اس کو بیٹا بنانے والے کا بیٹا کہہ کر پکارنا یہ سب باتیں قرآن نے منسوخ کر دی ہیں وما جعل ادعیاء کم ابنائکم ۔ادعوھم لآبائھم ۔لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم ۔ما کان محمد ابا احد من رجالکم ان آیتوں کو غور سے پڑھیئے۔۔ بہر حال یہ قصہ اسلام سے پہلے کا ہے اور حدیث لا نورث جس کو حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں وہ آنحضرتؐ نے بعد نبوت ارشاد فرمائی ہے لہذا یہی واجب العمل ہو گی اور زیدؓ کے واقعہ میں جو کچھ پیش آیا، اور حضرتؐ نے جو فرمایا ہے ان سب کو اسلام نے منسوخ کر دیا جس کا اعلان سورۂ احزاب میں کیا گیا ہے صحیح بخاری میں ہے وکان من تبنی رجلا فی الجاھلیة دعاہ الناس الیه وورث من میراثه حتی انزل الله تعالیٰ ادعوھم لآبائھم، یعنی جاہلیت میں جو کسی کو بیٹا بنا لیتا تو وہ لوگ اس کو اسی کا بیٹا کہہ کر پکارتے اور وہ اس کا وارث بھی ہوتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ادعوھم لآبائھم کو نازل کیا تو یہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ اور فاطمہؓ زہرا

مؤلف نے جذب القلوب سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کے حجروں کے درمیان میں ایک کھڑکی تھی، ایک دفعہ رات کے وقت حضرت عائشہؓ اس کھڑکی سے نکلیں توان سے اور حضرت فاطمہؓ سے کچھ باتیں ہو گئیں اس پر حضرت فاطمہؓ نے رسول خدا ﷺ سے کھڑکی بند کرنے کی درخواست کی ،حضرت نے بند کرادیا" مؤلف نے اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے تمام تعلقات میل جول ترک کر دیئے، لیکن یہ مؤلف کی جہالت ہے ایسے مشترک دروازوں سے آنے جانے میں ہر جگہ عورتوں میں اختلاف ہو جاتا ہے جو قابل اعتراض نہیں ہے، اور کھڑکی رفع نزاع کے لئے بند کرائی تھی۔۔ تعلقات ختم کرنے کے لئے نہیں، حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کے تعلقات وفات نبوی کے بعد تک عمدہ رہے، باقی رہی وہ روایت کہ حضرت فاطمہؓ نے بنتؓ عمیس کو وصیت کر دی تھی کہ تم اور حضرت علیؓ مجھ کو غسل دینا کسی اور کو میرے مرنے کے بعد داخل نہ ہونے دینا (مؤلف نے ترجمہ غلط کیا ہے کہ میرے جنازے پر نہ آنے دینا) تو اس میں حضرت عائشہؓ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، حضرت فاطمہؓ نے ان دونوں کے سواسب کو منع کیا ہے تو کیا ان کے سواسب سے ان سے دشمنی تھی کیا حضرت ام سلمہؓ وغیرہ سے بھی ان کے تعلقات اچھے نہ تھے؟

اصل قصہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ غایت شرم وحیا کی وجہ سے یہ پسند نہ کرتی تھیں کہ ان دو کے سوا کوئی دوسرا ان کا جسم دیکھ سکے چنانچہ اسی کے لئے یہ اہتمام بھی کرایا تھا کہ بشکل محفہ ایک چیز بنائی جائے۔ جس میں ان کی نعش رکھی جائے تو جسم کا کچھ پتہ نہ چلے یہ بھی جذب القلوب ہی میں مذکور ہے۔

حضرت عائشہؓ پر سب سے بڑا افتراء

مؤلف نے ایمان کو بالائے طاق رکھ کر شرم و حیا کو خیر باد کہہ کر اور خدائے قہار کے انتقام سے قطعاً بے خوف ہو کر یہ بھی کہہ ڈالا کہ "عائشہؓ نے زہر دے کے اپنے شوہر کا خاتمہ کیا" (ص ۱۳۱) اور اس افتراء و بہتان طرازی کے لئے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو آڑ بنایا کہ "میں نے پیغمبر خدا کو ان کے مرض میں دوا پلانا چاہی، حضرتؐ نے اشارہ سے منع کیا، میں نے کہا کہ مریض کو دوا سے نفرت ہوتی ہے میں نے وہ دوا منہ کھول کے پلا دی جب حضرت کو غشی سے افاقہ ہوا تو مجھے حکم فرمایا کہ سب کو یہی دوا پلائی جائے سوائے عباس کے کہ وہ تم لوگوں میں موجود نہیں ہیں۔"

مؤلف نے حدیث کے ترجمہ میں چار جگہ خیانت کی ہے حدیث میں دو لفظ بصیغہ جمع متکلم ہیں، مگر دونوں جگہ واحد متکلم کا ترجمہ کیا ہے حالانکہ ابھی ص ۱۱۸ ج ا میں صیغہ جمع سے ایک دو نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کا مراد ہونا ضروری قرار دے چکا ہے لہٰذا لدّدنا کا ترجمہ میں نے دوا پلائی" کے بجائے ہم بہت سے لوگوں نے دوا پلانی چاہی، کرنا چاہئے۔ اسی طرح میں نے کہا کہ بجائے ہم بہت سے لوگوں نے کہا" ہونا چاہئے۔ تیسری اور چوتھی خیانت یہ ہے کہ فقرہ خط کشیدہ کی ہم معنی کوئی عبارت اصل حدیث میں موجود نہیں ہے۔ مؤلف نے خالص بے ایمانی سے یہ فقرہ ترجمہ میں بڑھا دیا کہ میں نے منہ کھول کر دوا پلا دی" علی ہذا القیاس کے ہم معنی بھی کوئی لفظ اصل حدیث میں نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ زبردستی منہ کھول کے پلانا تو درکنار اصل حدیث میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دوا پلائی، یہ سب مؤلف کا رافضیانہ افتراء و بہتان ہے۔ اسی طرح مؤلف کا یہ بھی سفید جھوٹ ہے کہ آنحضرتؐ نے

عائشہؓ کو جب یہ حکم دیا کہ سب کو یہی دوا پلاؤ تو انہوں نے افشائے راز کی ڈر سے اس حکم رسولؐ کی تعمیل نہیں کی۔" حدیث میں ہر گز یہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ کو یہ حکم دیا۔ حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ اس حکم کی تعمیل نہیں کی گئی یہ ساری باتیں مولف کے رافضی دماغ کی پیداوار ہیں، مولف کو اپنی جہالت کی وجہ سے یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ واقعہ کہاں اور کس طرح اور کس کے مشورے سے پیش آیا، اس لئے بتایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں اور حضرت ام سلمہ ام المومنینؓ اور حضرت اسماءؓ بنت عمیس (یہ دونوں بی بیاں شیعوں کے یہاں درجۂ اعتبار رکھتی ہیں اور نہایت مقبول ہیں) کے مشورے سے پیش آیا طبقات ابن سعد مجمع الزوائد اور فتح الباری میں یہ تصریحات ملاحظہ کی جائیں۔

مؤخر الذکر دونوں کتابوں میں حضرت اسماءؓ کا خود اعتراف موجود ہے کہ منہ میں دوا ڈالنے کے مشورہ میں میں بھی شریک تھی، اور ان تینوں میں آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کی بھی تصریح ہے کہ یہ کام ان عورتوں کا ہے جو حبشہ ہو آئی ہیں ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ حبشہ کبھی نہیں گئیں، فتح الباری میں حضرت عباسؓ کا یہ بیان بھی موجود ہے کہ روغن زیتون میں قسط پکا کر پلایا گیا تھا، پھر ان تینوں کتابوں میں یہ بھی بصراحت مذکور ہے کہ اس وقت گھر میں جتنے لوگ موجود تھے سب کو وہ دوا پلائی گئی حتی کہ حضرت میمونہؓ روزہ سے تھیں باایں ہمہ ان کو بھی دوا پلائی گئی صرف حضرت عباسؓ مستثنیٰ رہے۔

شیعہ مؤلف کا عصمت رسول پر حملہ اور آپ پر یہ کافرانہ بہتان کہ بیگناہوں کو زہر دینے کا حکم دیا

شیعہ مؤلف نے اس مقام پر بے خبری میں اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دی

ہے اور اپنا نفاق بالکل آشکارا کر دیا ہے لکھتا ہے کہ "پیغمبر کو اس کا یقین تھا کہ عائشہؓ نے مجھ کو زہر دیا ہے اگر یقین نہ ہوتا تو یہ نہ ارشاد فرماتے کہ دوا حاضرین بزم میں سے سب کو پلائی جائے" ناظرین غور فرمائیں کہ رسولؐ خدا پر کمزور سے کمزور ایمان رکھنے والا بھی یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آپ نے یہ یقین رکھتے ہوئے کہ زہر دینے والی عائشہؓ ہیں، دوسرے تمام بے گناہوں کو یقینی زہر پلانے کا حکم دیا، اور بے قصور ان سب کی جان لینا چاہی، کیا یہ رسول کو بے انصاف و بیدرد ثابت کرنا اور ان کی رسالت پر ناپاک حملہ نہیں ہے؟ کیا اب بھی کسی کو اس بات میں شک ہوگا کہ رافضیت کی بنیاد، نفاق اور دشمنیٔ رسول ہے؟

بہر حال زہر دینے کا افسانہ سراسر جھوٹ ہے اور اس جھوٹ کے لئے مؤلف نے رسول اللہؐ پر بھی حملہ کرنے سے دریغ نہیں کیا ہے **عاذنا اللہ من ھذا الخبث**۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؓ

مؤلف نے خواص الامہ سے جس کے مؤلف کا رفض و تشیع ثابت کیا جا چکا ہے نقل کیا ہے کہ ایک دن حضرت عائشہؓ نے رشک میں یہ کہہ دیا کہ خدیجہؓ ایک بڑھیا عورت تھی خدا نے اس سے بہتر عورت آپ کو دی "شیعہ مؤلف کہتا ہے" کہ اگر عائشہؓ نے سچ کہا ہوتا تو آپ سکوت فرماتے اور رد و انکار نہ کرتے۔" میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بعینہ یہی حدیث مذکور ہے اور اس میں نہ آنحضرتؐ کے غصہ کا تذکرہ ہے نہ رد و انکار کا بلکہ بالکل سکوت ہے، لہذا خود مؤلف کے قول سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ نے سچ کہا تھا اور صاحب خواص الامۃ کی روایت بوجہ اس کے رفض کے اور رافضی نہ ہوتا تو بھی صحیحین کے مقابلہ میں کسی طرح مقبول نہیں

ہو سکتی۔

اور اگر ہم صاحب خواص الامۃ کے اضافہ کو بالفرض صحیح بھی مان لیں تو آنحضرتؐ کا غصہ اس لئے تھا کہ سوتوں میں غیرت ورشک اگرچہ طبعی وفطری بات ہے پھر بھی ہر سوت کو چاہئے کہ اپنے جذبات غیرت کو دبانے کی کوشش کرے آنحضرتؐ نے غصہ ہو کر یہی ادب حضرت عائشہؓ کو سکھانا چاہا تھا۔ اور حضرتؐ نے یہ جو فرمایا کہ خدیجہؓ سے بہتر کوئی عورت مجھ کو نہیں ملی تو اس میں حضرت عائشہؓ کے قول کی تکذیب نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے کو بہتر بلحاظ کم سنی وغیرہ کے کہا تھا اور حضرتؐ نے خدیجہؓ کو بہتر اس لحاظ سے فرمایا کہ وہ ابتدائے بعثت میں آنحضرتؐ کی تنہا رفیق زندگی تھیں اور ان سے آپ کو بہت مدد ملی تھی، جیسا کہ خود شیعوں کی بعض روایتوں میں خدیجہؓ کی بہتری کی یہی وجہ مصرح ہے۔ (دیکھو حیات القلوب ص۸۹ ج۲ مصنفہ مجلسی شیعہ)

حضرت عائشہؓ کی برتری کی دوسری وجہ

یہ ہے کہ وہ آنحضرتؐ کے سوا کبھی کسی دوسرے کی زوجیت میں نہیں آئی تھیں، پہلے پہل وہ آپ ہی کے نکاح میں آئیں، اس کا اعتراف اظہار شرف عائشہؓ کے موقع پر خود اہل بیت نبوت نے کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے (جو بقول شوستری حضرت علیؓ کے مرید خاص تھے) فرمایا ہے انت بخیر ان شاء الله زوجة رسول الله لم ينكح بكرا غيرك (بخاری) آپ انشاءاللہ بخیر ہیں آپ رسول خدا کی بیوی ہیں آپ کے سوا کسی کنواری عورت سے حضرت نے نکاح نہیں کیا۔

رافضی مؤلف نے حضرت عائشہؓ کے اس شرف خاص پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور از راہ غایت بے حیائی یہ سفید جھوٹ بولا ہے کہ عائشہؓ کے پہلے

شوہر جبیرؓ بن مطعم تھے ص ۱۳۲اور دلیل یہ ذکر کی ہے کہ "آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکر کو عائشہؓ کے لئے پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ میں عائشہؓ کو جبیر کے واسطے مطعم کو دے چکا ہوں مجھ کو مہلت دیجئے کہ میں ان سے نکال لوں۔ اس کے بعد ان سے نکال لیا، جبیر بن مطعم نے عائشہ کو طلاق دی اس کے بعد رسول اللہؐ نے نکاح کیا لیکن مؤلف نے اس میں یہ بے ایمانی کی کہ خط کشیدہ فقرہ اپنی طرف سے روایت کے ترجمہ میں شامل کر دیا ہے، حالانکہ اصل روایت میں جو اس نے نقل کی ہے اس مضمون کا اشارہ تک نہیں ہے "فلعنة الله علی الکاذبین۔" اور اس مضمون کے بدون مولف کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جو جواب دیا ہے اس کی صاف مراد یہ ہے کہ میں مطعم کو بات دے چکا ہوں، اور اس کے لڑکے جبیر سے عائشہؓ کی نسبت لگا چکا ہوں، لہذا اب میں اس سے کسی طرح واپس لے لوں، تو آپ کی زوجیت میں دے دوں۔ حاصل یہ کہ ابھی عائشہؓ کی نسبت ہی جبیرؓ سے لگی تھی، اگر نکاح ہو چکا ہوتا جیسا کہ رافضی مولف کا خیال ہے تو انی قد اعطیتها مطعما لابنه جبیر (میں نے عائشہؓ کو مطعم کو اس کے بیٹے جبیر کے لئے دے دیا ہے) ہرگز نہ فرماتے اس صورت میں مطعم کو دینے کا تذکرہ بالکل غلط ہوتا صرف جبیر کو دینے کا ذکر ہوتا اور بالکل مختصر یوں فرماتے انی قد انکحتها جبیراً (میں نے اس کا نکاح جبیر سے کر دیا ہے)۔

خود شیعوں کا ہوا خواہ اور پروردۂ نعمت ابن ابی الحدید شیعی معتزلی بھی یہی لکھتا ہے وکانت تذکر لجبیر وتسمی له (ص۲۹٦ج ۳) یعنی حضرت عائشہؓ جبیرؓ کے لئے نامزد ہو چکی تھیں شیعہ مصنف اتنا بڑا جاہل ہے کہ وہ اس روایت کو حضرت عائشہؓ کے باکرہ ہونے کی نفی کے لئے لکھا ہے، حالانکہ اگر بفرض محال جبیرؓ سے ان کا نکاح ثابت بھی ہوتا تب بھی ان کے کنوارپن کی نفی ناممکن تھی اس لئے شیعہ و سنی

دونوں کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے ہوا تو وہ نابالغ تھیں اور ان کی عمر صرف چھ برس کی تھی جیسا کہ ابن ابی الحدید ص ۱۹۱ ج ۳ وغیرہ نے لکھا ہے یہ ساری گفتگو روایت کو تسلیم کرنے کے بعد ہے لیکن ابھی روایت کی صحت ہی بیحد مشکوک ہے اس لئے کہ اس کا ایک راوی اجلح ہے جو شیعہ تھا اور اس کو جوزجانی نے افترا پرداز کہا ہے اور دوسروں نے بہت کمزور بتایا ہے (میزان الاعتدال) دوسری بات یہ ہے کہ روایت منقطع ہے ابن ابی ملکیہ یہ بیان نہیں کرتے کہ انہوں نے کس سے یہ واقعہ سنا ہے اور خود وہ حضرت ابو بکرؓ کا جواب سن نہیں سکتے اس لئے کہ جب کا یہ قصہ ہے وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

حضرت عائشہؓ اور صفیہؓ

مؤلف نے ایک نکتہ چینی یہ بھی کی ہے کہ "حضرت عائشہؓ اپنی سوت صفیہؓ کو گالیاں دیتی تھیں اور یہاں یہ حرکت کی ہے کہ ایک اتفاقی واقعہ کو عادت مستمرہ بنادیا اور واقعہ بھی پورا نقل نہیں کیا۔ پورا قصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت عائشہؓ اور صفیہؓ آپس میں (کسی بات پر) ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہی تھیں کہ حضرت عائشہؓ نے صفیہؓ کے باپ کو (جو یہودی تھا) برا کہہ دیا صفیہ نے (غصہ میں) حضرت ابو بکرؓ کو برا کہہ دیا، یہ بات آنحضرت ﷺ نے سنی تو فرمایا کہ صفیہؓ تم ابو بکرؓ کو برا کہتی ہو، صفیہؓ تم ابو بکرؓ کو برا کہتی ہو، مولف نے خط کشیدہ حصہ اس لئے حذف کر دیا کہ اس سے حضرت ابو بکرؓ کی بڑی عظمت ثابت ہوتی ہے اور اس لئے بھی اس کو ہضم کر گیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عائشہؓ و صفیہؓ کی گفتگو سن رہے تھے اور ابو بکرؓ کو برا کہنے کے سوا دوسری کسی بات پر ان بیبیوں کو آپ نے نہیں ٹوکا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گفتگو میں کوئی فحش اور نامہذب بات جس کو ہم گالی کہتے ہیں نہیں تھی

ورنہ معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم خاموش نہیں رہ سکتے تھے یہ ویسی ہی تیز باتیں تھیں جو عموماً سوتوں میں ہو جایا کرتی ہیں۔

علاوہ بریں یہ واقدی کی روایت ہے جس کا حال آپ معلوم کر چکے ہیں اور دوسرے راوی بھی مجروح ہیں اور سند منقطع بھی ہے۔

حضرت عائشہؓ اور صدیق اکبرؓ

مؤلف نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے باپ کے ہاتھ سے مار کھائی ہے، مولف نے جہالت کی حد کر دی ہے کوئی لڑکا یا لڑکی اپنے باپ کے ہاتھ سے مار کھائے تو کون سی عیب کی بات ہے، کس کے ماں باپ ادب سکھانے کے واسطے نہیں مارتے۔

پھر جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ پر نکیر فرمائی اور کہا کہ آپ کو خدا بخشے میں نے آپ سے یہ نہیں چاہا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس کی وجہ سے وہ مار کھانے کی مستحق ہوں۔ لہذا اس کو حضرت عائشہؓ کے معائب میں پیش کرنا جہالت ہے۔

اسی طرح احیاء العلوم کی روایت اگر مولف پوری نقل کر دیتا تو معلوم ہو جاتا کہ حضرت عائشہؓ کی جس بات پر وہ نکتہ چینی کر رہا ہے وہ انہوں نے اس موقع پر کہی تھی جب ان میں اور آنحضرت ﷺ میں کچھ بات چیت ہو گئی تھی اور حضرت ابو بکرؓ باتفاق زوجین حکم تجویز ہوئے تھے اور اس نزاع کو بیان کرنے کی نسبت آنحضرتؐ نے عائشہؓ سے پوچھا تھا کہ تم بیان کرو گی یا میں تو اسی سوال کے جواب میں انہوں نے کہا تھا کہ آپ ہی کہئے مگر دیکھئے ٹھیک کہئے گا۔ (شیعہ مؤلف کا

یوں ترجمہ کرنا کہ سچ ہی بولا کیجئے گا بالکل غلط ہے یہ کہنے کا کوئی موقع ہی نہیں تھا۔) اسی پر حضرت ابو بکرؓ نے ان کو مارا کہ نبی سے ایسی بات نہیں کہی جاتی، نبی تو ٹھیک کہتا ہی ہے، آنحضرتؐ نے اس موقع پر حضرت عائشہؓ کو کچھ کہنے کے بجائے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ ہم نے آپ کو اس کے لئے نہیں بلایا تھا ہم آپ سے یہ نہیں چاہتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعہ مولف کا یہ عناد اور چھپی دشمنی قابل صد نفریں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے اس کہنے پر کہ دیکھئے ٹھیک کہئے گا۔ آنحضرتؐ تو کچھ انکار نہیں فرماتے لیکن شیعہ مولف نہایت بے باکی سے داخل کفر قرار دیتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ رسول پاک کفریہ باتیں بھی سن کر خاموش رہ جاتے تھے نہ کوئی فہمائش کرتے تھے نہ زجر و توبیخ توبہ توبہ یہ ہے ایمان شیعوں کا رسول پر۔

حضرت عائشہؓ کے **لا تقل الاحقا** (نہ کہئے گا مگر ٹھیک ٹھیک) کہنے پر شیعہ مولف کا یہ لکھنا کہ صدیقہؓ کے نزدیک رسول جھوٹ بھی بولتا تھا ورنہ اس فرمائش کی ضرورت نہ ہوتی مولف کی سخت جہالت ہے، علامہ مجلسی شیعہ کی حلیۃ المتقین میں رسولؐ خدا کی حضرت علیؓ کو یہ وصیت مذکور ہے یا علی در وقت جماع سخن مگو کہ اگر فرزندے بہم رسد کے ایمن نیستی کہ لال باشد......... یا علی بشہوۃ و خواہش زن دیگر بازن خود جماع مکن (ص ۴۲۔ اے علی صحبت کے وقت بات مت کر کہ بچہ پیدا ہوگا تو اس کے گونگے ہونے کا اندیشہ ہے اے علی دوسری عورت کی خواہش و شہوت میں اپنی بیوی سے صحبت نہ کر) کیا یہاں بھی شیعہ مولف یہ کہے گا کہ رسول پاک کے نزدیک علی صحبت کے وقت بولتے رہتے تھے، اور دوسری اجنبی عورتوں کو دیکھ دیکھ کر شہوت پیدا ہوتی تھی تو ان کا تصور کر کے اپنی بیوی سے جماع کرتے تھے، ورنہ ان فرمائشوں کی ضرورت نہ ہوتی، شیعہ مولف سے بعید نہیں ہے کہ وہ یہاں بھی یہ کہہ دے لیکن ہم اہل سنت اس قسم کے بیہودہ خیال کو نہ حضرت علیؓ کے حق

میں جائز رکھتے نہ حضرت عائشہؓ کے۔

وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی مبارک حالت:۔

موت کے وقت جس طرح تمام نیکوکار اور خدا کے مقبول بندے اپنی معمولی معمولی لغزشوں اور کوتاہیوں پر نادم ہوتے ہیں۔ اور مواخذہ کے اندیشہ سے حسرت و افسوس کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی اپنی وفات کے وقت تحسر کے طور پر فرماتی تھیں کہ مجھ کو روضۂ رسول میں دفن نہ کرنا میں نے آپ کے بعد کچھ نئے کام کئے ہیں، ان نئے کاموں سے ان کی مراد ایسے کام ہیں جو ان کے مرتبۂ عالی سے ان کے خیال میں فروتر تھے۔

شیعہ مؤلف مقبولان خدا کے احوال سے قطعاً ناآشنا اور بے خبر ہے اس لئے حضرت عائشہؓ کی اس خوبی کو بھی عیب شمار کرتا ہے حالانکہ قرب وفات کے اس قسم کے کلمات سے مرنے والے کا عیب وذم اور اس کی گنہ گاری وغیرہ کا ثبوت ہوتا تو شیعوں کے ائمہ معصومین اور ان کے مقبولین بھی اقراری مجرم ثابت ہوں گے علل الشرائع اور بحار الانوار میں مروی ہے کہ حضرت حسن مجتبیٰ وفات کے وقت شدت سے رورہے تھے سبب گریہ پوچھا گیا تو فرمایا انما ابکی لخصلتین لهول المطلع و فراق الاحبه یعنی میں دو باتوں کی وجہ سے روتا ہوں برزخ و آخرت کی ہولناکی سے اور دوستوں کی جدائی سے فرمایئے اگر حضرت حسنؓ کو اپنے خیال میں اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر مواخذہ کا اندیشہ نہیں تھا تو برزخ و قیامت کی ہولناکیوں سے ڈر کر گریہ وزاری کیوں کرتے تھے؟

الحاصل موت کے وقت یہ اظہار ندامت وافسوس اور گریہ وزاری مرنے والے کی خشیت وخدا ترسی اور توبہ وانابت کی دلیل ہے جو بڑی خوبی و کمال ہے مگر۔

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد　　　　عیب نماید ہنرش در نظر

شیعہ مولف اپنی جہالت یا تعصب سے عیب و نقص قرار دے رہا ہے۔ پھر جو روایتیں اس نے پیش کی ہیں ان کا حال یہ ہے کہ ایک میں فضل بن دکین ہیں۔ جن میں تشیع تھا (میزان الاعتدال) اسی میں حسن بن صالح ہیں، ان میں بھی تشیع تھا دوسری روایت واقدی سے مروی ہے جس کا حال معروف و مشہور ہے اور واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا مجہول ہے عمار بن عمیر حدثنی من سمع عائشۃ کہتے ہیں یعنی نام نہیں لیتے کہ حضرت عائشہؓ سے سننے والے کون صاحب ہیں۔ اس لئے مؤلف کو چاہئے کہ پہلے روایتوں کی صحت ثابت کرے۔

حضرت عائشہؓ اور مصنفین یورپ

مؤلف نے حضرت صدیقہ کی مذمت میں مصنفین یورپ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں اور وہ خوش ہے کہ دشمنان اسلام نے بھی شیعوں کی ہم نوائی کی ہے ۔ لیکن یہ خوشی بیجا ہے مصنفین یورپ نے پیغمبر اسلام ہی کی جرح و قدح میں کون سا دقیقہ اٹھا رکھا ہے اور اپنی تنگ نظری اور تعصب کا ثبوت دینے میں کون سی کمی کی ہے حالانکہ آپ کی ذات والا صفات ہر قسم کی نکتہ چینی سے بالاتر ہے جس کا اقرار دل سے نہ سہی زبان سے شیعہ بھی کرتے ہیں تو کیا ان مصنفین یورپ کے لکھ دینے سے آنحضرتؐ پر شیعہ لوگ حرف گیری شروع کر دیں گے؟ پس اسی طرح حضرت عائشہؓ کی نسبت بھی ان کے لکھنے کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، ہر عاقل یہی کہے گا کہ ان مصنفوں نے اسلام و اہل اسلام بلکہ پیغمبر اسلام کی دشمنی اور آپ کے ساتھ تعصب رکھنے کی وجہ سے آپ کے متعلقین و خواص پر نکتہ چینی کی ہے بہر حال ان حوالوں سے حضرت عائشہؓ کا عیب و ذم تو ثابت نہیں ہو سکتا ہاں مولف نے ان حوالوں کو پیش کر کے یہ

ضرور ثابت کر دیا کہ حضرت عائشہؓ پر نکتہ چینی کرنا اسلام کے دشمنوں کا اور بے دینوں کا کام ہے۔

علاوہ بریں جب تک ان یوروپین مصنفین کی اصل کتابیں نہ دیکھی جائیں اس وقت تک مؤلف کے حوالوں پر اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا، میں نے اپنے ایک دوست سے جو انگریزی میں ایم۔اے ہیں گبن کی تاریخ زوال سلطنت روم پڑھوائی ہے ان کا بیان ہے کہ گبن نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کا خون آلودہ کرتہ دمشق بھیجا، گبن نے یہ بھی نہیں لکھا ہے کہ حضرت حسنؓ کو حضرت عائشہؓ نے روضۂ رسول میں دفن نہیں ہونے دیا ۔اس حالت میں مؤلف کے حوالوں پر جو اس نے دوسروں کی تقلید میں دیئے ہیں کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

مطرقة الكرامة

سے مؤلف نے یہ نقل کیا ہے کہ "اگر امامت اصول دین سے ہوتی تو محاربۂ جمل نہیں بلکہ وہ حقد و کینہ جو بحیات حضرت رسولؐ حضرت عائشہؓ کے دل میں تھا جس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ کبھی وہ آپ کو امام نہ جانتی تھیں موجب کفر ہوتا" اس عبارت کے نقل کرنے میں بھی مولف نے اپنی مذہبی خصوصیت کا اظہار کیا ہے مطرقۃ الکرامۃ کی پوری عبارت یوں ہے۔ "شارح (یعنی ابن میثم شیعہ) کے اس کلام سے اول تو ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ امامت اصول دین سے نہیں ہے اگر امامت اصول دین سے ہوتی" الخ دیکھئے اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف مطرقۃ الکرامۃ اپنا خیال نہیں ظاہر کر رہے ہیں بلکہ ایک شیعہ کے کلام سے اپنا مدعا ثابت کر رہے ہیں اصل قصہ یہ ہے کہ مصنف مطرقۃ الکرامۃ نے اس سے پہلے نہج البلاغۃ سے ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں حضرت عائشہؓ کی حضرت علیؓ سے دشمنی کا ذکر ہے اس کے بعد

ابن میثم کی شرح سے اس کی شرح نقل کر کے اس خطبہ سے امامت کا اصول دین سے نہ ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ شیعوں کے مسلمات سے استدلال ہے مصنف کا خیال نہیں ہے چنانچہ مصنف مطرقۃ الکرامۃ نے اس بحث کی ابتداء میں صاف لکھ دیا ہے کہ "اس (امامت) کے اصل اصول دین نہ ہونے کے دلائل قطعیہ موجود ہیں جو اہل مذہب تشیع میں باجماع و بالاتفاق مسلم ہو چکے ہیں" (ص ۳۰) اس مقام پر ابن میثم کی وہ تقریر بھی شیعہ حضرات کے سننے کے قابل ہے جو اس نے حضرت علیؓ و حضرت عائشہؓ کے مابین نااتفاقی کے اسباب بتاتے ہوئی لکھی ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

مولف نے آپ پر دشمنی جناب امیر کا الزام لگایا ہے اور ثبوت میں ابن ابی الحدید کی ایک عبارت لکھی ہے، جواب یہ ہے کہ ابن ابی الحدید کا ان امور میں کچھ اعتبار نہیں، وہ شیعہ وزیر کا پروردۂ نعمت اور شیعی ہے، پھر نہایت جرأت کا مقام ہے کہ مولف ابن ابی الحدید کی تقلید میں حضرت عمران کو دشمن علی کہتا ہے، حالانکہ فضل بن شاذان جو بہت بڑا شیعی فقیہ اور ائمہ کا مقبول و ممدوح ہے وہ حضرت عمران کو ان صحابہ میں ذکر کرتا ہے جو حضرت علیؓ کو ماننے والے اور ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے (دیکھو کشی ص ۲۶) فیصلہ شیعہ حضرات پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ ابن ابی الحدید کو جھوٹا کہیں یا فضل بن شاذان و کشی کو۔

شیعی و سنی کا فرق

مؤلف نے اس جگہ عباسی وکیل کی تاریخ کے حوالہ سے شیعہ و سنی کا فرق بیان کیا ہے، مولف کو کون سمجھائے کہ شیعہ و سنی مسائل میں عباسی جیسے لوگوں کا نام لینا بالکل فضول ہے، کسی مستند عالم کا نام لینا چاہئے جو دونوں مذہبوں کے اصول و

فروع سے واقف ہو، عباسی صاحب اہل سنت کے فروع و اصول سے بھی کما حقہ واقف نہ تھے، لہذا ان کا قول حجت میں پیش کرنا جہالت ہے۔

بہر حال وہ فرق یہ ہے کہ "سنی تمام ان صحابہ رسول کے ذریعہ سے پیغمبر خدا کی حدیثیں لیتے ہیں، جن کو اپنے نزدیک کسی وجہ سے نا قابل وثوق نہیں سمجھتے اور اہل تشیع زیادہ تر اہل بیت رسول کے ذریعہ سے جو حدیثیں منقول ہیں انہیں کو صحیح مانتے ہیں"۔ دیکھئے کتنا لغو اور غلط فرق ہے اور عباسی صاحب کے ناواقف ہونے کی یہی بالکل کافی دلیل ہے۔ اہل تشیع "اہل بیت کے ذریعہ سے جو حدیثیں منقول ہیں" ان کو نہیں بلکہ "خود اہل بیت کے اقوال" کو حجت سمجھتے ہیں، اور اہل بیت میں بھی سب کے نہیں چند مخصوص افراد کے اقوال کو مثلاً امام زین العابدین کے دو بیٹے تھے ایک محمد ، اور دوسرے زید، ظاہر ہے کہ دونوں اہل بیت میں داخل ہیں مگر شیعہ صرف محمد (امام باقر) کے اقوال کو حجت مانتے ہیں اور زید کے قول کو کوئی وقعت نہیں دیتے، لہذا شیعہ بھی تمام اہل بیت کے اقوال کو قابل اعتبار اور حجت نہیں تسلیم کرتے۔

شیعہ اپنے بارہ اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھتے ہیں، حملہ حیدری کا مصنف لکھتا ہے۔ ہمہ صاحب حکم بر کائنات ہمہ چوں محمد منزہ صفات، اس لئے ان کے اقوال وافعال کو پیغمبر اسلام کے اقوال وافعال کی طرح حجت جانتے ہیں اور انہیں پر ان کے مذہب کا تمامتر دارومدار ہے، یقین نہ ہو تو ان کے مذہب کی اصح الکتب کافی کلینی کا ملاحظہ کیجئے، اقوال ائمہ سوا شاذونادر ہی کہیں کوئی حدیث رسول ملے گی۔

اس کے برعکس مذہب اہل سنت میں انبیاء کے سوا کوئی دوسرا معصوم نہیں ہے نہ اس کے اقوال وافعال حجت ہیں، جب تک کہ ان اقوال وافعال کے لئے کوئی شرعی سند نہ ہو، اسی لئے اہلسنت کی کتب میں احادیث رسول ہی سے حجت پکڑی جاتی ہے اور اسی کی روایت و نقل کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

باقی رہا یہ خیال کہ اہلسنت اہل بیت کے ذریعہ سے جو احادیث رسول ہیں ان کو صحیح نہیں مانتے جیسا کہ عباسی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے اور مولف نے بصراحت لکھا ہے تو یہ بالکل غلط ہے، اہل سنت، اہل بیت کی روایت کردہ حدیثوں کو بھی بجان ودل قبول کرتے ہیں، بشرطیکہ وہ روایتیں اصول حدیث کے رو سے کوئی خامی نہ رکھتی ہوں، اور اگر خامی رکھتی ہوں گی تو البتہ مقبول نہ ہوں گی، لیکن یہ اہل بیت ہی کے روایات کے ساتھ کوئی مخصوص دستور نہیں ہے، حضرات صحابہ کے ذریعہ سے بھی جو روایتیں منقول وماثور ہیں، ان میں بھی کوئی اصولی خامی ہو تو قبول نہیں کی جاتیں۔ فرض کیجئے سند کا منقطع ہونا صحت روایت کے لئے مضر ہے، اسی طرح سلسلہ اسناد میں کسی مجروح راوی کا پایا جانا روایت کی مقبولیت میں قادح ہے تو چاہئے یہ بات صحابہ کی روایت میں پائی جائے یا اہل بیت کی، دونوں جگہ یکساں طور پر روایت کی صحت میں اثرانداز ہوگی۔ اصول حدیث کا ایک مسئلہ ہے کہ جس آدمی کو آنحضرتؐ کی صحبت حاصل نہ ہو وہ اگر بلاواسطہ یہ بیان کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات ارشاد فرمائی ہے، تو یہ مرسل روایت ہے، اور مرسل محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے، تو اب چاہے امام زہری اور امام حسن بصری اس طرح روایت کریں یا امام جعفر صادق، ہر ایک کی روایت مرسل اور ناقابل احتجاج ہوگی۔

اور اگر حضرت علی یا حضرت حسن یا حضرت حسین (شیعوں کے ائمہ معصومین) آنحضرت ﷺ کا کوئی قول و فعل نقل کریں تو ان کی روایت بعینہ اسی طرح مقبول و حجت ہے جس طرح حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمانؓ کی بیان کی ہوئی حدیثیں۔ چنانچہ تم اہل سنت کے صحاح کی ورق گردانی کر کے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ کتنے احکام میں مذکور الصدر حضرات اہل بیت کی روایت کی ہوئی حدیثوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق نے جو حدیثیں اپنے آبائے کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلہ سے یا دوسرے سلسلوں سے بسند متصل روایت کی ہیں ان کو بھی بے تامل مقبول و صحیح قرار دیا گیا ہے بلکہ محدثین اہل سنت نے تو تمام سلاسل اسناد میں الزھری عن علي بن الحسين عن أبيه عن علي کے سلسلہ کو اصح الاسانید اور سب سے اونچا قرار دیا ہے (تہذیب ص ۳۰۵ ج ۷)

صحیحین اور دیگر صحاح میں ان حضرات کی روایتیں موجود ہیں، نیز امام موسی کاظم کی ترمذی و ابن ماجہ میں اور امام علی رضا کی ابن ماجہ میں روایت لی گئی ہے، جس کا دل چاہے بچشم خود ملاحظہ کر لے، اور یہ زحمت گوارا نہ ہو تو کتب رجال مثلاً تہذیب التہذیب تقریب، خلاصہ میں ان حضرات کے حالات نکال کر پڑھے اور ناموں پر جو نشان بنے ہوئے ہیں ان سے اجمالی علم اس بات کا حاصل کرے کہ کن کن کتابوں میں ان کی روایتیں لی گئی ہیں۔ لہذا شیعہ مولف کا یہ لکھنا کہ بخاری (وغیرہ) نے اہل بیت کی روایتیں اپنی کتابوں میں درج نہیں کی ہیں سراسر جھوٹ ہے۔ بخاری نے امام زین العابدین و امام باقر کی روایتیں صحیح بخاری میں اور امام جعفر کی روایتیں الادب المفرد میں زیب رقم فرمائی ہیں (دیکھو تہذیب حالات ائمہ مذکورین)

یہ تو روایات کی نسبت تھا، اب ان کے اجتہادی اقوال کو لیجئے، تو اہل سنت نے ان کے اقوال سے بھی اعراض نہیں کیا ہے، آثار کے ضمن میں ہزاروں اقوال ان ائمہ کے کتب اہل سنت میں منقول اور ان کے مذہب میں معمول بہ ہیں، میرے بیان کی تصدیق مطلوب ہو تو صحیح بخاری کے تراجم ابواب، اور امام طحاوی کے شرح معانی الآثار، ابن حزم کی محلی اور ابن ابی شیبہ کا مصنف پڑھئے۔ ہاں یہ کہئے تو صحیح ہے کہ اہل بیت کے تمام اقوال کسی امام نے قبول نہیں کئے، لیکن پھر یہ بھی اہل بیت نے

خاص نہیں ہے، اہل سنت کے کسی امام نے کسی صحابی حتی کہ حضرت ابو بکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان کے بھی تمام اجتہادی اقوال بلا استثناء قبول نہیں کئے ہیں۔ لہذا ابو بکر شہاب (جس کی نسبت بار بار بتایا گیا ہے کہ وہ سنی نما شیعہ تھا) کا یہ کہنا کہ اہل سنت نے اہل بیت کے اقوال قبول نہیں کئے یا ان کی حدیثیں نہیں لیں، دروغ بے فروغ اور قائل کی سخت جہالت پر دال ہے۔

ابو بکر شہاب کہتا ہے کہ "کتب اہلسنت میں تم اہل بیت میں سے کسی کا قول پاتے ہو" میں کہتا ہوں کہ اگر تم اپنی جہالت کی وجہ سے نہ پاتے ہو تو اس کا کیا علاج ؟ ہم تو بہتیرے اقوال اہل بیت اپنی کتابوں میں پاتے ہیں مثلاً سنن بیہقی (جو حدیث کی مشہور کتاب ہے) میں ہے أخبرنا ابو عبد الله الحافظ أنبأ ابو محمد الحسن بن سليمان الكوفي ببغداد ثنا محمد بن فقال لي ذالك الزنا (ص ۲۰۷ ج ۷) یعنی بسام صیرفی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر سے متعہ کی نسبت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ زنا ہے، اسی طرح سنن بیہقی ص ۳۴۰ ج ۷، دار قطنی ص ۴۴۴، در منثور ص ۲۸۰ ج ا میں امام جعفر کا یہ قول مذکور ہے کہ جو اپنی بی بی کو تین طلاقیں دے دیا اس کی عورت بائن ہو گئی۔

اور امام باقر کے اقوال بیہقی ص ۳۴۶ ج ۷ اور ص ۳۵۱ ج ۷ اور ص ۷ ۳ ج ۶ اور ص ۸۹ ج ۶ و ص ۴۰ ج ۶ و ص ۱۸۳ ج ۶ و ص ۲۲۲ ج ۶ وغیرہ میں مذکور ہیں اور صحیح بخاری ص ۷۶۵ ج ۲ میں۔

عمران بن حطان

اس کی نسبت مولف نے لکھا ہے کہ یہ خارجی ہے اور اس سے بخاری میں روایت لی گئی ہے، میں کہتا ہوں کہ اس سے بخاری میں صرف ایک روایت ہے، لیکن

احتجاج کے لئے نہیں بلکہ تائید کے لئے، اصل حدیث دوسروں کی روایت سے ثابت ہے۔ابن حجر لکھتے ہیں انما اخرجه البخاری فی المتابعات وللحدیث عنده طرق غیر هذه (مقدمہ ص ۵۰۷) یعنی بخاری نے اس کی حدیث تائید کے لئے لی ہے ورنہ اس حدیث کے دوسرے طرق بھی بخاری میں ہیں۔اور اس ایک حدیث کے لینے کی بھی وجہ یہ ہے کہ ابوزکریا موصلی نے تاریخ موصل میں لکھا ہے کہ لم یمت عمران بن حطان حتی رجع عن رای الخوارج (تہذیب ص ۱۲۸ ج ۸ و مقدمہ ص ۵۰۷) کہ عمران خارجیت سے توبہ کرکے مرا ہے۔

مولف کی ایک بے ایمانی

مولف نے عمران کے تذکرہ میں تہذیب واصابہ سے نقل کیا ہے کہ عمران سنی المذہب تھا، لیکن یہ صریح بے ایمانی کی ہے کہ آگے کی بات نقل نہیں کی۔ تہذیب وغیرہ کی پوری عبارت یہ ہے کان عمران بن حطان من اهل السنة فقدم غلام من عمان کانه نصل فقلبه فی مجلس (ص ۱۲۸ ج ۸) یعنی عمران پہلے سنی تھا، پس ایک لڑکا عمان سے آیا گویا کہ وہ تیر تھا (آفت کا پرکالہ) جس نے ایک مجلس میں عمران کو پلٹ دیا (یعنی خارجی بناڈالا)، ناظرین ملاحظہ فرمائیں کیا یہ بالکل لا تقربوا الصلوٰۃ والی مثال نہیں ہے۔اور یہ بھی دیکھیں کہ شیعہ لوگ کیا کیا بے ایمانیاں کرتے ہیں۔ مولف نے جو اور باتیں لکھی ہیں ان کا جواب پہلے ہو چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

مولف نے آپ پر یہ افترا کیا ہے کہ جھوٹی حدیثیں بناتے تھے، اور دلیل یہ بیان کی کہ ان کی ایک بات کی خبر حضرت معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا بلغنی ان

رجالا منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہ ولا توثر عن رسول اللہ فاولئک جہا لکم، مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں نہ آنحضرت سے نقل کی جاتی ہیں، یہ لوگ تمہارے جہال ہیں۔ مولف نے یہاں یہ بے ایمانی کی ہے کہ اس مقولہ میں یحدثون احادیث کا ترجمہ "ایسی جھوٹی باتیں بیان کرتے ہیں" کیا، حالانکہ اس عبارت میں کسی لفظ کا ترجمہ "جھوٹی" نہیں ہو سکتا، مولف نے اس کو اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے تاکہ کسی کا دعویٰ ثابت ہو جائے، لیکن اگر جھوٹ بولنے سے دعویٰ ثابت ہو جایا کرے تو دنیا میں کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے جو ثابت نہ ہو جائے۔

بہر حال حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ پر جھوٹی حدیثیں بنانے کا الزام ہر گز نہیں رکھا ہے اور کیوں رکھیں گے جبکہ ان سے یہ بیان ہی نہیں کیا گیا کہ عبداللہ فلاں حدیث رسول بیان کرتے ہیں [1] بلکہ اون کو یہ پہنچایا گیا ہے کہ عبداللہ فلاں بات بیان کرتے ہیں، لہذا بات بیان کرنے پر جھوٹی حدیث بنانے کا الزام کیوں رکھیں گے، اور اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ حدیث ہی بیان کرنے کی خبر حضرت معاویہ کو دی گئی تو بھی ان کے کلام سے جھوٹی حدیث بنانے کا الزام کسی طرح مفہوم نہیں ہوتا، بلکہ غلط فہمی و نادانی کا الزام مفہوم ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت معاویہ نے خود اولئک جہالکم میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ یعنی یہ کہ ان لوگوں نے بات نہیں سمجھی غلط فہمی و نادانی سے کچھ کا کچھ سمجھ کر ایسا کہتے ہیں، اگر جھوٹی حدیث بنانے کا الزام رکھا ہوتا تو حضرت معاویہ اولئک جہالکم کے بجائے اولئک الکذابون (یعنی وہ لوگ جھوٹے ہیں) یا اس طرح کا کوئی دوسرا فقرہ بولتے۔

---

[1] اور کسی دوسری جگہ سے بھی ثابت نہیں ہے کہ جو بات پہنچائی گئی تھی اس کو حدیث رسول کے عنوان سے عبداللہ نے بیان کیا ہے ص ۱۲ منہ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی جنگ صفین میں شرکت

دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ جنگ صفین میں معاویہ کے ساتھ ہو کے لڑے ہیں یہ بات صحیح ہے لیکن ان کے حق میں یہ بات کچھ مضر نہیں ہے، وہ مجتہد تھے اور مجتہد اپنی خطا پر بھی ماجور ہے، اس مسئلہ پر صفحات ماسبق میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ اسی سلسلہ میں مولف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یہ ایسا زبردست مخالف اہل بیت تھا کہ امام حسین نے اس سے کلام ترک کر دیا تھا" لیکن مخالفت کے ثبوت میں جو واقعہ نقل کیا ہے اس سے مخالفت کے بجائے محبت و عقیدت ثابت ہوتی ہے، مولف خود ہی نقل کرتا ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت حسینؓ کو جاتے ہوئے دیکھ کر حاضرین سے کہا کہ "میں تمہیں بتاؤں کہ زمین و آسمان کے رہنے والوں میں محبوب ترین شخص کون ہے؟ یہی ہے جو جا رہا ہے" دیکھئے اس واقعہ کے وقت حضرت عبداللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پیارے حضرت حسینؓ تھے، آگے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ "جب سے میں نے جنگ صفین میں ان کے خلاف حصہ لیا ہے مجھ سے بات چیت نہیں کی اگر یہ راضی ہو جائیں تو (ان کی رضامندی) مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے" یہ فقرہ صاف بتا رہا ہے کہ حضرت عبداللہ صفین میں، حضرت علیؓ یا حضرت حسینؓ کی دشمنی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے، بلکہ اس مجبوری سے کہ ان کے اجتہاد میں یہی صواب معلوم ہوا، اگر دشمنی سے شرکت کی ہوتی تو آج حضرت حسینؓ کی رضامندی کی تمنا نہ کرتے، نہ ان کی محبوبیت کا اعلان کرتے، یہاں سے صحابہ کے اختلافات کی نوعیت کا اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

باقی رہا حضرت حسینؓ کا ترک کلام تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت کے حق پر ہونے کو اتنا واضح اور صاف مسئلہ اپنے خیال میں سمجھتے تھے کہ اس میں خطا کرنے والے کو معذور قرار دینے کے لئے آمادہ نہ تھے، اس لئے بول چال بند کر دی

تھی، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جتنا صاف اور غیر پیچیدہ انہوں نے اس مسئلہ کو سمجھا تھا در حقیقت بھی ویسا ہی ہو، یا دوسروں کی نگاہ میں بھی اتنا ہی واضح ہو۔

حضرت علی اور کریث

اس بحث میں مولف نے جو نقل کیا ہے کہ "حضرت علی نے کریث سے جو حضرت معاویہ کی طرف سے لڑا تھا۔ فرمایا کہ کہیں تجھ کو معاویہ جہنم میں نہ پہنچادے" تو عرض ہے کہ اس قول کی نسبت حضرت علی کی طرف سے غلط ہے، مطالب السئول نہایت نامعتبر کتاب ہے۔ علاوہ بریں جس سند سے [1] یہ قول منقول ہے، اس کا ایک راوی عمرو بن شمر رافضی ہے جو بہ اتفاق شیعہ و سنی سخت ضعیف ہے اور اس نے جابر جعفی کی کتابوں میں جن میں سے کتاب صفین بھی ہے، اپنی طرف سے ازراہ فریب و خیانت بہت سی حدیثیں لکھ دی تھیں، نجاشی (شیعہ) نے اپنے رجال میں لکھا ہے ضعیف جدا زید أحادیث فی کتب جابر الجعفی ص ۲۰۴ اور میزان الاعتدال میں ہے کہ سخت جھوٹا ہے، رافضی ہے، صحابہ کو گالی دیتا ہے، ثقہ لوگوں کا نام لے کر موضوع روایتیں بیان کرتا ہے (ص ۲۹۱ ج ۲)

دوسرا راوی جابر جعفی ہے وہ باتفاق شیعہ و سنی کمزور ہے، نجاشی نے لکھا ہے کہ وہ مختلط تھا اور میزان الاعتدال میں ہے کہ سبائی تھا، رافضی تھا، صحابہ کو گالیاں دیتا تھا، سخت جھوٹا تھا ص ۱۷۶ ج ۱ تا ص ۱۷۸ ج ۱۔

عمارہ بن جوین

اس راوی کے مجروح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن امام بخاری نے صحیح بخاری میں اس کی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ لہذا اس کو راویان بخاری میں کہنا

---

[1] مسند ابن ابی الحدید ص میں مذکور ہے۔

جھوٹ اور فریب ہے، اس کے نام پر تہذیب میں عخ کی علامت ہے جو رسالہ خلق افعال العباد کی طرف اشارہ ہے، مولف کا بخ کی علامت نقل کرنا بھی غلط ہے۔

رجال بخاری کا دوسرا حصہ اسی نام پر ختم ہوتا ہے، لہذا اس کے دونوں حصوں کا جواب پورا ہو چکا و الحمد لله أولا و آخرا والصلوٰة والسلام علی رسوله وعلیٰ آله و اصحابه المطهرین باطنا و ظاهراً.